برِّصغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

نوائے غزوۂ ہند

جمادی الاول ۱۴۴۴ھ
دسمبر ۲۰۲۲ء

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

غیرتِ جہاد اپنی، زخم کھا کے جاگے گی
پہلا وار تم کر لو، دوسرا ہمارا ہے!

۶ دسمبر ۱۹۹۲ء (شہادتِ بابری مسجد) کے بعد ایک ہندوستانی شاعر کا شعر

حضرت امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی

اپنے بعد آنے والے خلیفہ کے لیے وصیت

’’میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو مہاجرینِ اولین کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کا حق پہچانے اور ان کی عزت واحترام کا خیال کرے۔ جو انصار دارِ ہجرت اور دارِ ایمان یعنی مدینہ منورہ میں مہاجرین سے پہلے رہتے تھے ان کے بارے میں بھی اسے وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کے نیک آدمیوں سے قبول کرتا رہے اور ان کے بُروں کو معاف کرتا رہے۔ میں اسے شہر کے باسیوں کے بارے میں بھی بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ لوگ اسلام کے مددگار لوگوں میں سے ہیں، (فرض زکاۃ وصدقات کا) مال جمع کرنے والے (اور امیر کو لاکر دینے والے) اور دشمن کے غصے کا سبب بننے والے ہیں، ایسے شہر کے باسیوں سے صرف (ضرورت سے) زائد مال ان کی رضامندی سے لیا جائے۔ اور میں اسے دیہاتیوں کے بارے میں بھی بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ لوگ عرب کی اصل اور اسلام کی جڑ ہیں۔ وہ خلیفہ ایسے دیہاتیوں کے جانوروں میں صرف کم عمر جانور لے اور ان سے لے کر ان کے فقیروں میں تقسیم کردے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان دیہاتیوں کے لیے جو عہد وذمہ داری خلیفہ پر عائد ہوتی ہے وہ اسے پوری طرح ادا کرے، ان دیہاتیوں کے بعد والے علاقے میں جو (دشمن وکافر) رہتے ہیں ان سے یہ خلیفہ جنگ کرے اور ان دیہاتیوں کی طاقت سے زیادہ کا ان کو مکلّف نہ بنائے۔‘‘

نسائي، ابنِ حبان، بيهقي، وابنِ ابي شيبه

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۵، شمارہ نمبر: ۷

جمادی الاول ۱۴۴۴ھ — دسمبر ۲۰۲۲ء

بحمد اللہ... مسلسل اشاعت کا پندرہواں۱۵ سال!

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (Email) پر رابطہ کیجیے:
editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.co
www.nawai.io/Twitter
www.nawai.io/Channel
www.nawai.io/Bot
www.nawai.io/ChirpWire

قیمت : اس مجلّے کی قیمت آپ کی دعا...... اور اس دعوت کو نبی اللہ آگے پھیلانا ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے گھوڑا پالے اور محض اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے اس کے وعدوں کو سچا سمجھتے تو بیشک اس گھوڑے کا کھانا، اس کا پینا، اس کی لید اور اس کا پیشاب، غرض اس کی ہر چیز ثواب بن کر قیامت کے دن اس جہاد کرنے والے کے اعمال میں وزن کی جائے گی اور یہ وزن بڑا بھاری ہوگا۔'' (صحیح بخاری)

اس شمارے میں

اداریہ
تم سمجھتے ہو یہ شب آپ ہی ڈھل جائے گی؟ 5
تزکیہ و احسان
فضائل نماز 9
قیامت کی نشانیاں [الآخرۃ]
أشراط الساعۃ/علاماتِ قیامت (۸) 15
حلقۂ مجاہد
امیر المومنین کی ہدایات 23
مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟ 24
نشریات
ورلڈ کپ قطر ۲۰۲۲ کی آڑ میں اباحتی یلغار 27
القاعدہ برِّصغیر کے رسمی اعلامی ادارے 31
سقوطِ ڈھاکہ
سقوطِ ڈھاکہ کا ذمہ دار کون؟ 32
فکر و منہج
چراغِ راہ 37
برِّصغیر کے حکمرانوں کے خلاف لڑنا کیوں واجب ہے 43
لال قلعے سے لال قلعے تک...... 48
کرسمس سے دیوالی تک 'اجتہاد' درکار ہے! 62
خوارج کو پہچانیے!
خوارجِ 'دولتِ اسلامیہ' 64
جمہوریت......عصرِ حاضر کا صنمِ اکبر!
جمہوری عدالتیں اور شریعت کے مطابق فیصلے نہ کرنا 68
عالمی منظر نامہ
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں! 77
بھیڑ اور بھیڑیے کی کہانی (بڑوں کے لیے) 79
پاکستان کا مقدر......شریعتِ اسلامی کا نفاذ!
جذبات 80
جلیانوالہ باغ اور قصہ خوانی والی ٹریننگ اور ذہنیت 82
معرکۂ بنوں...... 86
......ہند ہے سارا میرا!
اسلام تیرا دیس ہے، تو مصطفوی ہے! 88
مسلم برما
روہنگیا کا جہاد 93
میدانِ کارزار سے......
تیغوں کے سائے میں 'یہ' پل کر جواں ہوئے ہیں 96
جن سے وعدہ ہے مر کر بھی جو نہ مریں!
تنویر الاسلام (عبدالسلام) شہید 98
ناول و افسانے
سلطانیٔ جمہور 100
وغیرہ وغیرہ
سوشل میڈیا کی دنیا سے 109

اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے......

اعلانات از ادارہ:

- مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں شائع ہونے والے 'مستعار' مضامین (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس/سٹیٹس/ٹویٹس) مجلّے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آرا سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@nghmag.com

تم سمجھتے ہو یہ شب آپ ہی ڈھل جائے گی؟

اس دسمبر بابری مسجد کی شہادت کو پورے تیس برس بیت گئے۔ بابری مسجد کے کھنڈر پر رام مندر قائم ہے۔ بت ہیں، مورتیاں ہیں، شرک ہے، مشرکین کی پوجا پاٹ ہے اور دلی تا کلکتہ انہی مشرکوں کی حکومت۔ بلکہ کلکتہ سے ڈھاکہ کو جائیے تو انہی جے شری رام کہنے والوں کی بالواسطہ حکومت ہے۔ اہلِ توحید دبائے جا رہے ہیں، لا شریک لہٗ کی اذانوں کی جگہ بھجن گائے جا رہے ہیں۔ لیکن کسی درد رکھنے والے نے بڑی حوصلہ افزا بات کہی کہ 'کعبۃ اللہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، لیکن خانہ کعبہ پھر بھی خانہ کعبہ ہی تھا، پھر وہ بت گرائے گئے اور کعبے کو اللہ کی عبادت کے لیے خالص و پاک کر لیا گیا'۔ کیا ہوا جو بابری مسجد کی بنیادوں پر رام مندر کھڑا ہے، یہ بھی ڈھایا جائے گا، ہندوستان جو آج بت خانہ بنا ہوا ہے یہاں رضائے اللہ وحدہٗ لا شریک سے پھر مسجدِ بابری کی بنیادیں اٹھائی جائیں گی۔ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے وارث اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ (علیہ ألف صلاۃ وسلام) کے سچے امتی وہی کم و بیش پانچ ہزار سال قبل والا، مکہ مکرمہ کا منظر یہاں دہرائیں گے 'وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ'[1]۔ لیکن بقولِ شاعر:

تم سمجھتے ہو یہ شب آپ ہی ڈھل جائے گی؟
خود ہی ابھرے گا نئی صبح کا زرّیں پرچم؟

نہیں! یہ سب قربانی مانگتا ہے، عزم و ارادہ، بدن کا پسینہ، جگر کا خون اور بازو کی قوت۔ اہلِ ہندوستان بخوبی واقف ہیں کہ ہندوستان کا مستقبل کس سمت گامزن ہے۔ ہندوستان کا ہر کلمہ گو، سبزی فروش، دیہاڑی دار مزدور سے لے کر ودھان سبھا (ریاستی اسمبلی) و لوک سبھا (قومی اسمبلی) و راجیا سبھا (سینیٹ) کے رکن تک، جامعہ ملیہ و علی گڑھ سے لے کر جامعہ عثمانیہ و دیوبند تک سبھی کے سامنے ہندو چھریاں، بھالے، تلواریں تیز کر رہے ہیں۔ سبھی ہندوؤں کو لاٹھی چلانا سکھایا جا رہا ہے۔ سبزی کاٹنے والے چاقوؤں سے میاؤں (مسلمانوں) کے منہ اور سر کاٹنے کی باتیں ہندوؤں کی عورتوں کے مونہوں سنائی دے رہی ہیں۔ یہ سب محض باتیں نہیں ہیں، تیس سال پہلے بابری مسجد گرائی گئی تھی، بیس سال پہلے حاملہ ماؤں کے پیٹ چاک کر کے ان کے بچوں کو ان کے ساتھ تیل چھڑک کر احمد آباد میں جلایا گیا تھا، آج ہر جگہ بلڈوزر ہیں، 'جے شری رام کہہ ورنہ سر منڈی سے اتار دیں گے' اور پھر اتار بھی دیے، گاؤ راکھی میں کتنے نوجوان امرتسر تا راجستھان اگر روز کٹتے نہیں تو پیٹے جاتے ہیں، بے چارے کتنے ہی ہر روز Love Jihad کی دیوی کی بھینٹ چڑھتے ہیں؟ یہ اہلِ ہندوستان تو مظلوم ہیں اور ہم بھی باہر سے بیٹھ کر یہ رونا نہیں رو رہے، ہمارے آباؤ اجداد جے پور و اودے پور میں سونا اگلتی زمینیں چھوڑ کر آئے تھے، لکھنؤ میں بستے مکان تھے، بانس بریلی کی رونقیں تھیں، آج بھی وہاں ہمارے کتنے خونی رشتے والے رہتے ہیں۔ لیکن لا الٰہ الا اللہ ایک ایسا رشتہ ہے جو خون و قوم کے رشتے سے بڑھ کر ہے، یہی رشتہ ہمیں آپ کی محبت میں بار بار آپ کی جانب کھینچتا ہے۔ آپ سبھی اپنے من میں آج یہ مان جائیے کہ ہندو مسلم بھائی بھائی کا نعرہ فریب ہے، دھوکہ ہے، سراب ہے۔ ہر 'ازم' اسلام و اہلِ اسلام کا دشمن ہے، سیکولرازم کی چھاؤں ہند کے اہلِ اسلام کے لیے جنت نہیں جہنم ہے (وہ جہنم جس کی مثال احمد آباد دنگے سے دلی فسادات تک ہے)، کیا سیکولر ملحد روسیوں کے مظالم ہم نے نہیں دیکھے، کیا سیکولر ملحد چینیوں کا جبر ہم مشرقی ترکستان کے ایغور مسلمانوں پر ہوتا نہیں دیکھ رہے، کیا آج کی دنیا میں امریکہ و فرانس

---

[1] "اور اس وقت کا تصور کرو جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسماعیل بھی (ان کے ساتھ شریک تھے، اور دونوں یہ کہتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرما لے۔ بے شک تو اور صرف تو ہی، ہر ایک کی سننے والا، ہر ایک کو جاننے والا ہے۔" (سورۃ البقرۃ: ۱۲۷)

سے بھی بڑھ کر کہیں سیکولرازم نافذ ہے؟ آج تک اسی سیکولرازم اور جمہوریت، 'ڈیموکریسی' کی خاطر کابل تا دمشق امریکی و یورپی ہیل فائر میزائل گرتے ہیں۔ سیکولرازم ہی کا عالمی ٹھیکے دار امریکہ 'Howdy Modi' کہتا ہے۔ اپنے ملکوں میں سیکولرازم نافذ کرنے والے یورپی و امریکی ہی برما کی آنگ سان سُوچی کو امن کا نوبیل انعام دیتے ہیں۔ ماضی و حال پوری دنیا میں گواہ ہے کہ ان نعروں کا انجام گھر واپسی ہے یا قبر اور یہ نعرے خدانخواستہ اعتقادی ہو جائیں تو عاقبت بھی ہاتھ سے جانے کا اندیشہ ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حامی سول سوسائٹی نوّے فیصد ہو یا ستّر یا ساٹھ فیصد رہ جائے، یہ اگر آپ کی ہتھیا نہیں چاہتی تو آپ کے قتل و ہتھیا پر خاموش تماشائی ضرور ہے اور اصل بات یہ ہے کہ ہندوستان کہ ہر ہر شعبے پر حتیٰ کہ سول سوسائٹی پر بھی آر ایس ایس ہی کا فکری غلبہ ہے۔ این آر سی اور سی اے اے نے منظور ہونا ہی ہے۔ 'انڈیا ٹوڈے' پر احمد آباد کی ان خاتون کا انٹرویو دیکھیے جو کہتی ہیں کہ 'ہماری ماں ان کو کھلاتی تھی، پلاتی تھی، جب فساد (۲۰۰۲ء میں قتلِ عام) ہوا تو انہی نے ہماری ماں کو کاٹ دیا، جلا دیا'۔ اندلس میں یہی ہوا، بوسنیا میں تو کافر مرد مسلمان گرل فرینڈز (مغربی تعبیر میں بنا نکاح کے تعلقات کے ساتھ) بھی رکھتے تھے، مشرقی تیمور میں یہی ہوا، جن کو اپنا سمجھتے تھے انہی نے پہلے پہل 'اپنوں' ہی کی گردنیں کاٹیں یا کٹوائیں یا بوسنیا کی طرح گولیوں سے بھنوا دیا۔

جسے لوگ القاعدہ یا 'دہشت گردوں' کی دین کی تعبیر کہتے ہیں اس کو چھوڑیے۔ قرآن سے پوچھیے کہ وہ کیا کہتا ہے، سادے سے ترجمے والا کوئی نسخۂ قرآن اٹھائیے اور اس کی تفسیر و تعبیر خود اپنی آنکھوں سے ارد گرد دیکھیے 'لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا'[1]، 'وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ'[2]، 'وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ'[3]۔ وہ آپ سے کہتے ہیں کہ اپنی ملت میں لوٹ آؤ، گھر واپسی کر لو۔ چودہ سو برس قبل یہود و نصاریٰ بھی یہی کہتے تھے کہ یا یہودی ہو جاؤ یا نصرانی، گھر واپسی کر لو، قرآن نے کہا 'وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ'[4]۔ اہالیانِ ہند کے لیے عمل کی راہ پر ہم ماضی میں کئی بار گفتگو کر چکے ہیں۔[5]

اہلِ مشرقی بنگال نے آج سے ۷۵ برس قبل جب قیامِ پاکستان کی تحریک میں حصہ لیا اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے سلہٹ کا محاذ سنبھالا، تو ان کے سامنے حاجی شریعت اللہؒ والی تحریک کا منظر تھا کہ قرآن و سنت حاکم ہوں گے اور حقوق ملیں گے۔ پاکستان کے خائن اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غدار حکمرانوں نے قرآن و سنت کی بیان کی گئی شریعت کو پامال کیا، سیکولر آمریت اور دھوکہ باز جمہوریت سے، بنگالیوں سے دین بھی چھینا، ان کو حقوق بھی نہ دیے بلکہ انہیں کے وسائل کو لوٹا، پاکستان فوج مشرقی پاکستان پر یوں حاکم ہوئی جیسے ایسٹ انڈیا کمپنی برِّ صغیر پر حاکم تھی، ان سے ان کا زرّیں پٹسن بھی چھینا اور ان کی عورتوں کی عزت بھی۔ یوں اہلِ مشرقی پاکستان نے اپنے حقوق کے حصول کی خاطر 'جوئے بنگلہ' کا نعرہ لگانے والوں کا ساتھ دیا، لیکن اس نعرے کے حاملین نے اہلِ بنگلہ دیش کو ہندوستان کا غلام بنا دیا۔ ابھی سولہ دسمبر ۲۰۲۲ء کو کانگریس سے تعلق رکھنے والے بھارتی سیاست دان ششی تھرور نے بنگلہ دیش کی آزادی کا جشن اندرا گاندھی کی تصویر کے ساتھ یہ کہہ کر منایا کہ '(آج سے) اکاون (۵۱) برس قبل اندرا گاندھی نے برِّ صغیر کے جغرافیائی-سیاسی نقشے کی تشکیلِ نو کی'۔ بھارت نے سنہ ۴۷ء سے ۷۱ء تک اور ۷۱ء سے آج تک مشرقی

---

[1] ''تم یہ بات ضرور پاؤ گے کہ مسلمانوں سے سب سے سخت دشمنی رکھنے والے ایک تو یہودی ہیں، اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو (کھل کر) شرک کرتے ہیں۔'' سورۃ المائدۃ: ۸۲

[2] ''اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا ہے وہ آپس میں ایک دوسرے کے والی وارث ہیں۔'' سورۃ الانفال: ۷۳

[3] ''اور یہود و نصاریٰ تم سے اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے مذہب کی پیروی نہیں کرو گے۔'' سورۃ البقرۃ: ۱۲۰

[4] ''اور یہ (یہودی اور عیسائی مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ: تم یہودی یا عیسائی ہو جاؤ راہ راست پر آ جاؤ گے۔ کہہ دو کہ: نہیں بلکہ (ہم تو) ابراہیم کے دین کی پیروی کریں گے جو ٹھیک ٹھیک سیدھی راہ پر تھے، اور وہ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔'' سورۃ البقرۃ: ۱۳۵

[5] دیکھیے استاد اسامہ محمود کا مسلمانانِ ہند کی خدمت میں محبت و اخوت کا پیغام 'اسلام ترا دیس ہے تُو مصطفوی ہے'۔ [اس بیان کا متن مجلّہ 'نوائے افغان جہاد' (نوائے غزوۂ ہند کا سابقہ نام) کے فروری ۲۰۲۰ء کے شمارے میں دیکھا جا سکتا ہے اور شمارۂ ہٰذا میں بھی اس کو مکرر شائع کیا جا رہا ہے۔]

پاکستان ثم بنگلہ دیش میں وہی کیا جو ایک دشمن کو کرنا چاہیے۔ یحییٰ خان و ذوالفقار علی بھٹو اور شیخ مجیب یہ سبھی اقتدار میں کسی بڑی طاقت کے سامنے جھکتے رہے اور ان سب کی سب سے بڑی خیانت اپنے عوام کو اللہ کے دین سے ہٹانے کی کوششیں اور نظامِ کفر (وہ اشتراکی ہو یا سرمایہ دارانہ یا ہندتوائی) کا غلام بنادینا تھا۔ نتیجہ آج یہ ہے کہ بنگلہ دیش کی پولیس زبردستی ہماری ایک نو مسلم بہن 'فاطمہ رحمان' (سابقاً اور پا ساہا) کو اس کے ہندو ماں باپ کے حوالے کر دیتی ہے جو دینِ برحق سے دلی میں نہیں ڈھاکہ میں اس کی گھر واپسی کروانا چاہتے اور ہماری اس بہن کے قتل کے درپے ہیں۔ بنگلہ دیش کے حکمرانوں نے ہندوؤں سے مل کر بنگلہ دیش میں ایک ایسا گھناؤنا کھیل کھیلا جس سے وہاں کے اہالیان کا دین تو گیا ہی بنیادی حقوق بھی سلب ہو گئے۔ ہمارے بنگلہ دیش کی بیٹیاں سب سے سستے داموں دنیا بھر میں آج نیلام ہو رہی ہیں، وہاں چار کروڑ لوگ خطِ غربت سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں، اِنّا للہ واِنّا اِلیہ راجعون!

پاکستانی وردی و بے وردی اسٹیبلشمنٹ کی دین و وطن دشمن پالیسیوں کے سبب کشمیر میں آج مٹھی بھر مجاہدین رہ گئے ہیں، بارڈر بند ہے، نہ مجاہدین داخل ہو سکتے ہیں اور نہ اسلحہ و اموال، سپلائی لائن بند ہے۔ پاکستانی وزیر خارجہ کا اقوامِ متحدہ کے اجلاس میں مودی کو 'گجرات کا قصائی' کہنا ایک سیاسی چال ہے ورنہ اسی کی پارٹی کی پہلے حکومت میں وزیر خارجہ اور اسی کی آج نائب، وزیرِ مملکت برائے امورِ خارجہ ہندوستان کو Most Favourite Nation قرار دے چکی ہے، بس اس زمانے اور آج میں فرق یہ ہے کہ تب کانگریس کے پنڈتوں کی میٹھی چھری تھی اور آج شیوا کا ترشول۔ پاکستان کی خارجہ و دفاع پالیسی ہمیشہ جی ایچ کیو اور آبپارہ سے ہی 'ڈکٹیٹ' کروائی جاتی ہے۔ جب پالیسی ہو تو کشمیر میں لانچنگ ہوتی ہے اور جب پالیسی نہ ہو تو مجاہدین کو قید کر دیا جاتا ہے، بلکہ جموں بارڈر سے مشرک ہندو فوج پر راکٹ چلانے والے مجاہدین پر اپنی 'محسن' فوج ہی کے جوان واہ کینٹ کی نیٹو سٹینڈرڈ پر بنی MG 3 المعروف ایل ایم جی سے گولیاں چلاتے ہیں۔ اہلِ پاکستان کے ذمے بہت سے واجبات ہیں۔ سنہ ۴۷ء کا کہ وعدہ قیامِ نظامِ اسلام کا ہوا جو پورا نہ ہوا۔ سنہ ۷۱ء کا جب دین فروشی کے سبب اندرونی و بیرونی سازش سے ملک دولخت کیا گیا۔ نظامِ مصطفیٰ تحریک جس کا نتیجہ ضیاء الحق کی آمد کے ساتھ بے ثمر ہوا اور اسٹیبلشمنٹ نے اہلِ دین کو دھوکہ دیا۔ عالمی وار آن ٹیرر میں امریکہ کا عسکری طور سے صفِ اول کا اتحادی بننا اور امریکہ ہی کے عالمی آرڈر و ایجنڈے پر ۲۰۰۴ء تا حال قبائل و علاقہ سرحد میں آپریشن در آپریشن کرنا۔ پاکستان کے اہلِ دین کے لیے ایک ایسی دعوتی جہادی تحریک کی ضرورت ہے جو تب تک سکون سے نہ بیٹھے یہاں تک کہ ملک میں امریکی ڈکٹیشن کا خاتمہ اور نفاذِ شریعتِ محمدی نہ ہو جائے (علی صاحبہا اَلف صلاۃ و سلام)۔ اپنی ذات، اپنی جماعتوں اور تنظیموں، اور معاشرے و ملک میں نفاذِ شریعت ماضی کی غلطیوں کا تدارک ہے، غموں کا مداوا ہے اور اہالیانِ برِّ صغیر کی نصرت کی راہ (اور کشمیر تا برما اہلِ ایمان کی نصرت 'فرضِ عین' جہاد کا حصہ ہے)۔ غزوۂ ہند تو حقیقت ہے، اس نے اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ برپا ہونا ہے کہ اس کے پیش آنے کو صادق و مصدوق (علیہ اَلف صلاۃ و سلام) نے بیان فرمایا ہے۔ فیصلہ اہلِ برِّ صغیر کو کرنا ہے کہ وہ اس غزوے کے لیے کتنا خون پسینہ بہانے کو تیار ہیں اور آج اس کے لیے کیا کر رہے ہیں؟ ہم اپنے برِّ صغیر میں رہ کر کس قدر اس کی تیاری زبان و قلم اور کلاشن کوف و تفنگ سے کر رہے ہیں یا بس ہمارے یہاں ابنِ قاسم کو پکارنے اور الٰہی بھیج دے محمود کوئی ہی کی صدا ہے؟

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

یوگی ادتیاناتھ کو خبر ہو کہ غزوۂ ہند کوئی سپنا نہیں، حقیقت ہے، پچھلے جنم میں ہاتھی، گھوڑے اور ہنومان رہنے والے کیا جانیں کہ حقیقی دنیا کیا ہوتی ہے اور سپنا کیا؟ موذی و ناگ، مودی و ادتیاناتھ غزوۂ ہند اور پورے برِّ صغیر میں نفاذِ شریعت کو پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کا پتہ و پروپیگنڈہ نہ سمجھیں، ان کا واسطہ ۷۱ء میں پلٹن والے نیازی اور ۹۹ء میں کارگل والے پرویز سے نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی غزوۂ ہند کی خاطر آہن و بارود میں

لپٹ کر توحید و رسالت کے دشمنوں کو بھسم کر دینے والوں سے ہے، سیّد احمد شہید کی جماعتِ مجاہدین کے جانثاروں سے، حاجی شریعت اللہ کے بیٹوں سے، فتح علی ٹیپو کے فرزندوں سے اور حضرت نانوتوی و شیخ الہند کے وارثوں سے۔ اگر یوگی و مودی اور ان کے ہندو پنڈت و جوگی تلواریں تیز کر رہے ہیں تو مجاہدینِ برِّصغیر نے اپنی کلاشن کوفوں میں حارقہ و خارقہ[1] گولیاں بھر رکھی ہیں۔ ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کی شہادت کے بعد کسی شاعر نے کہا تھا:

غیرتِ جہاد اپنی زخم کھا کے جاگے گی
پہلا وار تم کر لو، دوسرا ہمارا ہے!

اللهم وفقنا كما تحب و ترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وأرضنا وارض عنا. اللهم إنّا نسئلك الثّبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

◆◆◆◆◆

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' اہلِ دین و دانش کے نصائح، رائے اور مشورے کا محتاج ہے
اور چاہتا ہے کہ اہلِ دین و دانش کے
قیمتی نصائح، رائے اور مشورے ادارے تک پہنچیں۔
editor@nghmag.com

[1] گولیوں کی قسمیں، حارقہ: جلا دینے والی گولی، خارقہ: پھاڑ دینے والی گولی۔

فضائلِ نماز

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی نوّر اللہ مرقدہٗ

اِس زمانے میں دین کی طرف سے جتنی بے توجہی اور بے التفاتی کی جارہی ہے وہ محتاج بیان نہیں، حتیٰ کہ اہم ترین عبادت نماز جو بالاتفاق سب کے نزدیک ایمان کے بعد تمام فرائض پر مقدم ہے، اور قیامت میں سب سے اول اِسی کا مطالبہ ہوگا، اِس سے بھی نہایت غفلت اور لاپرواہی ہے، اِس سے بڑھ کر یہ کہ دین کی طرف متوجہ کرنے والی کوئی آواز کانوں تک نہیں پہنچتی، تبلیغ کی کوئی صورت بارآور نہیں ہوتی، تجربے سے یہ بات خیال میں آئی ہے کہ نبیٔ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاک اِرشادات لوگوں تک پہنچانے کی سعی کی جائے؛ اگرچہ اِس میں بھی جو مزاحمتیں حائل ہیں وہ بھی مجھ سے بے بِضاعت کے لیے کافی ہیں، تاہم اُمید یہ ہے کہ جو لوگ خالی الذہن ہیں اوردین کا مقابلہ نہیں کرتے ہیں، یہ پاک الفاظ ان شاء اللہ تعالیٰ اُن پر ضرور اثر کریں گے، اورکلام وصاحبِ کلام کی برکت سے نفع کی توقع ہے،......اِس رسالے میں صرف نماز کے متعلق چنداحادیث کا ترجمہ پیش کرتاہوں؛ چوں کہ نفسِ تبلیغ کے متعلق بندۂ ناچیز کاایک مضمون رسالہ ’فضائلِ تبلیغ‘ کے نام سے شائع ہوچکاہے، اِس وجہ سے اِس کو سلسلۂ تبلیغ کانمبر ۲ قراردے کر’فضائلِ نماز‘ کے ساتھ موسوم کرتاہوں۔وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللهِ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ، وَإِلَيْهِ أُنِيْبُ.

نماز کے بارے میں تین قسم کے حضرات عام طورسے پائے جاتے ہیں: ایک جماعت وہ ہے جو سرے سے نماز ہی کی پرواہ نہیں کرتی، دوسرا گروہ وہ ہے جو نماز تو پڑھتاہے مگر جماعت کا اہتمام نہیں کرتا، تیسرے وہ لوگ ہیں جو نماز بھی پڑھتے ہیں اور جماعت کا بھی اہتمام کرتے ہیں مگرلاپرواہی اوربری طرح سے پڑھتے ہیں؛اِس لیے اِس رسالے میں تینوں مضامین کی مناسبت سے تین باب ذکر کیے گئے ہیں، اور ہر باب میں نبیٔ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاک اِرشادات اور اُن کا ترجمہ پیش کردیاہے؛ مگر ترجمے میں وضاحت اور سہولت کالحاظ کیا ہے، لفظی ترجمے کی زیادہ رعایت نہیں کی۔

فصلِ اول: نماز کی فضیلت کے بیان میں

1. عَن بنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: ”بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةُ أَنْ لَّاإِلٰهَ إِلَّااللهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءُ الزَّكَاةِ، وَالْحَجُّ، وَصَوْمُ رَمَضَانَ“. (متفق عليه)

حضرت عبداللہ بن عمر نبیٔ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہے: سب سے اوّل لَاإِلٰهَ إِلَّااللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کی گواہی دینا، یعنی اِس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ کے سِوا کوئی معبود نہیں، اور محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اُس کے بندے اوررسول ہیں، اُس کے بعد نماز کا قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، حج کرنا، رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔

فائدہ: یہ پانچوں چیزیں ایمان کے بڑے اُصول اوراہم ارکان ہیں، نبیٔ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اِس پاک حدیث میں بطورِ مثال اسلام کوایک خیمے کے ساتھ تشبیہ دی ہے جوپانچ ستونوں پر قائم ہوتا ہے، پس کلمۂ شہادت خیمے کی درمیانی لکڑی کی طرح ہے، اور بقیہ چاروں ارکان بمنزلہ اُن چار ستونوں کے ہیں جو چاروں کونوں پر ہوں، اگر درمیانی لکڑی نہ ہو تو خیمہ کھڑا ہو ہی نہیں سکتا، اوراگر یہ لکڑی موجود ہو اور چاروں طرف کے کونوں میں کوئی سی لکڑی نہ ہو، تو خیمہ قائم تو ہو جائے گا؛ لیکن جس کونے کی لکڑی نہیں ہوگی وہ جانب ناقص اور گری ہوئی ہوگی۔ اِس پاک ارشاد کے بعد اب ہم لوگوں کواپنی حالت پر خود ہی غور کرلیناچاہیے کہ اِسلام کے اِس خیمے کو ہم نے کس درجے تک قائم کررکھاہے اور اِسلام کا کون سارُکن ایساہے جس کو ہم نے پورے طور پر سنبھال رکھاہے۔ اِسلام کے یہ پانچوں اَرکان نہایت اہم ہیں، حتیٰ کہ اِسلام کی بنیاد اِنھی کو قرار دیاگیاہے، اور ایک مسلمان کے لیے بحیثیتِ مسلمان اِن سب کا اہتمام نہایت ضروری ہے؛ مگر ایمان کے بعد سب سے اہم چیز نماز ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے یہاں سب سے زیادہ محبوب عمل کون ساہے؟ ارشاد فرمایا: نماز، میں نے عرض کیا کہ اِس کے بعد کیاہے؟ ارشاد فرمایا: والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، میں نے عرض کیا: اِس کے بعد کون ساہے؟ ارشاد فرمایا: جہاد۔ (بخاری، مواقیت الصلاۃ، حدیث: ۵۲۷)

مُلّاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اِس حدیث میں عُلما کے اِس قول کی دلیل ہے کہ ”ایمان کے بعد سب سے مقدم نماز ہے“۔ اِس کی تائید اُس حدیثِ صحیح سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے: ”اَلصَّلَاةُ خَيْرُ مَوْضُوْعٍ“ یعنی بہترین عمل جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے مقرر فرمایا وہ نماز ہے۔ (مسند احمد، حدیث: ۲۱۵۴۶)

2. عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ فِي الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ يَتَهَافَتُ، فَأَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْ شَجَرَةٍ، قَالَ: فَجَعَلَ ذٰلِكَ الْوَرَقُ يَتَهَافَتُ، فَقَالَ: يَاأَبَاذَرٍّ! قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّيَ الصَّلَاةَ يُرِيْدُ بِهَا وَجْهَ اللهِ، فَتَهَافَتَ عَنْهُ ذُنُوْبُهٗ كَمَا تَهَافَتُ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ. (رواه أحمد)

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سردی کے موسم میں باہر تشریف لائے، جب کہ پتے درختوں سے جھڑ رہے تھے، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک درخت کی ٹہنی ہاتھ میں لی، اُس کے پتے اور بھی گرنے لگے، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اے ابوذر! مسلمان بندہ جب اخلاص سے اللہ کے لیے نماز پڑھتاہے تو اُس کے گناہ ایسے ہی جھڑتے ہیں جیسے یہ پتے درخت سے گر رہے ہیں۔

فائدہ: سردی کے موسم میں درختوں کے پتے ایسی کثرت سے گرتے ہیں کہ بعض درختوں پر ایک بھی پتہ نہیں رہتا، نبی اکرم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ اخلاص سے نماز پڑھنے کا اثر بھی یہی ہے کہ اُس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، ایک بھی نہیں رہتا؛ مگر ایک بات قابلِ لحاظ ہے؛ علما کی تحقیق آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کی وجہ سے یہ ہے کہ نماز وغیرہ عبادات سے صرف گناہِ صغیرہ معاف ہوتے ہیں، کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا؛ اِس لیے نماز کے ساتھ توبہ اور استغفار کا اہتمام بھی کرنا چاہیے، اِس سے غافل نہ ہونا چاہیے؛ البتہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل سے کسی کے کبیرہ گناہ بھی معاف فرما دیں تو دوسری بات ہے۔

3. عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ قَالَ: كُنْتُ مَعَ سَلْمَانَ تَحْتَ شَجَرَةٍ، فَأَخَذَ غُصْناً مِّنْهَا يَابِساً فَهَزَّهٗ، حَتّٰى تَحَاتَّ وَرَقُهٗ ثُمَّ قَالَ: يَا أَبَاعُثْمَانَ! أَلَاتَسْأَ لُنِيْ لِمَ أَفْعَلُ هٰذا؟ قُلْتُ: وَلِمَ تَفْعَلُهٗ؟ قَالَ: هٰكَذَا فَعَلَ بِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، وَأَنَا مَعَهٗ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، وَأَخَذَ مِنْهَاغُصْناً يَابِساً، فَهَزَّهٗ حَتىٰ تَحَاتَّ وَرَقُهٗ، فَقَالَ: يَاسَلْمَانُ! أَلَاتَسَأَ لُنِيْ لِمَ أَفْعَلُ هٰذا؟ قُلْتُ: وَلِمَ تَفْعَلُهٗ؟ قَالَ: ”إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا تَوَضَّأَ، فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ صَلَّى الصَّلَوَاتَ الْخَمْسَ، تَحَاتَّتْ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتَّ هٰذَا الْوَرَقُ، وَقَالَ: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ﴾“.(رواه أحمد والنسائي والطبراني)

ابو عثمان کہتے ہیں کہ میں حضرت سلمانؓ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھا، اُنھوں نے اُس درخت کی ایک خشک ٹہنی پکڑ کر اُس کو حرکت دی، جس سے اُس کے پتے گر گئے، پھر مجھ سے کہنے لگے کہ اے ابو عثمان! تم نے مجھ سے یہ نہ پوچھا کہ میں نے یہ کیوں کیا؟ میں نے کہا: بتا دیجیے، کیوں کیا؟ اُنھوں نے کہا کہ میں ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھا، آپ ﷺ نے بھی درخت کی ایک خشک ٹہنی پکڑ کر اِسی طرح کیا تھا، جس سے اُس ٹہنی کے پتے جھڑ گئے تھے، پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ: ”سلمان! پوچھتے نہیں کہ میں نے اِس طرح کیوں کیا“؟ مَیں نے عرض کیا: بتا دیجیے، کیوں کیا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”جب مسلمان اچھی طرح سے وضو کرتا ہے، پھر پانچوں نمازیں پڑھتا ہے، تو اُس کی خطائیں اُس سے ایسے ہی جھڑ جاتی ہیں جیسے یہ پتے گرتے ہیں“، پھر آپ ﷺ نے قرآن کی آیت ﴿أَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَيِ النَّهَارِ﴾ تلاوت فرمائی، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ قائم کر نماز کو دن کے دونوں سِروں میں، اور رات کے کچھ حصوں میں، بے شک نیکیاں دُور کر دیتی ہیں گناہوں کو، یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لیے۔

فائدہ: حضرت سلمانؓ نے جو عمل کر کے دِکھلایا یہ صحابۂ کرامؓ کے تعشق کی ادنیٰ مثال ہے؛ جب کسی شخص کو کسی سے عشق ہوتا ہے اُس کی ہر اَدا بھاتی ہے، اور اُسی طرح ہر کام کرنے کو جی چاہا کرتا ہے جس طرح محبوب کو کرتے دیکھتا ہے، جو لوگ محبت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں وہ اس کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں، اِسی طرح صحابۂ کرامؓ نبی اکرم ﷺ کے اِرشادات نقل کرنے میں اکثر اُن اَفعال کی بھی نقل کرتے تھے جو اُس اِرشاد کے وقت حضور ﷺ نے کیے تھے۔

نماز کا اہتمام اور اس کی وجہ سے گناہوں کا معاف ہونا جس کثرت سے روایات میں ذکر کیا گیا ہے، اُس کا احاطہ دشوار ہے؛ پہلے بھی متعدد روایات میں یہ مضمون گزر چکا ہے؛ عُلما نے اِس کو صغیرہ گناہوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا؛ مگر احادیث میں صغیرہ، کبیرہ کی کچھ قید نہیں ہے، مطلق گناہوں کا ذکر ہے؛ میرے والد صاحبؒ نے تعلیم کے وقت اِس کی دو توجیہیں ارشاد فرمائی تھیں: ایک یہ کہ مسلمان کی شان سے یہ بعید ہے کہ اُس کے ذمے کوئی کبیرہ گناہ ہو، اولاً تو اُس سے گناہِ کبیرہ کا صادر ہونا ہی مشکل ہے، اور اگر ہو بھی گیا تو بغیر توبہ کے اُس کو چین آنا مشکل ہے، مسلمان کی مسلمانی شان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جب اُس سے کبیرہ صادِر ہو جائے، تو جب تک رو پیٹ کر اُس کو دھو نہ لے اُس کو چین نہ آئے؛ البتہ صغیرہ گناہ ایسے ہیں کہ اُن کی طرف بسا اوقات اِلتفات نہیں ہوتا ہے اور ذِمے پر رہ جاتے ہیں، جو نماز وغیرہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص اخلاص سے نماز پڑھے گا اور آداب و مستحبات کی رعایت رکھے گا، وہ خود ہی نہ معلوم کتنی مرتبہ توبہ استغفار کرے گا، اور نماز میں التحیات کی آخری دعا: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ إلخ میں تو توبہ و استغفار خود ہی موجود ہے۔

اِن روایات میں وضو کو بھی اچھی طرح سے کرنے کا حکم ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے آداب و مستحبات کی تحقیق کر کے اُن کا اہتمام کرے، مثلاً ایک سنت اِس کی مسواک ہی ہے جس کی طرف عام طور پر بے توجہی ہے؛ حالانکہ حدیث میں وَارِد ہے کہ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے وہ اُس نماز سے جو بِلا مسواک پڑھی جائے ستر درجہ افضل ہے۔ (مسند احمد)

ایک حدیث میں وارِد ہے کہ مسواک کا اہتمام کیا کرو، اِس میں دس فائدے ہیں: (۱) منہ کو صاف کرتی ہے (۲) اللہ کی رضا کا سبب ہے (۳) شیطان کو غصہ دِلاتی ہے (۴) مسواک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں (۵) اور فرشتے محبوب رکھتے ہیں (۶) مسوڑھوں کو قوت دیتی ہے (۷) بلغم کو قطع کرتی ہے (۸) منہ میں خوشبو پیدا کرتی ہے (۹) صَفراء کو دُور کرتی ہے (۱۰) نگاہ کو تیز کرتی ہے (۱۱) منہ کی بدبو کو زائل کرتی ہے؛ اور اِس سب کے عِلاوہ یہ ہے کہ سنت ہے۔ (کنز العمال)

علما نے لکھا ہے کہ مسواک کے اہتمام میں سَتّر فائدے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمۂ شہادت پڑھنا نصیب ہوتا ہے، اور اس کے بالمقابل اَفیون کھانے میں سَتّر مضرتیں ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ یاد نہیں آتا۔ اچھی طرح وُضو کرنے والے کے فضائل احادیث میں بڑی کثرت سے آئے ہیں، وُضو کے اعضاء قیامت میں روشن اور چمک دار ہوں گے، اور اس سے حضور ﷺ فوراً اپنے امتی کو پہچان جائیں گے۔ (مسند احمد)

4. عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْراً بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ، هَلْ يَبْقيٰ مِنْ دَرَنِهٖ شَيْئٌ؟ قَالُوْا: لَايَبْقىٰ مِنْ دَرَنِهٖ شَيْئٌ، قَالَ: فَكَذَالِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُوْاللهُ بِهِنَّ مِنَ الْخَطَايَا. (رواه البخاري ومسلم والترمذي والنسائي، ورواه ابن ماجه من حديث عثمان، كذافي الترغيب)

حضرت ابو ہریرہؓ نبیٔ اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: بتاؤ! اگر کسی شخص کے دروازے پر ایک نہر جاری ہو جس میں وہ پانچ مرتبہ روزانہ غسل کرتا ہو، کیا اُس کے بدن پر کچھ میل باقی رہے گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہی حال پانچوں نمازوں کا ہے کہ اللہ جل شانہٗ اُن کی وجہ سے گناہوں کو زائل کر دیتے ہیں۔

5. عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ كَمَثَلِ نَهْرٍ جَارٍ غَمْرٍ عَلىٰ بَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ. (رواه مسلم، كذا في الترغيب)

حضرت جابرؓ نبیٔ اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ پانچوں نمازوں کی مثال ایسی ہے گویا کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو، جس کا پانی جاری ہو اور بہت گہرا ہو، اُس میں روزانہ پانچ دفعہ غسل کرے۔

فائدہ: جاری پانی گندگی وغیرہ سے پاک ہوتا ہے، اور پانی جتنا گہرا ہو گا اتنا ہی صاف شفاف ہو گا؛ اِسی لیے اِس حدیث میں اُس کا جاری ہونا اور گہرا ہونا فرمایا گیا ہے، اور جتنے صاف پانی سے آدمی غسل کرے گا اُتنی ہی صفائی بدن پر آئے گی، اِسی طرح نمازوں کی وجہ سے۔ اگر آداب کی رعایت رکھتے ہوئے پڑھی جائیں تو۔ گناہوں سے صفائی حاصل ہوتی ہے۔ جس قسم کا مضمون اِن دو حدیثوں میں ارشاد ہوا ہے اِس قسم کا مضمون کئی حدیثوں میں مختلف صحابہؓ سے مختلف الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔

ابو سعید خُدریؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”پانچوں نمازیں درمیانی اوقات کے لیے کفارہ ہیں“؛ یعنی ایک نماز سے دوسری نماز تک جو صغیرہ گناہ ہوتے ہیں وہ نماز کی برکت سے معاف ہو جاتے ہیں؛ اِس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مثلاً ایک شخص کا کوئی کارخانہ ہے جس میں وہ کچھ کاروبار کرتا ہے، جس کی وجہ سے اُس کے بدن پر کچھ گرد و غبار، میل کچیل لگ جاتا ہے، اور اُس کے کارخانے اور مکان کے درمیان پانچ نہریں پڑتی ہیں، جب وہ کارخانے سے گھر جاتا ہے تو ہر نہر پر غسل کرتا ہے، اِسی طرح سے پانچوں نمازوں کا حال ہے کہ جب کبھی درمیانی اوقات میں کچھ خطا، لغزش وغیرہ ہو جاتی ہے تو نمازوں میں دعا استغفار کرنے سے اللہ جل شانہٗ بالکل اُس کو معاف فرما دیتے ہیں۔ (معجم کبیر)

نبیٔ اکرم ﷺ کا مقصود اِس قسم کی مثالوں سے اِس اَمر کا سمجھا دینا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے نماز کو گناہوں کی معافی میں بہت قوی تاثیر عطا فرمائی ہے، اور چونکہ مثال سے بات ذرا اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے؛ اِس لیے مختلف مثالوں سے حضور ﷺ نے اِس مضمون کو واضح فرما دیا ہے۔ اللہ جل شانہٗ کی اِس رحمت اور وسعتِ مغفرت اور لُطف و انعام اور کرم سے ہم لوگ فائدہ نہ اُٹھائیں تو کسی کا کیا نقصان ہے! اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں۔ ہم لوگ گناہ کرتے ہیں، نافرمانیاں کرتے ہیں، حکم عدولیاں کرتے ہیں، تعمیلِ ارشاد میں کوتاہیاں کرتے ہیں؛ اِس کا مقتضی یہ تھا کہ قادِر، عادِل بادشاہ کے یہاں ضرور سزا ہوتی، اور اپنے کیے کو بھگتتے؛ مگر اللہ کے کرم کے قربان کہ جس نے اپنی نافرمانیاں اور حکم عدولیاں کرنے کی تلافی کا طریقہ بھی بتا دیا، اگر ہم اِس سے نفع حاصل نہ کریں تو ہماری حماقت ہے، حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت اور لطف تو عطا کے واسطے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص سوتے ہوئے یہ ارادہ کرے کہ تہجد پڑھوں گا، اور پھر آنکھ نہ کھلے تو اِس کا ثواب اُس کو ملے گا، اور سونا مُفت میں رہا۔[1] کیا ٹھکانا ہے اللہ کی دَین اور عطا کا! اور جو کریم اِس طرح عطائیں کرتا ہو اُس سے نہ لینا کتنی سخت محرومی اور کتنا زبردست نقصان ہے!

6. عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا حَزَبَهٗ أَمْرٌ فَزَعَ إِلَى الصَّلَاةِ. (أخرجه أحمد وأبوداود وابن جرير، كذا في الدرالمنثور)

حضرت حذیفہؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبیٔ اکرم ﷺ کو جب کوئی سخت اَمر پیش آتا تھا تو نماز کی طرف فوراً متوجہ ہوتے تھے۔

فائدہ: نماز اللہ کی بڑی رحمت ہے؛ اِس لیے ہر پریشانی کے وقت میں اُدھر متوجہ ہو جانا گویا اللہ کی رحمت کی طرف متوجہ ہو جانا ہے، اور جب رحمتِ اِلٰہی مساعد و مددگار ہو تو پھر کیا مجال ہے کسی پریشانی کی کہ باقی رہے!، بہت سی روایتوں میں مختلف طور سے یہ مضمون وارد ہوا ہے؛ صحابۂ کرامؓ جو ہر قدم پر حضور ﷺ کی اتباع فرمانے والے ہیں، اُن کے حالات میں بھی یہ چیز نقل کی گئی ہے۔ حضرت ابو دَرداءؓ فرماتے ہیں کہ جب آندھی چلتی تو حضورِ اقدس ﷺ فوراً مسجد میں تشریف لے جاتے تھے، اور جب تک آندھی بند نہ ہوتی مسجد سے نہ نکلتے، اِسی طرح جب سورج یا چاند گرہن ہو جاتا تو حضور ﷺ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ (کنز العمال، ۳۰۸:۸)

حضرت صُہَیبؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ پہلے اَنبیاء علیہم السلام کا بھی یہی معمول تھا کہ ہر پریشانی کے وقت نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ (مسند احمد، ۱۸۹۳۷)

حضرت ابن عباسؓ ایک مرتبہ سفر میں تھے، راستے میں اطلاع ملی کہ بیٹے کا انتقال ہو گیا، اونٹ سے اُترے، دو رکعت نماز پڑھی، پھر اِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا، اور پھر فرمایا: ”ہم نے وہ

[1] ابن ماجه، اقامة الصلاة، باب ماجاء في من نام عن حزبه، حديث: ١٣٤٤

کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے"، اور قرآنِ پاک کی آیت ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ تلاوت کی۔(شعب الایمان للبیہقی، حدیث:۹۲۳۲)

ایک اور قصہ اِسی قسم کا نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں اُن کے بھائی قُثم کے انتقال کی خبر ملی، راستے سے ایک طرف کو ہو کر اُونٹ سے اُترے، دو رکعت نماز پڑھی، اور التحیات میں بہت دیر تک دعائیں پڑھتے رہے، اِس کے بعد اُٹھے اور اونٹ پر سوار ہوئے، اور قرآنِ پاک کی آیت ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾"اور مدد حاصل کرو صبر کے ساتھ اور نماز کے ساتھ، اور بے شک وہ نماز دشوار ضرور ہے؛ مگر جن کے دلوں میں خشوع ہے اُن پر کچھ دشوار نہیں"، تلاوت فرمائی (خشوع کا بیان تیسرے باب میں مفصل آرہا ہے)۔ (شعب الایمان للبیہقی، حدیث:۹۲۳۳)

اِن ہی کا اور ایک قصہ ہے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی کے انتقال کی خبر ملی تو سجدے میں گر گئے، کسی نے دریافت کیا کہ کیا بات تھی؟ آپ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا ہم کو یہی ارشاد ہے کہ "جب کوئی حادثہ دیکھو تو سجدے میں (یعنی نماز میں) مشغول ہو جاؤ"، اِس سے بڑا حادثہ اور کیا ہوگا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا۔ (ابو داوٗد، کتاب الاستسقاء، باب السجود عند الآیات، حدیث:۱۱۹۷)

حضرت عبادہؓ کے انتقال کا وقت جب قریب آیا تو جو لوگ وہاں موجود تھے اُن سے فرمایا: میں ہر شخص کو اِس سے روکتا ہوں کہ وہ مجھے روئے، اور جب میری روح نکل جائے تو ہر شخص وضو کرے، اور اچھی طرح سے آداب کی رعایت رکھتے ہوئے وضو کرے، پھر مسجد میں جائے اور نماز پڑھ کر میرے واسطے استغفار کرے؛ اِس لیے کہ اللہ جل شانہٗ نے ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ کا حکم فرمایا ہے، اِس کے بعد مجھے قبر کے گڑھے میں پہنچا دینا۔

حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کے خاوند حضرت عبد الرحمانؓ بیمار تھے، اور ایک دفعہ ایسی سکتے کی سی حالت ہوگئی کہ سب نے انتقال ہو جانا تجویز کر لیا، حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا اُٹھیں اور نماز کی نیت باندھ لی، نماز سے فارغ ہوئیں تو حضرت عبد الرحمانؓ کو بھی افاقہ ہوا، لوگوں سے پوچھا: کیا میری حالت موت کی سی ہوگئی تھی؟ لوگوں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ: چلو! اَحکم الحاکمین کی بارگاہ میں تمہارا فیصلہ ہونا ہے، وہ مجھے لے جانے لگے، تو ایک تیسرے فرشتے آئے اور اُن دونوں سے کہا کہ: تم چلے جاؤ، یہ اُن لوگوں میں سے ہیں جن کی قسمت میں سعادت اُسی وقت لکھ دی گئی تھی جب یہ ماں کے پیٹ میں تھے، اور ابھی اِن کی اولاد کو اِن سے اَور فوائد حاصل کرنے ہیں، اِس کے بعد ایک مہینے تک حضرت عبد الرحمانؓ زندہ رہے، پھر انتقال ہوا۔ (دُرِّ منثور، ۳:۱۳۱)

حضرت نَضرؒ کہتے ہیں کہ دن میں ایک مرتبہ سخت اندھیرا ہو گیا، میں دوڑا ہوا حضرت انسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں بھی کبھی ایسی نوبت آئی ہے؟ اُنھوں نے فرمایا: خدا کی پناہ! حضور ﷺ کے زمانے میں تو ہوا بھی ذرا تیز چلتی تھی تو ہم سب مسجدوں کو دوڑ جاتے تھے کہ کہیں قیامت تو نہیں آگئی۔ (ابو داوٗد، کتاب الاستسقاء، باب الصلاۃ عند الظلمۃ ونحوھا، حدیث:۱۱۹۶)

عبد اللہ بن سَلامؓ کہتے ہیں کہ جب نبیٔ اکرم ﷺ کے گھر والوں پر کسی قسم کی تنگی پیش آتی تو اُن کو نماز کا حکم فرمایا کرتے، اور یہ آیت تلاوت فرماتے: ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۚ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ۚ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ "اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرتے رہیے اور خود بھی اِس کا اہتمام کیجیے، ہم آپ سے روزی کَموانا نہیں چاہتے، روزی تو آپ کو ہم دیں گے..."۔ (شعب الایمان)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس شخص کو کوئی بھی ضرورت پیش آئے — دینی ہو یا دنیوی، اُس کا تعلق مالک الملک سے ہو یا کسی آدمی سے — اُس کو چاہیے کہ بہت اچھی طرح سے وضو کرے، پھر دو رکعت نماز پڑھے، پھر اللہ جل شانہ کی حمد و ثنا کرے، اور پھر درود شریف پڑھے، اِس کے بعد یہ دعا پڑھے تو اِن شاء اللہ اُس کی حاجت ضرور پوری ہوگی، دعا یہ ہے:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ؛ أَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ، وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ، وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ، لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْباً إِلَّا غَفَرْتَهٗ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ! وَلَا هَمّاً إِلَّا فَرَّجْتَهٗ، وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضاً إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ (ترمذي، ابواب الوتر، باب ماجاء في صلاة الحاجة، حديث: ۴۷۹)

وَہب بن مُنَبِّہؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے حاجتیں نماز کے ذریعے طلب کی جاتی ہیں، اور پہلے لوگوں کو جب کوئی حادثہ پیش آتا تھا وہ نماز ہی کی طرف متوجہ ہوتے تھے، جس پر بھی کوئی حادثہ گزرتا وہ جلدی سے نماز کی طرف رُجوع کرتا۔

کہتے ہیں کہ کوفہ میں ایک قُلی تھا، جس پر لوگوں کو بہت اعتماد تھا، امین ہونے کی وجہ سے تاجروں کا سامان، روپیہ وغیرہ بھی لے جاتا، ایک مرتبہ وہ سفر میں جا رہا تھا، راستے میں ایک شخص اُس کو ملا، پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ قُلی نے کہا: فلاں شہر کا، وہ کہنے لگا کہ مجھے بھی جانا ہے، میں پاؤں چل سکتا تو تیرے ساتھ ہی چلتا، کیا یہ ممکن ہے کہ ایک دِینار کرائے پر مجھے خچر پر سوار کر لے؟ قُلی نے اُس کو منظور کر لیا، وہ سوار ہو گیا، راستے میں ایک دوراہا آیا، سوار نے پوچھا: کدھر کو چلنا چاہیے؟ قُلی نے شارعِ عام کا راستہ بتایا، سوار نے کہا کہ: یہ دوسرا راستہ قریب کا ہے، اور جانور کے لیے بھی سَہولت کا ہے کہ سبزہ اِس پر خوب ہے، قُلی نے کہا کہ: میں نے یہ راستہ دیکھا نہیں، سوار نے کہا کہ میں بارہا اِس راستے پر چلا ہوں، قُلی نے کہا: اچھی بات ہے، اِسی راستے کو چلیں، تھوڑی دُور چل کر وہ راستہ ایک وحشت ناک جنگل پر ختم ہو گیا جہاں بہت سے

مُردے پڑے تھے، وہ شخص سواری سے اُترا، اور کمر سے خنجر نکال کر قُلی کے قتل کا ارادہ کیا، قُلی نے کہا: ایسا نہ کر، خچر اور سامان سب کچھ لے لے، یہی تیرا مقصود ہے، مجھے قتل نہ کر، اُس نے نہ مانا اور قسم کھائی کہ پہلے تجھے ماروں گا، پھر یہ سب کچھ لوں گا، اُس نے بہت عاجزی کی؛ مگر اُس ظالم نے ایک بھی نہ مانی، قُلی نے کہا: اچھا! مجھے دو رکعت آخری نماز پڑھنے دے، اُس نے قبول کیا، اور ہنس کر کہا: جلدی سے پڑھ لے، اِن مُردوں نے بھی یہی درخواست کی تھی؛ مگر اِن کی نماز نے کچھ بھی کام نہ دیا، اُس قلی نے نماز شروع کی، الحمد شریف پڑھ کر سورۃ بھی یاد نہ آئی، اُدھر وہ ظالم کھڑا تقاضا کر رہا تھا کہ جلدی ختم کر، بے اختیار اُس کی زبان پر یہ آیت جاری ہوئی: ﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ... الاٰية﴾ یہ پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا کہ ایک سوار نمودار ہوا جس کے سر پر چمکتا ہوا خَود (لوہے کی ٹوپی) تھا، اُس نے نیزہ مار کر اُس ظالم کو ہلاک کر دیا، جس جگہ وہ ظالم مر کر گرا آگ کے شعلے اُس جگہ سے اُٹھنے لگے، یہ نمازی بے اختیار سجدے میں گر گیا، اللہ کا شکر ادا کیا، نماز کے بعد اُس سوار کی طرف دوڑا، اُس سے پوچھا: خدا کے واسطے اِتنا بتا دو کہ تم کون ہو؟ کیسے آئے؟ اُس نے کہا کہ میں ﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ﴾ کا غلام ہوں، اب تم مامون ہو جہاں چاہے جاؤ، یہ کہہ کر چلا گیا۔ (نُزہۃ المجالس)

در حقیقت نماز ایسی ہی بڑی دولت ہے کہ اللہ کی رَضا کے علاوہ دنیا کے مصائب سے بھی اکثر نجات کا سبب ہوتی ہے اور سکونِ قلب تو حاصل ہوتا ہی ہے۔ ابنِ سیرینؒ کہتے ہیں کہ اگر مجھے جنت میں جانے میں اور دو رکعت نماز پڑھنے میں اختیار دے دیا جائے، تو میں دو رکعت کو ہی اختیار کروں گا؛ اِس لیے کہ جنت میں جانا میری اپنی خوشی کے واسطے ہے، اور دو رکعت نماز میں میرے مالک کی رضا ہے۔ (نزہۃ المجالس)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ”بڑا قابلِ رشک ہے وہ مسلمان جو ہلکا پھلکا ہو (یعنی اہل وعیال کا زیادہ بوجھ نہ ہو)، نماز سے وافر حصہ اُسے ملا ہو، روزی صرف گزارے کے قابل ہو جس پر صبر کر کے عمر گزار دے، اللہ کی عبادت اچھی طرح کرتا ہو، گم نامی میں پڑا ہو، جلدی سے مر جاوے، نہ میراث زیادہ ہو، نہ رونے والے زیادہ ہوں“۔ (جامع الصغیر)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ”اپنے گھر میں نماز کثرت سے پڑھا کرو، گھر کی خیر میں اِضافہ ہو گا“۔ (جامع الصغیر)

7. عَنْ أَبِيْ مُسْلِمِ التَّغْلَبِيِّ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلىٰ أَبِيْ أُمَامَةَ -وَهُوَ فِيْ الْمَسْجِدِ- فَقُلْتُ: يَا أَبَا أُمَامَةَ! إِنَّ رَجُلًا حَدَّثَنِيْ مِنْكَ أَنَّكَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ تَوَضَّأَ فَأَسْبَغَ الْوُضُوْءَ: غَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ وَمَسَحَ عَلىٰ رَأْسِهِ وَأُذُنَيْهِ، ثُمَّ قَامَ إِلىٰ صَلَاةٍ مَفْرُوْضَةٍ، غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مَا مَشَتْ إِلَيْهِ رِجْلَاهُ، وَقَبَضَتْ عَلَيْهِ يَدَاهُ، وَسَمِعَتْ إِلَيْهِ أُذُنَاهُ، وَنَظَرَتْ إِلَيْهِ عَيْنَاهُ، وَحَدَّثَ بِهٖ نَفْسُهُ مِنْ سُوْءٍ؛ فَقَالَ: وَاللّٰهِ لَقَدْ سَمِعْتُهٗ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ مِرَاراً. (رواه أحمد)

ابو مسلمؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابواُمامہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ مسجد میں تشریف فرما تھے، میں نے عرض کیا کہ مجھ سے ایک صاحب نے آپ کی طرف سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے نبیٔ اکرم ﷺ سے یہ ارشاد سنا ہے: ”جو شخص اچھی طرح وضو کرے، اور پھر فرض نماز پڑھے تو حق تعالیٰ جل شانہٗ اُس دن وہ گناہ جو چلنے سے ہوئے ہوں، اور وہ گناہ جن کو اُس کے ہاتھوں نے کیا ہو، اور وہ گناہ جو اُس کے کانوں سے صادِر ہوئے ہوں، اور وہ گناہ جن کو اُس نے آنکھوں سے کیا ہو، اور وہ گناہ جو اُس کے دل میں پیدا ہوئے ہوں؛ سب کو معاف فرما دیتے ہیں“، حضرت ابواُمامہؓ نے فرمایا: میں نے یہ مضمون نبیٔ اکرم ﷺ سے کئی دفعہ سنا ہے۔

فائدہ: یہ مضمون بھی کئی صحابہؓ سے نقل کیا گیا ہے؛ چنانچہ حضرت عثمان، حضرت ابوہریرہ، حضرت انس، حضرت عبداللہ صُنابِحی، حضرت عَمرو بن عَبَسہ رضی اللہ عنہم وغیرہ حضرات سے مختلف الفاظ کے ساتھ متعدد روایات میں ذکر کیا گیا ہے، اور جو حضرات اہلِ کَشف ہوتے ہیں اُن کو گناہوں کا زائل ہو جانا محسوس بھی ہو جاتا ہے؛ چنانچہ حضرت امام اعظمؒ کا قصہ مشہور ہے کہ وہ وضو کا پانی گرتے ہوئے یہ محسوس فرما لیتے تھے کہ کون سا گناہ اِس میں دُھل رہا ہے۔ حضرت عثمانؓ کی ایک روایت میں نبیٔ اکرم ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے کہ ”کسی شخص کو اِس بات سے مغرور نہیں ہونا چاہیے“ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اِس گھمنڈ پر کہ نماز سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، گناہوں پر جرأت نہیں کرنا چاہیے؛ اِس لیے کہ ہم لوگوں کی نماز اور عبادت جیسی ہوتی ہے اُن کو اگر حق تعالیٰ جل شانہٗ اپنے لطف اور کرم سے قبول فرما لیں، تو اُن کا لطف واحسان وانعام ہے؛ ورنہ ہماری عبادتوں کی حقیقت ہمیں خوب معلوم ہے، اگرچہ نماز کا یہ اثر ضروری ہے کہ اُس سے گناہ معاف ہوتے ہیں؛ مگر ہماری نماز بھی اِس قابل ہے؟ اِس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اِس وجہ سے گناہ کرنا کہ میرا مالک کریم ہے، معاف کرنے والا ہے، انتہائی بے غیرتی ہے، اِس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ، کوئی شخص یوں کہے: اپنے اُن بیٹوں سے، جو فلاں کام کریں، درگزر کرتا ہوں، تو وہ نالائق بیٹے اِس وجہ سے کہ باپ نے درگزر کرنے کو کہہ دیا ہے جان جان کر اُس کی نافرمانیاں کریں۔

8. عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَجُلَانِ مِنْ بَلِيٍّ حَيٌّ مِنْ قَضَاعَةَ أَسْلَمَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَاسْتُشْهِدَ أَحَدُهُمَا وَأُخِّرَ الْاٰخِرَةُ سَنَةً، قَالَ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِاللّٰهِ: فَرَأَيْتُ الْمُؤَخَّرَ مِنْهُمَا أُدْخِلَ الْجَنَّةَ قَبْلَ الشَّهِيْدِ، فَتَعَجَّبْتُ لِذٰلِكَ، فَأَصْبَحْتُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ، أَوْ ذُكِرَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: أَلَيْسَ قَدْ صَامَ بَعْدَهٗ رَمَضَانَ؟ وَصَلّٰى سِتَّةَ اٰلَافِ رَكْعَةٍ؟ وَكَذَا وَكَذَا رَكْعَةً صَلَاةِ سَنَةٍ؟. (رواه أحمد بإسناد حسن، ورواه ابن ماجه وابن حبان في صحيحه، والبيهقي)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک قبیلے کے دو صحابی ایک ساتھ مسلمان ہوئے، اُن میں سے ایک صاحب جہاد میں شریک ہو کر شہید ہو گئے، اور دوسرے صاحب کا ایک سال بعد انتقال ہوا، میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ صاحب جن

کاایک سال بعد انتقال ہوا تھا اُن شہید سے بھی پہلے جنت میں داخل ہوگئے، تو مجھے بڑا تعجب ہوا، کہ شہید کا درجہ تو بہت اونچا ہے، وہ پہلے جنت میں داخل ہوتے، میں نے حضور ﷺ سے خود عرض کیا یا کسی اور نے عرض کیا، حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جن صاحب کا بعد میں انتقال ہوا اُن کی نیکیاں نہیں دیکھتے، کتنی زیادہ ہوگئیں؟ ایک رمضان المبارک کے پورے روزے بھی اُن کے زیادہ ہوئے، اور چھ ہزار اور اِتنی اِتنی رکعتیں نماز کی ایک سال میں اُن کی بڑھ گئیں۔

فائدہ: اگر ایک سال کے تمام مہینے اُنتیس دن کے لگائے جائیں اور صرف فرض اور وِتر کی بیس رکعتیں شمار کی جائیں، تب بھی چھ ہزار نو سو ساٹھ رکعتیں ہوتی ہیں، اور جتنے مہینے تیس دن کے ہوں گے بیس بیس رکعتوں کا اضافہ ہوتا رہے گا، اور سنتیں اور نوافل بھی شمار کیے جائیں تو کیا ہی پوچھنا! ابنِ ماجہ میں یہ قصہ اور بھی مفصل آیا ہے، اُس میں حضرت طلحہؓ جو خواب دیکھنے والے ہیں، وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک قبیلے کے دو آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں ایک ساتھ آئے اور اکٹھے ہی مسلمان ہوئے، ایک صاحب بہت زیادہ مستعد اور ہمت والے تھے، وہ ایک لڑائی میں شہید ہوگئے، اور دوسرے صاحب کا ایک سال بعد انتقال ہوا، میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوں اور وہ دونوں صاحب بھی وہاں ہیں، اندر سے ایک شخص آئے اور اُن صاحب کو جن کا ایک سال بعد انتقال ہوا تھا، اندر جانے کی اجازت ہوگئی، اور جو صاحب شہید ہوئے تھے وہ کھڑے رہ گئے، تھوڑی دیر بعد پھر اندر سے ایک شخص آئے اور اُن شہید کو بھی اندر جانے کی اجازت ہوگئی، اور مجھ سے یہ کہا کہ تمہارا ابھی وقت نہیں آیا، تم واپس چلے جاؤ، میں نے صبح کو لوگوں سے اپنے خواب کا تذکرہ کیا، سب کو اِس پر تعجب ہوا کہ اُن شہید کو بعد میں کیوں اجازت ہوئی! اُن کو تو پہلے ہونی چاہیے تھی، آخر حضور ﷺ سے لوگوں نے اِس کا تذکرہ کیا، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اِس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! وہ شہید بھی ہوئے اور بہت زیادہ مستعد اور ہمت والے بھی تھے، اور جنت میں یہ دوسرے صاحب پہلے داخل ہوگئے! حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا اُنہوں نے ایک سال کی عبادت زیادہ نہیں کی؟ عرض کیا: بے شک کی، ارشاد فرمایا: کیا اِنہوں نے پورے ایک رمضان کے روزے اُن سے زیادہ نہیں رکھے؟ عرض کیا گیا: بے شک رکھے، ارشاد فرمایا: کیا اِنھوں نے اِتنے اِتنے سجدے ایک سال کی نمازوں کے زیادہ نہیں کیے؟ عرض کیا گیا: بے شک کیے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر تو اِن دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہوگیا۔ (ابن ماجہ، ابواب تعبیر الرؤیا، حدیث: ۳۹۲۵)

اِس نوع کے قصے کئی لوگوں کے ساتھ پیش آئے، ابوداؤد شریف میں دو صحابہ رضی اللہ عنہما کا قصہ اِسی قسم کا صرف آٹھ دن کے فرق سے ذکر کیا گیا ہے، کہ دوسرے صاحب کا انتقال ایک ہفتے کے بعد ہوا پھر بھی وہ جنت میں پہلے داخل ہوگئے۔ حقیقت میں ہم لوگوں کو اِس کا اندازہ نہیں کہ نماز کتنی قیمتی چیز ہے۔ آخر کوئی تو بات ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بتلائی ہے، حضور ﷺ کی آنکھ کی ٹھنڈک—جو اِنتہائی محبت کی علامت ہے—معمولی چیز نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو بھائی تھے، اُن میں سے ایک چالیس روز پہلے انتقال کر گئے، دوسرے بھائی کا چالیس روز بعد انتقال ہوا، پہلے بھائی زیادہ بزرگ تھے، لوگوں نے اُن کو بڑھانا شروع کر دیا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا دوسرے بھائی مسلمان نہ تھے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ بے شک مسلمان تھے؛ مگر معمولی درجے میں تھے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں کیا معلوم اِن چالیس دن کی نمازوں نے اُن کو کس درجے تک پہنچا دیا ہے؟ نماز کی مثال ایک میٹھی اور گہری نہر کی سی ہے جو دروازے پر جاری ہو، اور آدمی پانچ دفعہ اُس میں نہاتا ہو، تو اُس کے بدن پر کیا میل رہ سکتا ہے؟ اِس کے بعد پھر دوبارہ حضور ﷺ نے فرمایا: تمہیں کیا معلوم کہ اُس کی نمازوں نے، جو بعد میں پڑھی گئیں، اُس کو کس درجے تک پہنچا دیا؟ (مسند احمد، حدیث: ۱۵۳۴)

قدیم فکر کے تابع جدید ذہن...... کفر کے لیے کیسا خطرہ ہے؟

”حقیقت میں قرآن کی تعلیم و تدریس، حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فہم، فقہِ اسلامی کا سارا ذخیرہ...... یہ سبھی اس تہذیب کی عالم گیر تنفیذ میں ایک بڑی رکاوٹ ہیں، جسے اہلِ اسلام کے نگاہ و ذہن سے دور کرنے کا وہ بھرپور ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن دینی تعلیم یافتہ طبقے کے ساتھ ساتھ، وہ عصری تعلیم یافتہ مسلمان سے بھی بے خوف نہیں۔ انہیں یہ ڈر ہے کہ ہماری طرز پر بنائے اداروں اور مراکز سے (چاہے یہ بلادِ اسلامیہ میں ہوں) نکلنے والے جوانوں پر کہیں ان ”غیر مہذب“ (بزعمھم) افکار و افراد کی پرچھائیاں نہ پڑ جائیں، کیونکہ وہ یہ دیکھ چکے ہیں کہ اگر جرمنی میں ’ٹاؤن پلاننگ‘ میں اختصاصی تعلیم حاصل کر چکا ایک مصری انجینئر محمد عطا، اپنے ساتھیوں سمیت... عالمِ اسلام کے جید علمائے جہاد مثلاً حسن ایوبؒ، حمود بن عقلاءؒ، علی الخضیر، مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ وغیرہم کی تعلیمات کی روشنی میں...... ہمیں گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء جیسا دن دکھا سکتا ہے، ہمارے عسکری اور معاشی قلعوں کو مسمار کر سکتا ہے، تو یہ ”جدید ذہن“ (جو ان کے گھر کا بھیدی ہے) ”قدیم“ فکر کے تابع ہو کر کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتا ہے! چنانچہ ان دونوں طبقات کے درمیان خلیج کو وسیع کرنا بھی ان کے اہداف میں شامل ہے۔“

(الشیخ المجاہد احسن عزیز شہید رحمہ اللہ)

أشراط الساعة/علاماتِ قیامت

حقیر لوگوں کا مراتب حاصل کرنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتُ يُصَدَّقُ فِيهَا الْكَاذِبُ وَيُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ وَيُؤْتَمَنُ فِيهَا الْخَائِنُ وَيُخَوَّنُ فِيهَا الْأَمِينُ وَيَنْطِقُ فِيهَا الرُّوَيْبِضَةُ قِيلَ وَمَا الرُّوَيْبِضَةُ قَالَ الرَّجُلُ التَّافِهُ فِي أَمْرِ الْعَامَّةِ (ابن ماجه)

”حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب لوگوں پر دھوکے اور فریب کے چند سال آئیں گے؛ ان میں جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا، خائن کو امانت دار اور امانت دار کو خائن سمجھا جائے گا اور رُوَیبِضَہ باتیں کریں گے؛ کہا گیا: رُوَیبِضَہ (کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: حقیر آدمی، جو عوام کے معاملات میں رائے دے گا۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکے اور فریب کے سالوں کا ذکر فرمایا؛ ان میں دھوکہ اور فریب کیونکر پھیلے گا؟ جھوٹے شخص کی بات پر یقین کرنے کی وجہ سے۔ ہٹلر کے وزیر نشر و اشاعت نے کہا تھا کہ ہم مسلسل جھوٹ بولتے رہیں گے تا کہ لوگ (اسی کو سچ سمجھ کر) اس پر یقین کرنے لگیں۔ اب تو مسلسل جھوٹ بولنا بھی شاید اس قدر ضروری نہیں رہا کہ لوگوں کے اونچے عہدے ہی ان کی بات کو عوام کے لیے قابل اعتبار بنانے کے لیے کافی ہیں۔ آخری زمانے میں نہ صرف یہ کہ جھوٹے پر اعتماد ہو گا بلکہ سچے اور صالح انسان کی بات پر یقین نہیں کیا جائے گا۔ آج بعینہ ہم یہی پاتے ہیں کہ جھوٹوں پر اعتماد ہے اور سچوں پر نہیں۔ وہ جنہیں عوام لیڈر گردانتے ہیں اور اسی وجہ سے ان پر اعتماد کرتے ہیں وہی سب سے بڑے جھوٹے ہیں۔ جبکہ علما، صلحا، راست باز اور امانت دار شخصیات کو کوئی حیثیت نہیں دی جاتی اور نہ ہی ان کی بات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ امانت داری کی بات کریں تو امین شخص کی بات کون سنتا ہے جب کہ خائن کی بات پر من و عن اعتماد کر لیا جاتا ہے۔ پھر آخر الزمان کی کیا نشانی بتلائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رویبضہ بولیں گے، اپنی رائے دیں گے اور وہ رائے قبول کی جائے گی اور یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ رویبضہ کون ہیں؟ یہ معاشرے کے حقیر اور رذیل لوگ ہیں؛ مروجہ طبقاتی تقسیم کے اعتبار سے حقیر نہیں بلکہ جہالت کے باعث حقیر، علم دین کے نہ ہونے کے باعث رذیل۔ حقیر اور کم تر وہ نہیں جس کے پاس مال نہیں یا معاشرے میں جس کی ذات کو حقیر سمجھا جاتا ہے بلکہ حقیقت میں کم تر اور حقیر لوگ وہ ہیں جن کے پاس ان کے دین کا بنیادی علم تک نہیں ہے اور جو ادب و اخلاق سے عاری ہیں۔ ایسا شخص جو اس قابل بھی نہیں ہے کہ اس کی بات سنی جائے اب لوگوں کے معاملات میں رائے دے گا؛ یہ شخص لیڈر ہو گا، قوم کی رہنمائی کی ذمہ داری اس کے کندھوں پر ہو گی، یہ قوم کے لیے منصوبہ بندی کرے گا، یہ لوگوں کو سکھائے گا اور اس کی پیروی کی جائے گی...... آج مسلم دنیا میں یہ مراتب اسی قسم کے لوگوں کے پاس ہیں جن کے پاس ذرہ برابر علم دین نہیں ہے؛ حقیر اور بے حیثیت لوگ۔ اور وہ جن کے پاس علم ہے، فہم ہے، جو امانت دار ہیں، باصلاحیت ہیں؛ اور جو قیادت کے اہل ہیں وہ قید میں ہیں، جلاوطن ہیں، قتل کیے جاتے ہیں اور انہیں پھانسیوں پر لٹکایا جاتا ہے۔ مذکورہ حدیث مسلم دنیا کے حالات کی بالکل درست کیفیت بیان کرتی ہے۔ آج مسلم دنیا پر اسی طرح حکومت کی جا رہی ہے، اس کو چلانے والے رویبضہ ہیں، وہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مصداق ہیں۔

وَقَالَ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتَّى تَصِيرَ لِلُكَعِ ابْنِ لُكَعٍ (مسند احمد)

”اور فرمایا دنیا اس وقت تک فنا نہ ہو گی جب تک کہ زمام حکومت جدی پشتی کمینوں کے ہاتھ میں نہ آ جائے۔“

لکع کا معنی لعین یعنی کمینہ ہے۔ المناویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: اس دنیا میں اقتدار اور قدر و منزلت کمینوں کے پاس ہو گی اور اگر تم انہیں دیکھنا چاہو تو مالدار اور مشہور لوگوں کی جانب دیکھو۔

سب سے زیادہ مالدار اور مشہور لوگ وہ ہیں جنہیں ’سٹارز‘ کہا جاتا ہے۔ تفریحی سرگرمیوں کا پورا میدان (Entertainment Industry) منافقین سے بھرا ہوا ہے۔ وہاں یہ لوگ منافقت سیکھتے ہیں کیونکہ منافق شخص ہی بہترین اداکار ہو سکتا ہے اور منافقت ہی اسے اداکاری سکھاتی ہے۔ آپ اٹھارہ اٹھارہ سال بلکہ سات آٹھ سال کے پاپ سنگر بچوں تک کو دیکھیں تو وہ کروڑپتی اور شہرت یافتہ ہیں، ہر میگزین کے سرورق پر ان کی تصاویر دکھائی دیتی ہیں اور ہر جگہ ان کی مانگ ہے۔ اور اگر آپ لوگوں سے، عوام سے ان اداکاروں اور گویّوں کے بارے میں رائے لیں تو وہ کہیں گے کہ فلاں تو بڑا زبردست ہے یا فلانی تو بڑی زبردست ہے اور سبحان اللہ یہ جملے گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ذیل حدیث کا ہو بہو ترجمہ ہیں۔

......ويقال للرجل ما أعقله وما أظرفه وما أجلده وما في قلبه مثقال حبة من خردل من إيمان (متفق عليه)

”اور ایک شخص کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہ کتنا ہوشیار، خوش طبع اور زبردست ہے، حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہو گا۔“

سبحان اللہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صراحت دیکھیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ کہا جائے گا فلاں کتنا ذہین، کتنا زبردست ہے جب کہ اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہ ہو گا۔ کھلاڑی اور اداکار جن کے پیچھے ایک دنیا دیوانی ہے؛ ادب، تہذیب، اخلاق و کردار سے بالکل عاری ہیں؛ یہ معاشرے کا وہ بدترین طبقہ ہیں جنہیں لوگ زبردست کہتے ہیں اور جنہیں ابطال کہا جاتا ہے!!

صرف جان پہچان کے سبب سلام کیا جائے گا

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُسَلِّمَ الرَّجُلُ عَلَى الرَّجُلِ لَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِلَّا لِلْمَعْرِفَةِ (مسند احمد)

”حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بات قیامت کی علامات میں سے ہے کہ انسان صرف اپنی جان پہچان کے آدمی کو سلام کیا کرے گا۔“

اہل اسلام کی سنت یہ رہی ہے کہ راہ گزرتے گلیوں، بازاروں، مساجد میں جو مسلمان بھی نظر آتا اسے سلام کرتے، مگر اب سلام کا رواج ختم ہو گیا ہے اور لوگ صرف انہی لوگوں کو سلام کرتے ہیں جنہیں وہ جانتے ہیں۔ گویا سلام اب حقِ مسلم (حدیث کی رو سے) نہیں رہا کہ ہر مسلمان کو اس کا حق دیا جائے بلکہ یہ حق محض جان پہچان والوں کو دیا جاتا ہے۔ ہم آپ سب ہی جانتے ہیں کہ سلام ہر مسلمان کا حق ہے خواہ آپ اس سے واقف ہوں یا ناواقف۔ مگر اب تو حال یہ ہو گیا ہے کہ امریکہ میں (غیر مسلم) لوگ راہ گزرتے ایک دوسرے کو زیادہ تہنیتیں پیش کرتے ہیں بہ نسبت مسلم دنیا میں مسلمانوں کے ایک دوسرے کو سلام کرنے کے۔ مسلمانوں کا تو یہ حال ہو گیا ہے کہ اگر آپ کسی اجنبی شخص کو سلام کریں تو وہ جواب دینے کی بجائے اچنبھے سے آپ کو دیکھے گا اور پھر یاد کرنے کی کوشش کرے گا کہ اس نے آپ کو پہلے کہیں دیکھ رکھا ہے یا نہیں۔

عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود برہنہ ہوں گی

...وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُءُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا (مسلم)

”... اور (دوزخیوں کی دوسری قسم ان عورتوں کی ہے) جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، دوسرے لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود بھی مائل ہوں گی۔ ان کے سر بختی اونٹوں کے کوہان کی طرح ایک طرف کو جھکے ہوئے ہوں گے اور یہ عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ ہی جنت کی خوشبو پائیں گی حالانکہ جنت کی خوشبو اتنی اتنی مسافت سے آتی ہو گی۔“

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی ایک نشانی یہ بتائی کہ عورتیں لباس پہننے کے باوجود برہنہ ہوں گی اور ان کے سر اونٹ کے کوہان کی طرح ایک طرف کو جھکے ہوئے ہوں گے...... یہ یقیناً بال بنانے کا کوئی انداز ہو گا جس کی وجہ سے ان کے سر ایسے نظر آئیں گے...... اور یہ جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گی۔ ظاہر ہے کہ یہ مسلمان عورتوں کا ذکر ہے کہ کفار کی عورتیں تو ویسے ہی جنت میں داخل نہیں ہوں گی۔ یہ گناہ گار مسلمان عورتیں جو اس قسم کا لباس پہنیں گی وہ نہ صرف یہ کہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی بلکہ اس کی خوشبو بھی نہ پا سکیں گی حالانکہ جنت کی خوشبو بہت زیادہ دور تک محسوس کی جا سکتی ہو گی۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ جنت کی خوشبو ستّر سال کی مسافت تک پہنچے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ لباس پہننے کے باوجود عریاں ہوں گی تو حقیقت یہ ہے کہ آج لباس کے نام پر جو چیز بیچی جاتی ہے وہ محض چند ڈوریاں ہی ہوتی ہیں؛ یہ انتہا درجے کی مثال ہے مگر اس زمرے میں فیشن کے نام پر مروج وہ لباس بھی آتے ہیں جو بدن پر اس قدر کسے ہوئے ہوتے ہیں کہ جسم کی تمام ہیئت ان میں سے اس طرح واضح ہوتی ہے گویا لباس پہنا ہی نہیں ہے اور صرف جلد کی رنگت ہی کو یہ لباس چھپا پاتا ہے، نیز اس زمرے میں وہ لباس بھی آتا ہے جو اس قدر باریک کپڑے سے بنا ہو جس سے آر پار واضح دکھائی دے۔ ان تمام قسموں کا لباس پہننے والی عورتیں 'کاسیات عاریات' کے زمرے میں آتی ہیں۔ امریکہ و یورپ سے یہ واہیات فیشن شروع ہوتے ہیں، مسلم ممالک کی بعض خواتین بھی پھر اس کو اپناتی ہیں اور یہ عورتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق جنت میں داخل نہیں ہوں گی۔

جدید ذرائع نقل و حمل

عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ سَيَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي رِجَالٌ يَرْكَبُونَ عَلَى السُّرُوجِ كَأَشْبَاهِ الرِّحَالِ الرِّجَالِ يَنْزِلُونَ عَلَى أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ نِسَاؤُهُمْ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ عَلَى رُءُوسِهِمْ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْعِجَافِ الْعَنُوهُنَّ فَإِنَّهُنَّ مَلْعُونَاتٌ (مسند احمد)

”حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کے آخر میں ایسے لوگ بھی آئیں گے جو اونٹ سے مشابہ زینوں (کاٹھی) پر سوار ہوں گے اور مسجدوں کے دروازوں پر اترا کریں گے۔ ان کی عورتیں کپڑے پہننے کے باوجود برہنہ ہوں گی، ان کے سروں پر بختی اونٹوں کی طرح جھولیں ہوں گی، تم ان پر لعنت بھیجنا کیونکہ ایسی عورتیں ملعون ہیں۔“

یہ حدیث جدید ذرائع نقل و حمل پر منطبق ہوتی معلوم ہوتی ہے اور خواتین سے متعلق اس کا کچھ حصہ گزشتہ حدیث سے تعلق بھی رکھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ

سواریاں اونٹ ہیں بلکہ فرمایا کہ اونٹ سے مشابہ ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ لوگ زین سے مشابہ کشادہ چیز پر بیٹھے ہوں گے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ گھوڑے، اونٹ یا گدھے خچر وغیرہ کی کاٹھی یا زین کشادہ نہیں ہوتی جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے کشادہ بتا رہے ہیں۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گاڑیوں کا ذکر فرمایا مگر چونکہ اس وقت گاڑی (موٹر کار) کے لیے کوئی لفظ موجود نہیں تھا لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے الفاظ بیان فرمائے جن سے سواری کی کیفیت کا اندازہ ہو کہ وہ اونٹ نہیں ہے، مگر لوگوں کو یہاں سے وہاں لانے لے جانے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اور اس سواری پر جو زین ہے وہ کشادہ ہے، نہ کہ اونٹ کی زین کی طرح تنگ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جدید ذرائع نقل و حمل کا جو ذکر اس حدیث مبارک میں فرمایا وہ ہمیں قرآن مجید میں بھی ملتا ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (سورۃ النحل: 8)

"گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کو اس نے پیدا کیا تاکہ تم ان پر سوار ہو اور یہ باعثِ زینت بھی ہیں۔ اور اللہ رب العزت اور بھی ایسی بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں۔"

اللہ رب العزت نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے لیے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کیے اور وہ (سواریاں) بھی جنہیں تم نہیں جانتے۔ ان میں جہاز، گاڑیاں اور نقل و حمل کے دیگر ذرائع شامل ہیں جو آج ہم استعمال کرتے ہیں اور صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ آئندہ مستقبل میں مزید کیا ایجادات ہونی ہیں۔ یقیناً یہ ترقی تبدیلی اور صنعت و حرفت کی انتہا نہیں ہے، سبحان اللہ! ہر روز ہم نئی ایجادات کا مشاہدہ کر رہے ہیں، لہٰذا ہو سکتا ہے کہ موجودہ ذرائع نقل و حمل بھی تبدیل ہو جائیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ مساجد کے دروازوں پر اپنی ان سواریوں سے اتریں گے۔ اتریں گے تو وہ مسجدوں کے دروازوں پر، مگر پھر ان کے متعلق کیا فرمایا کہ ان کی عورتیں کپڑے پہننے کے باوجود برہنہ ہوں گی، ان کے سروں پر بختی اونٹوں کی طرح جھولیں ہوں گی تم ان پر لعنت بھیجنا کیونکہ ایسی عورتیں ملعون ہیں۔

مومنین کے سچے خواب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ تَكَدْ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ تَكْذِبُ وَأَصْدَقُهُمْ رُؤْيَا أَصْدَقُهُمْ حَدِيثًا وَرُؤْيَا الْمُسْلِمِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْئًا مِنْ النُّبُوَّةِ (ترمذی)

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب زمانہ قریب ہو جائے گا تو مومن کے خواب کم ہی جھوٹے ہوں گے، ان میں سب سے زیادہ سچے خواب والا وہ ہو گا جس کی باتیں زیادہ سچی ہوں گی، مسلمان کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے قریب مومنین کے اکثر خواب سچے ہوں گے اور جو کچھ وہ خواب میں دیکھیں گے دن کی روشنی میں اسی طرح واقع ہو گا۔ علماء اس کی ایک توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ امت آخری امت ہے اور اس امت کے پاس مزید کوئی نبی نہیں آنا لہٰذا وحی کا نزول منقطع ہو گیا کہ وحی محض انبیاء ہی کے پاس آتی ہے اور چونکہ آخری زمانے میں حالات بہت شدید ہو جائیں گے اور مسلمانوں پر سختی بہت بڑھ جائے گی لہٰذا اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سچے خوابوں کے ذریعے مسلمانوں کی ہمت بندھائیں گے اور خواب میں دی گئی بشارتوں کے ذریعے ان کے ایمان مضبوط فرمائیں گے۔ مگر خوابوں کے معاملے میں ہمیشہ محتاط ہی رہنا چاہیے کہ خواب حصولِ شریعت کا ذریعہ نہیں ہیں۔ شریعت کا کوئی بھی حصہ خوابوں کے ذریعے نازل نہیں کیا گیا۔ شریعت صرف وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی اور خواب محض بشارت دے سکتے ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بشارت یعنی خوش خبری ہی کہا ہے۔ امام بخاریؒ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحیح بخاری کے ذریعے حدیث کی ان کی خدمت کی تحسین فرما رہے ہیں، یہ خوش خبری ہے۔ ایک اور مثال امام سیوطیؒ کی ہے کہ جب وہ صحیح الجامع الصغیر کی تالیف فرما رہے تھے، انہوں نے ایک خواب دیکھا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ (کتابت کردہ) احادیث پر نظر ثانی فرما رہے ہیں، یہ بھی بشارت ہے۔ خواب کے ذریعے شریعت کا کوئی نیا حکم نازل نہیں ہو سکتا۔ خوابوں کے ذریعے شریعت میں کوئی تبدیلی نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے، ان کی حیثیت فقط خوش خبری کی ہے۔ مثلاً اولین مسلمانوں میں سے کسی نے ایک خواب دیکھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم شہید ہو جاؤ گے۔ اور حضرت عثمان بن عفانؓ جس دن شہید کیے گئے اس دن وہ روزے سے تھے، انہوں نے خواب دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں ان سے فرما رہے ہیں کہ اے عثمان! آپ افطار ہمارے ساتھ کریں گے۔ اور اسی دن عثمانؓ شہید ہو گئے۔ دنیا میں انہوں نے افطار نہیں کیا اور یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں انہیں بتلایا تھا۔ یہ بشارتوں کی وہ مثالیں ہیں جو اللہ پاک اہل ایمان کو خوابوں کے ذریعے عطا فرماتے ہیں۔ خوابوں کے ذریعے دین میں نہ کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے اور نہ ہی اضافہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ حدیث میں فرمایا کہ سب سے زیادہ سچے خواب وہی دیکھتے ہیں جو اپنی باتوں میں سب سے سچے ہوتے ہیں؛ جتنے سچے آپ خود ہوں گے اتنے ہی آپ کے خواب بھی سچے ہوں گے۔ وَأَصْدَقُهُمْ رُؤْيَا أَصْدَقُهُمْ حَدِيثًا صداقت پر مبنی خواب قلوبِ صادق سے ہی آتے ہیں۔ انسان اگر سچا ہے تو غالب گمان ہے کہ اس کے خواب بھی سچے ہوں گے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا (سچا) خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ اس کا کیا معنی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے چھ ماہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب آتے رہے۔ رات آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے صبح وہ حقیقت بن کر سامنے آ جاتا۔ پھر جبرئیل امین کے ذریعے وحی کا سلسلہ تیئیس برس تک جاری رہا۔ چھ ماہ کا تیئیس سال سے تناسب چھیالیس اور ایک کا ہے۔ لہٰذا سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں۔ اور نبوت کا یہ واحد حصہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے چلے جانے کے بعد باقی رہ گیا

ہے۔ فرشتے کے ذریعے انسان پر وحی کے نزول کا سلسلہ موقوف ہو گیا ہے۔ اب دنیا میں کوئی انسان بھی باقی نہیں جس پر فرشتوں کے ذریعے وحی نازل کی جا رہی ہو۔ یہ سلسلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، خاتم الانبیاء والمرسلین، یعنی نبیوں اور رسولوں کے سلسلے پر مہر کے ذریعے ختم ہو گیا؛ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب جبرئیلؑ کسی انسان پر نازل نہیں ہوں گے۔ مگر خواب جاری رہیں گے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے الہام کی قسم ہیں۔

ظہورِ قلم یا مطبوعات کی کثرت

عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ بَيْنَ يَدَيْ السَّاعَةِ ……ظُهُورَ الْقَلَمِ (جامع ترمذی)

”یہ بات علاماتِ قیامت میں سے ہے کہ…… قلم کا چرچا ہو گا۔“

عربی زبان میں قلم کا ایک معنی تو قلم ہی ہے جس سے لکھا جاتا ہے اور لکھی ہوئی یا مطبوعہ چیز کو بھی قلم کہتے ہیں۔ لوحِ محفوظ قلم کے ذریعے لکھی گئی۔ کیا یہ اسی طرح کا قلم ہے جس قسم کے قلم سے ہم لکھتے ہیں؟ نہیں! یہ کچھ اور چیز ہے۔ اسے قلم اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ لکھی ہوئی چیز ہے۔ ہر لکھی ہوئی یا مطبوعہ چیز یا جس چیز کو بھی دستاویز کی شکل دی جائے وہ قلم کے ذریعے ہوتی ہے۔ اور یہ نشانی ظاہر ہو چکی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لکھی ہوئی یا مطبوعہ چیزوں کی کثرت ہو گی۔ چند صدیاں قبل لائبریریاں نہیں ہوتی تھیں، لوگوں کے گھروں میں کتابیں نہیں ہوتی تھیں، نہ اخبار ہوتے تھے نہ رسالے، لکھا ہوا مواد بہت ہی کم ہوتا تھا۔ پوری پوری قوم کے پاس کوئی ایک کتاب نہیں ہوتی تھی، یعنی حقیقتاً پوری کی پوری قوم کے پاس لکھی ہوئی کوئی ایک چیز نہیں ہوتی تھی جسے کتاب کہا جاسکے۔ بہت سے قبائل اور اقوام ایسی تھیں جن کی زبان صرف بول چال کی زبان تھی لکھی جانے والی بولی نہیں تھی۔ آج بھی ایسی زبانیں موجود ہیں جو لکھی نہیں جاتیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو لکھنے پڑھنے والے افراد انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے اور اسلام کے ظہور کے بعد بہت طویل عرصے تک صرف مسلمان قوم تعلیم یافتہ تھی باقی ساری دنیا جہالت کی تاریکی میں رہ رہی تھی۔ لیکن اُس دور میں بھی مسلمانوں کے یہاں بھی ہر گھر میں مصحف موجود نہیں ہوتا تھا۔ بڑی بڑی مساجد میں مصاحف موجود ہوتے تھے تاکہ لوگ وہاں آئیں اور قراءت کریں، ان کے علاوہ صرف علما اور طلبائے علم کے پاس کتابیں ہوا کرتی تھیں۔ مسلمانوں کے بڑے شہروں میں لائبریریاں ہوا کرتی تھیں جیسے بغداد، قرطبہ لائبریری اور مکتبۂ دمشق اور سمرقند کا مکتبہ وغیرہ، اس کے علاوہ دیہات وغیرہ میں تو کتاب چھوڑ، مصحف بھی نہیں ہوتا تھا۔ کتابیں، مصاحف اور لکھی ہوئی چیزیں عام نہیں تھیں۔ دنیا اخبارات اور رسائل کو جانتی ہی نہ تھی۔ حتیٰ کہ ایک جرمن طابع گوٹن برگ نے چھاپہ خانہ ایجاد کیا۔ ممکن ہے کہ چین وغیرہ بعض جگہوں پر انفرادی طور پر طباعت کا کوئی چھوٹا موٹا کام ہو رہا ہو، مگر ایک انقلاب کے طور پر طباعت کا کام پندرہویں صدی عیسوی میں متعارف کرایا گیا اور پھر یہ پوری دنیا میں پھیل گیا۔ قدیم زمانے میں کسی تاجر اور کسان کے پاس کوئی کتاب نہیں ہوا کرتی تھی، اب ہر ایک گھر میں مکتبہ بن گیا۔ ہر گھر میں کتابیں نظر آنے لگیں۔ لوگ اخبارات اور رسائل سے متعارف ہو گئے۔ لکھی ہوئی چیزوں کا وجود پوری دنیا میں اس طرح پھیل گیا کہ انتہائی دور دراز کے دیہی علاقوں میں بھی کتابیں دستیاب ہیں اور سکول موجود ہیں۔ اب طبع شدہ مواد دنیا کے ہر حصے میں پایا جاتا ہے اور انٹرنیٹ کے پھیلنے کے ساتھ لکھی ہوئی چیزوں کی مزید کثرت ہو گئی۔ انگلی کی ایک جنبش کے ساتھ انسان لاکھوں کتابوں اور طبع شدہ مواد تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ کمپیوٹر طبع شدہ مواد کے لیے ایک وسیلہ بن گیا جس کے ذریعے آپ چھپی ہوئی چیز کو پڑھ سکتے ہیں، اب ضروری نہیں ہے کہ کاغذ ہی پر لکھا جائے۔ ہر چیز خواہ وہ کسی ذریعے سے لکھی گئی ہو، کسی تختہ پر ہو، کسی کاغذ پر یا کسی کمپیوٹر سکرین پر یا کسی دیوار پر…… یہ سب طباعت ہی کی قسمیں ہیں۔ یہ ادب کی ترویج کے ذرائع ہیں اور یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا معنی ہے کہ قیامت کے قریب طبع شدہ مواد کی کثرت ہو گی۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ علم بھی زیادہ ہو جائے گا۔ مطبوعات کی کثرت علم کی زیادتی پر دلالت نہیں کرتی۔ یہ درست ہے کہ لوگ اب پہلے سے زیادہ سیکھ رہے ہیں اور پوری دنیا میں سکولوں کی بھرمار ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ درست اور حقیقی علم بھی حاصل کر رہے ہیں کیونکہ لوگوں کی بیشتر تعداد فضول اور بے کار اعلامی ذرائع پر اعتبار کرتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے (junk food) فضول اور بے کار غذا ہوتی ہے، میک ڈونلڈ اور برگر کنگ والی غذا، اسی طرح فضول اور بے کار اعلامی ذرائع بھی ہوتے ہیں۔ اے بی سی، این بی سی، سی بی سی سب جنک میڈیا ہے۔ حقیقی علم محض قابلِ اعتبار اور درست کتابوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے، ٹی وی سے نہیں۔ آپ حقیقی علم ٹی وی کے ذریعے ہرگز حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر آپ کے لیے علم کے حصول کا ذریعہ ٹی وی ہے تو آپ کچھ نہیں سیکھ سکتے، مگر بدقسمتی یہ ہے کہ لوگوں کی بیشتر تعداد ٹی وی سے ہی معلومات حاصل کرتی ہے حالانکہ یہ بدترین ذریعہ ہے جو دراصل تجارتی اغراض کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس میں بے کار اور فضول مواد دکھایا جاتا ہے اور اس کے ذریعے پورے پورے معاشروں کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں چھین کر ان کی سوچوں اور خیالات کو اپنے قابو میں لایا جاتا ہے۔ حقیقی علم اعلیٰ پائے کی قابلِ اعتبار اور بہترین کتابوں سے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

چاند کا پھیل جانا یا بڑا دکھائی دینا

قیامت سے پہلے کے زمانے میں چاند پھیل جائے گا۔ ضروری نہیں کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ چاند حقیقت میں بڑا ہو جائے گا بلکہ ہم اسے بڑا سمجھیں گے، یہ ہمیں بڑا دکھائی دے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ چاند بڑا ہو جائے گا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انتفاخ الاھلة… یعنی چاند پھول جائے گا۔

من اقتراب الساعة انتفاخ الاهلة (طبرانی)

”قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ چاند پھول جائے گا۔“

چاند بڑا نظر آئے گا، اس سے بڑا جتنا وہ پہلے دکھائی دیا کرتا تھا۔ اتنا فرق ہو گا کہ انسان پہلی کا چاند دیکھے گا اور کہے گا کہ یہ دوسری کا چاند ہے، کیونکہ وہ بڑا اور پھیلا ہوا یا پھولا ہوا نظر آئے گا۔ اللہ جانتے ہیں کہ اس کی وجہ کیا ہو گی لیکن اگر آپ چاند کی جانب اس وقت دیکھیں جب وہ افق کے نزدیک ہوتا ہے اور پھر اس وقت جب وہ آسمان پر چمکتا دکھائی دیتا ہے؛ تو ان دو اوقات میں سے کس میں چاند بڑا معلوم ہوتا ہے؟ جب وہ افق کے نزدیک ہوتا ہے تب بڑا دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً سان ڈیاگو میں چاند طلوع اور غروب کے وقت اتنا بڑا دکھائی دیتا ہے گویا سورج، یعنی افق کے قریب سورج کی طرح بڑا دکھائی دیتا ہے اور جب وہ بلند ہوتے ہوتے آسمان کے وسط میں آجاتا ہے تو چھوٹا دکھائی دینے لگتا ہے۔ جب یہ افق کے نزدیک ہوتا ہے تو آپ کے اور چاند کے بیچ زیادہ سموگ، زیادہ گندی فضا، زیادہ آکسیجن، زیادہ نائٹروجن زیادہ کاربن ڈائی آکسائیڈ حائل ہوتی ہے۔ یوں زمین کی گندی فضا اسے اس کی اصل حالت سے بڑا دکھاتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ بڑھتی ہوئی فضائی آلودگی کے ساتھ یہ مستقبل میں مزید بڑا دکھائی دینا شروع ہو جائے۔

دین میں جھوٹ اور جعل سازی

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ يَأْتُونَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّونَكُمْ وَلَا يَفْتِنُونَكُمْ (مسلم)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اخیر زمانے میں دجال (یعنی جھوٹ کو سچ بنانے والے) اور کذاب (یعنی جھوٹ بولنے والے) پیدا ہوں گے۔ وہ ایسی حدیثیں تم کو سنائیں گے جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہ سنی ہوں گی، تو بچے رہنا ان سے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو گمراہ کر دیں اور آفت میں ڈال دیں۔“

دجال دغاباز، فریبی، بہروپیے کو کہتے ہیں؛ جو وہ ظاہر کرتا ہے وہ ہوتا نہیں ہے۔ لیکن یہ حدیث مسیح دجال کی بابت بیان نہیں کر رہی، یہ دیگر دجالوں کی بات کر رہی ہے۔ دجال وہ لوگ ہوتے ہیں جو فریبی ہوتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں؛ جو ظاہر کچھ کرتے ہیں اور اصل میں کچھ اور ہوتے ہیں، 'کذابون'... یعنی جھوٹے لوگ جو ایسی ایسی باتیں پیش کریں گے جو تم نے کیا تمہارے باپ دادا نے بھی کبھی نہ سنی ہوں گی۔ مسلمانوں نے ایسی باتیں کبھی نہیں سنی ہوں گی۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خبردار کیا ہے لہٰذا بہت ممکن ہے کہ یہ لوگ دین کے لبادے میں ظاہر ہوں اور لوگوں کے سامنے جو چیز پیش کریں اسے اسلام سے منسوب کریں، مگر وہ اسلام میں نہ ہو۔ نہ آپ نے اسے سن رکھا ہو نہ آپ کے باپ دادا نے۔ تو یہ بات ان لوگوں کی اپنی جھوٹی اختراع ہو گی، یہی وجہ ہے کہ انہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کہا۔ دجل کا معنی ہیر پھیر اور جعل سازی کے ساتھ انتہا درجے کا جھوٹ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین سے متعلق معلومات کی تصدیق کرنی ضروری ہے۔ ہمیں اندھی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ کتنے بڑے شیخ کوئی بات کہہ رہے ہیں، دین سے متعلق باتوں کی تحقیق و تصدیق بہرحال ضروری ہے۔ جیسا کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ دنیا میں ہر شخص کی بعض باتیں آپ قبول کرتے ہیں اور بعض کو نہیں، سوائے ان کی بات کے جو اس قبر میں ہیں (یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ امام مالکؒ نے یہ بات مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے ہوئے فرمائی ہو گی)۔ انسانوں میں صرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ایسی ہے کہ جسے ہم من و عن قبول کریں گے۔ اس کے علاوہ خواہ کوئی کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو ہم ان کی بات من و عن قبول نہیں کر سکتے، کچھ لیتے ہیں اور کچھ چھوڑ بھی دیتے ہیں۔ دین کی باتوں میں اس زمانے میں تصدیق اس لیے بھی زیادہ ضروری ہے کہ آج کل احادیث میں بہت تحریف کی جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَتَمَثَّلُ فِي صُورَةِ الرَّجُلِ فَيَأْتِي الْقَوْمَ فَيُحَدِّثُهُمْ بِالْحَدِيثِ مِنَ الْكَذِبِ فَيَتَفَرَّقُونَ فَيَقُولُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ سَمِعْتُ رَجُلًا أَعْرِفُ وَجْهَهُ وَلَا أَدْرِي مَا اسْمُهُ يُحَدِّثُ (مسلم)

”بلاشبہ شیطان کسی آدمی کی شکل اختیار کرتا ہے، پھر لوگوں کے پاس آتا ہے اور انہیں جھوٹ (پر مبنی) کوئی حدیث سناتا ہے، پھر لوگ بکھر جاتے ہیں، ان میں سے کوئی آدمی کہتا ہے کہ میں نے ایک آدمی سے (حدیث) سنی ہے، میں اس کا چہرہ تو پہچانتا ہوں پر اس کا نام نہیں جانتا، وہ حدیث سنا رہا تھا۔“

کیوں؟ لوگ چہرہ پہچانتے ہوں گے اور نام نہیں جانتے ہوں گے کیونکہ لوگ صرف اس کی بات سنیں گے اور اسے آگے پہنچائیں گے مگر اس شخص اور اس سے سنی ہوئی بات کی تحقیق نہیں کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں بات آگے پہنچانے سے پہلے اس کی تصدیق کرنی چاہیے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ بات درست نہ ہو۔ لوگوں کے درمیان بہت سی غلط باتیں گردش کر رہی ہوتی ہیں جو ناقابلِ یقین حد تک غلط ہوتی ہیں اور دین میں ان کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔

شیاطین کا نکلنا اور لوگوں کے سامنے بیان کرنا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ إِنَّ فِي الْبَحْرِ شَيَاطِينَ مَسْجُونَةً أَوْثَقَهَا سُلَيْمَانُ يُوشِكُ أَنْ تَخْرُجَ فَتَقْرَأَ عَلَى النَّاسِ قُرْآنًا (مسلم)

”حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ سمندر (کی تہہ) میں بہت سے شیاطین قید ہیں جنہیں حضرت سلیمانؑ نے باندھا تھا، وقت آ رہا ہے کہ وہ نکلیں گے اور لوگوں کے سامنے قرآن پڑھیں گے۔“

یہاں حدیث میں لفظ قرآن استعمال ہوا مگر اس کا مطلب القرآن یعنی قرآن پاک نہیں ہے۔ عربی زبان میں قرآن کا معنی تلاوت، ذکر، بیان ہے۔ لہٰذا یہ حدیث 'القرآن' کی بات نہیں کر رہی بلکہ بیان کی بات کر رہی ہے۔ یہ شیاطین سمندروں سے نکلیں گے اور لوگوں کے سامنے

بیان کریں گے اور دعویٰ کریں گے کہ جو کچھ وہ بیان کر رہے ہیں وہ وحی ہے اور یہ مقدس کتاب کی باتیں ہیں۔ وہ یہ بھی دعویٰ کرسکتے تھے کہ یہ قرآن کی باتیں ہیں مگر قرآن میں تحریف نہیں کی جاسکتی کہ اللہ پاک نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (سورۃ الحجر:9)

”ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“

جھوٹی گواہی دینا اور حق گواہی چھپانا

عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ بَيْنَ يَدَيْ السَّاعَةِ ......وَشَهَادَةَ الزُّورِ وَكِتْمَانَ شَهَادَةِ الْحَقِّ ... (مسند احمد)

”یہ بات علامات قیامت میں سے ہے کہ...... جھوٹی گواہی دی جانے لگے گی اور سچی گواہی کو چھپایا جائے گا...۔“

لوگ عدالتوں میں جائیں گے اور جھوٹ بولیں گے، جھوٹی گواہی دیں گے اور جو لوگ حق جانتے ہوں گے وہ اسے چھپائیں گے۔ ایسا ہونا معاشرے کی تباہی کی علامت ہے کیونکہ کوئی بھی معاشرہ عدل وانصاف کے بغیر اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا۔ عدل ہی معاشرے کو جوڑنے والی چیز ہے، جب بھی یہ مفقود ہو گا لوگوں کی زندگی خستہ حال ہو گی۔ دنیا میں لوگوں پر گزرنے والی آزمائشوں کو دیکھیں تو ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ جس قدر عدل کا فقدان ہو گا اسی قدر لوگوں کی زندگی بدتر ہو گی، خواہ ان کے پاس پیسے کی کمی نہ ہو، کیونکہ یہ پیسے کا مسئلہ تو ہے ہی نہیں۔ تحفظ اور سکون کا احساس جو لوگوں کے دلوں میں ہوتا ہے، اس کی بنیاد محض عدل ہے۔ یہ بدترین حالات تب ہوں گے جب لوگ جھوٹی گواہی دیں گے اور سچی گواہی چھپائیں گے۔ اسلام عدل کو اس حد تک اہمیت دیتا ہے کہ جھوٹی گواہی سات کبیرہ گناہوں میں شامل ہے۔ ذرا غور کریں کہ سات کبیرہ گناہوں میں سے ایک جھوٹی گواہی بھی ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات کبائر کا ذکر فرمایا جن میں شرک باللہ، حقوق والدین اور سود شامل ہے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹیک لگا رکھی تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک چھوڑ کر سیدھے ہو بیٹھے اور تین مرتبہ فرمایا: الا وشهادة الزور، جھوٹی گواہی، جھوٹی گواہی، جھوٹی گواہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو دہراتے رہے یہاں تک کہ صحابہ کرام خواہش کرنے لگے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مزید یہ الفاظ نہ کہیں۔ یہ اس قدر اہم ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اس قدر اصرار کیا اور اسے بیان کرتے ہوئے اس قدر بے چینی کا اظہار فرمایا اور یہی وجہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹی گواہی سے متعلق بہت فکر تھی۔ جھوٹی گواہی اس قدر خطرناک ہے کہ یہ انسان کے نیک اعمال کو تباہ کر دینے والے سات کبائر میں شامل ہے۔ اسی طرح سچی گواہی کو چھپانا، حق کو جانتے بوجھتے چھپانا بھی ایک گناہ ہے۔ جہاں گواہی کی ضرورت ہو اور وہاں آپ جانتے ہوئے بھی انجان بن جائیں تو یہ گناہ ہے۔

مردوں کی نسبت عورتوں کا تناسب بڑھ جانا

رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ ...... تَكْثُرَ النِّسَاءُ وَيَقِلَّ الرِّجَالُ حَتَّى يَكُونَ لِخَمْسِينَ امْرَأَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ (بخاری)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ عورتوں کی کثرت اور مردوں کی قلت ہو جائے گی، یہاں تک کہ ایک مرد پچاس عورتوں کا کفیل ہو گا۔“

سبحان اللہ! کس قدر بڑا فرق ہے کہ ہر پچاس عورتوں پر ایک مرد۔ امام نوویؒ نے اس کی شرح میں فرمایا:

”فتنے کے دور میں جنگوں کی کثرت ہو گی اور ان جنگوں میں مرد قتل ہو جائیں گے کہ وہی مقاتلین ہوتے ہیں عورتیں نہیں (لہٰذا عورتوں اور مردوں کا تناسب اس قدر بدل جائے گا)۔“

ناگہانی موت

......أن يظهر موت الفجأة (طبرانی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ”ناگہانی موت بہت بڑھ جائے گی۔“

دل کے دورے، فالج اور دیگر امراض کے حملے سے اچانک موت کا واقع ہونا اس ذیل میں آتا ہے۔ البتہ حادثاتی موت اس میں شامل نہیں کہ اس میں موت کی وجہ معلوم ہوتی ہے۔ جبکہ حدیث میں جس قسم کی موت کا ذکر ہے وہ ایسی ہے کہ ٹھیک ٹھاک انسان بظاہر بلاوجہ ہی مردہ پایا جائے، یقیناً وجہ تو ہو گی مگر وہ ظاہر نہ ہو گی۔ مرنے والے انسانوں کے جسم کے اندر ہی ایسا کوئی مسئلہ پیدا ہو جائے گا کہ جس سے ان کی اچانک موت واقع ہو جائے گی۔ دل کے دورے اور اچانک موت کا سبب بننے والی دیگر بیماریاں جدید دور کے امراض ہیں۔ یہ بیماریاں ٹیکنالوجی کے دور میں جدید طرزِ زندگی کی پیداوار ہیں اور اب یہ وبا کی طرح پھیل چکی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی زندگی میں حرکت بہت کم ہو گئی ہے۔ تمام کام دفتر میں کرسی پر بیٹھ کر ہوتا ہے۔ ماضی میں کون دفاتر میں بیٹھ کر کام کیا کرتا تھا؟ لوگوں کے کام کرنے کا یہ طریقہ کار نہ تھا۔ کوئی زمین دار ہے تو وہ اپنی زمینوں پر کام کرتا تھا، تاجر اور دکاندار ہے تو سامان تجارت کی خرید و فروخت کے لیے اسے سفر کرنا پڑتا تھا؛ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے عموماً پیدل سفر کیا جاتا تھا، لوگوں کی زندگی جسمانی طور پر متحرک تھی۔ ایک جگہ پر بیٹھے بیٹھے کام کرنا جدید دور کا مسئلہ ہے۔ ماضی میں سیر و تفریح کی جگہوں، پارکوں وغیرہ کا رواج نہ تھا کہ فطری طور پر لوگوں کا طرزِ زندگی ایسا تھا جو انہیں چاق و چوبند رکھتا تھا۔ اُس دور میں اگر لوگ کسی کو منہ اندھیرے دوڑ لگاتے دیکھتے تو یہی کہتے کہ اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے مگر اب لوگوں کے لیے لازم ہو گیا ہے کہ اپنی زندگیوں میں حرکت کی کمی کو سیر و تفریح اور ورزش وغیرہ کے ذریعے

دور کریں۔ ماضی کے بارے میں ہم نے کبھی نہیں پڑھا کہ لوگ خاص طور پر ورزش کیا کرتے تھے۔ لوگ ورزش کی خاطر وزن نہیں اٹھاتے تھے، سیر نہیں کرتے تھے، دوڑ نہیں لگایا کرتے تھے۔ امریکہ کی مثال لیں تو یہاں لوگوں کے ساکت طرز زندگی کے باعث درستیٔ صحت (Health and Fitness) باقاعدہ ایک کامیاب کاروبار کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اور یہی غیر متحرک طرز زندگی ناگہانی اموات کا سب سے بڑا سبب ہے۔ ماضی میں لوگوں کو یہ بیماریاں اس لیے لاحق نہیں ہوتی تھیں کہ ان کے جسم مضبوط اور صحت مند ہوتے تھے۔ لوگوں کے پاس گاڑیاں اور جہاز نہیں تھے لہٰذا روز مرہ زندگی میں پیدل چلنا ان کے لیے عام سی بات تھی۔ لوگ طویل طویل سفر کیا کرتے تھے حتیٰ کہ بیرون ملک اسفار کے لیے لوگ میلوں پیادہ سفر کیا کرتے تھے۔

عداوت و دشمنی

سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ السَّاعَةِ فَقَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ وَلَكِنْ أُخْبِرُكُمْ بِمَشَارِيطِهَا وَمَا يَكُونُ بَيْنَ يَدَيْهَا إِنَّ بَيْنَ يَدَيْهَا فِتْنَةً وَهَرْجًا قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ الْفِتْنَةُ قَدْ عَرَفْنَاهَا فَالْهَرْجُ مَا هُوَ قَالَ بِلِسَانِ الْحَبَشَةِ الْقَتْلُ وَيُلْقَى بَيْنَ النَّاسِ التَّنَاكُرُ فَلَا يَكَادُ أَحَدٌ أَنْ يَعْرِفَ أَحَدًا (مسند احمد)

”ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے، وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کرے گا، البتہ میں تمہیں اس کی کچھ علامات بتائے دیتا ہوں اور یہ کہ اس سے پہلے کیا ہوگا؟ قیامت سے پہلے فتنے ہوں گے اور ”ہرج“ ہوگا۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! فتنے کا معنی تو ہم سمجھ گئے مگر ہرج سے کیا مراد ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل حبشہ کی زبان میں اس کا معنی قتل ہے۔ نیز لوگوں میں اجنبیت پیدا ہو جائے گی اور کوئی کسی کو نہیں پہچانے گا۔“

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک کا یہ معنی نہیں ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے نام سے یا اس کے تعارف سے واقف نہیں ہوں گے، مطلب یہ ہے کہ ان کا آپس میں تعامل ایسا ہوگا گویا وہ ایک دوسرے کو نہیں جانتے اور وہ ایک دوسرے سے بیر رکھتے ہوں گے۔ لوگ ان لوگوں کے ساتھ بھی مخاصمانہ رویہ رکھیں گے اور اجنبیت برتیں گے جنہیں وہ اچھی طرح جانتے پہچانتے ہوں گے۔ گویا جنگل کا قانون چلے گا اور دشمنی اور عداوت بہت بڑھ جائے گی۔ صحابہؓ اس بارے میں جانتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اس پر متنبہ کرتے رہتے تھے۔ ذیل میں طبرانی کی ایک روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم نے حضرت عمرؓ کو اس حوالے سے ایک خط لکھا۔

عمر بن خطابؓ کی خلافت کے دور میں معاذ بن جبلؓ اور ابو عبیدہ بن جراحؓ نے نعیم بن ابی ہند کے ہاتھ امیر المومنین کو ایک خط ارسال کیا۔ اس خط میں دیگر صلاح مشورہ کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ ”ہم آپس میں اس امت کے آخری دور کے حوالے سے بات کر رہے تھے اور ہماری گفتگو میں یہ ذکر بھی آیا کہ آخری دور میں لوگوں کا یہ حال ہو جائے گا کہ اعلانیہ وہ ایک دوسرے کے بھائی ہوں گے اور پوشیدہ طور پر ایک دوسرے کے دشمن۔“ یہ حضرات حضرت عمر بن خطابؓ کو اس آنے والے دور کے حوالے سے متنبہ کرنا چاہتے تھے کہ جب بظاہر لوگ ایک دوسرے سے ہنس کر ملیں گے، مصافحہ اور معانقہ بھی کریں گے مگر دراصل وہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ عمر بن خطابؓ نے جواباً فرمایا کہ ”آپ لوگوں نے مجھے اس وقت کے بارے میں متنبہ کیا کہ جب لوگ ظاہر میں دوست اور حقیقت میں دشمن ہوں گے، تو میں آپ حضرات کو یہ بتلا دینا چاہتا ہوں کہ یہ حدیث ہمارے بارے میں نہیں ہے اور نہ ہی یہ اس موجودہ دور کے حوالے سے ہے۔ یہ اس دور کے بارے میں ہے کہ جب لوگوں کے مفاد ہوں گے اور وہ خائف ہوں گے۔ اس وقت لوگ صرف اس دنیا کے فائدے کے بارے میں سوچیں گے۔“ ایک شخص دوسرے میں صرف اس دنیا کے کسی لالچ اور فائدے کے حصول کے لیے دل چسپی رکھے گا۔ یہ تعلقات ہر گز اللہ رب العزت کی خاطر نہیں ہوں گے بلکہ یہ کاروباری نوعیت کے ہوں گے اور ان کا مقصد اس دنیا میں حصولِ مفاد ہوگا۔ لوگوں کا آپس کا تعلق للہ فی اللہ نہیں ہوگا بلکہ ان کے تعلقات کا مطمح نظر صرف اس دنیا کا مفاد ہوگا۔ بیشتر دنیا میں تعلقات کا اب یہی حال ہے جبکہ الحب فی اللہ کی بنیاد پر تعلقات اور محبتیں خال خال ہی ملتی ہیں۔ رشتوں اور تعلقات کی بنیاد فقط پیسہ اور دنیاوی مفادات ہی رہ گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے دل آپس میں جڑے ہوئے نہیں ہیں۔ جس چیز اور جس رشتے کی بنیاد بھی دنیاوی منافع پر ہوگی وہ پائیدار نہ ہوگا۔ پائیدار اور باقی رہ جانے والا صرف وہی ہے جس کی بنیاد آخرت ہو۔ لوگوں کے دل آپس میں پھٹے ہوئے ہیں کیونکہ ان کی سمتیں جدا ہیں، قرآن اسے ﴿وقلوبھم شتّٰی﴾ کہہ کر بیان کرتا ہے۔ شتّٰی کا معنی 'منتشر ہونا' کے ہیں۔ ہر ایک کا مقصد، اس کی منزل، اس کی سمت الگ ہے۔ اگر کوئی مشترکہ منزل ہو سکتی ہے تو وہ صرف آخرت ہے۔ دنیا میں کبھی نہ کبھی ضرور ایسا موقع آتا ہے جب ایک شخص کا مفاد دوسرے سے ٹکراتا ہے، خواہ اشخاص کے مابین کتنے ہی مشترکہ مفادات کیوں نہ ہوں، کہیں نہ کہیں ان میں اختلاف آتا ہی ہے لہٰذا ماہرانہ رائے رکھنے والے بہت سے منتظمین خواہ لاکھ یہ کہیں مگر ہمیشہ اور ہر جگہ یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ ہر فریق ہی مطمئن اور خوش رہے۔ کبھی نہ کبھی مفادات کا ٹکراؤ پیدا ہو ہی جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۵۱)

”اور اگر (اس طریقے سے) اللہ ایک گروہ کو دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا رہتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ تو تمام جہانوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔“

اور یہ کہ

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا﴾ (سورۃ الحج:۴۰)

"اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض دوسرے لوگوں کے ذریعے دور نہ کرتا رہتا تو ڈھادی جاتیں ساری خانقاہیں، گرجے، کنیسے اور مسجدیں، جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔"

اگر جہاد نہ ہوتا جو دشمنوں کو دور رکھتا ہے تو عبادت گاہیں تباہ ہو جاتیں۔ جب بھی مفادات کا ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے تو ایک فریق دوسرے پر لازماً غالب آتا ہے۔ عمر بن خطابؓ نے صحابہؓ سے کہا کہ آپ فکر مند نہ ہوں ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری آپس کی محبتیں اور تعلقات کی بنیاد محض دنیاوی مفادات ہوں۔

جزیرۂ عرب کا دوبارہ سرسبز وشاداب ہونا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ ......حَتَّى تَعُودَ أَرْضُ الْعَرَبِ مُرُوجًا وَأَنْهَارًا (صحيح مسلم)

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ...... عرب کی سرزمین دوبارہ چراگاہوں اور نہروں میں بدل جائے گی۔"

اس حدیث مبارک میں دوبارہ کا لفظ بہت اہم ہے۔ گو عرب قوم اب جغرافیائی لحاظ سے زمین کے بہت بڑے حصے پر پھیلی ہوئی ہے مگر اس حدیث مبارک میں بالخصوص جزیرۂ عرب کا ذکر ہے، جو علاقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عربوں کی سرزمین تھا۔ یہ جزیرہ بحر ہند، بحر احمر اور خلیج فارس سے گھرا ہوا ہے۔ زیادہ تر یہ صحرائی علاقہ ہے۔ اس کے جنوب میں یمن ہے، شمالی علاقوں میں کچھ سرسبز حصہ بھی ہے مگر اس کا بڑا حصہ صحرا پر مبنی ہے۔ الربع الخالی اور صحرا النفود (شمالی عرب کا بڑا صحرا) فقط ریت کے ٹیلے ہیں۔ نیز الربع الخالی دنیا کا وہ حصہ ہے کہ جہاں کوئی چیز نہیں اگ سکتی، فقط ریت ہی ریت ہے۔ اسی وجہ سے اسے الربع الخالی (The empty quarter) کہا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دن آئے گا کہ جب یہ صحرائی علاقے پھر سے سرسبز ہو جائیں گے اور یہاں دریا بہیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعود کا لفظ استعمال فرمایا یعنی وہ دوبارہ اسی طرح سرسبز ہو جائیں گے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے بھی کبھی ایسے سرسبز ہی ہوں گے۔ یہ حدیث کا ایک سائنسی معجزہ ہے کیونکہ جدید ٹیکنالوجی اور عکس سازی (imaging) کی صنعت کے استعمال کے ذریعے سائنس دانوں نے یہ دریافت کیا کہ الربع الخالی اور جزیرۂ عرب کے بعض دیگر حصے جنگلات پر مبنی ہوا کرتے تھے اور وہاں دریا بہتے تھے۔ یہ علاقہ زمین کے ان حصوں پر مشتمل ہے جہاں قوم عاد بستی تھی اور بعض دیگر سلطنتیں قائم تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک سے زیادہ ادوار میں یہ علاقہ سرسبز رہا ہو مگر برفانی دور (ice age) کے اواخر میں یہ علاقہ بہر حال سرسبز رہا ہے۔ کیونکہ برفانی دور میں زمین کے جنوبی اور شمالی حصے برف سے ڈھک گئے تھے جبکہ عرب کا علاقہ اس وقت گرم ترین جنگلات پر مبنی تھا اور وہاں خوب بارش ہوا کرتی تھی۔ بعد ازاں گلیشیر پھسل پھسل کر دوسری جگہوں پر چلے گئے اور دیگر جگہوں پر جنگلات اگنے لگے اور موسمیاتی تبدیلیوں کے ساتھ اس علاقے میں بارشیں ہونا بند ہو گئیں اور یہ علاقہ صحرا بن گیا۔ لیکن اب تحقیق کہتی ہے کہ یمن کے مشرقی حصے اور سعودی عرب کے جنوب مشرقی حصوں میں دریاؤں کے نشانات ہیں اور یہ سب وہ سیٹلائٹ کے ذریعے موصول ہونے والی تصویروں کی مدد سے بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں باقاعدہ دریاؤں سے بنے قدرتی حوضوں (River Basins) کی علامات ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی دور میں یہاں خوب پانی بہتا تھا۔ یہ دوبارہ کیسے ہوگا اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ماحولیاتی تبدیلی کی وجہ سے ایسا ہو جائے کہ اس علاقے میں پھر سے بہت بارشیں ہونی شروع ہو جائیں یا پھر ٹیکنالوجی کی ترقی کے ذریعے بھی یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ صنعت و حرفت میں ترقی کے ذریعے یہ ممکن ہے کہ اس پوری زمین کو سینچا جائے، اس کی آبیاری کی جائے اور اسے دوبارہ سرسبز و شاداب بنا دیا جائے نیز بعض دیگر ذرائع کے استعمال سے بھی ایسا ممکن ہے۔ اللہ ہی جانتے ہیں کہ یہ کیسے ہوگا مگر یہ ایسی نشانی ہے جو ابھی تک ظاہر نہیں ہوئی۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ سعودی عرب اور عرب امارات کے بعض علاقوں میں......جہاں زراعت کو فروغ دینے کے لیے پانی کی طرح پیسہ بہایا جا رہا ہے......ایسا ہو چکا ہے، مگر بہر حال ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ ان علاقوں کو مجموعی طور پر سرسبز و شاداب کہا جا سکے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ زراعت کے فروغ کی وجہ سے پہلے کی نسبت یہ علاقے سرسبز ہو گئے ہیں مگر پھر بھی تا حال اسے باغات اور بہتے دریاؤں کی سرزمین نہیں کہا جا سکتا۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

[یہ سلسلۂ مضامین نابغۂ روزگار مجاہد و داعی شیخ انور العولقی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے انگریزی میں ارشاد کیے گئے سلسلۂ دروس '*Al-Aakhirah* – The Hereafter' کا اردو ترجمہ ہیں، جو بتوفیق اللہ، قسط وار مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں شائع کیے جا رہے ہیں۔ شیخ انور کو دعوت الی اللہ کے جرم میں امریکہ نے ایک ڈرون حملے کا نشانہ بنایا جس میں آپ اپنی ایک اہلیہ سمیت سنہ ۲۰۱۱ء کے نصفِ ثانی میں جامِ شہادت نوش کر گئے!]

آپ کے سوالات

'نوائے غزوۂ ہند' سے سوالات پوچھیے۔ اس سلسلے میں قارئین 'نوائے غزوۂ ہند' سے سوالات پوچھ سکیں گے جن کے جوابات، ماہانہ شمارے میں شائع کیے جائیں گے۔ اپنے سوالات درج ذیل برقی پتے (email) پر ہمیں بھیجیے:

aapkaysawalat@nghmag.com

امیر المومنین

شیخ ھبة اللہ اخوندزادہ نصرہ اللہ

کی ہدایات...... مجاہدین کے نام

مجاہد کے لیے آداب

(۱۱) مجاہدین پر لازم ہے کہ اپنی نیت درست رکھیں اور اپنے سارے اعمال خالصتاً اللہ کو راضی کرنے کے لیے کریں، اس متعلق تفصیل پیچھے گزر گئی۔

(۱۲) مجاہدین کو قوم پرستی سے اجتناب کرنا چاہیے، اس کی تفصیل بھی گزر گئی۔

(۱۳) مجاہدین کو اپنے جہادی امور میں کسی کے ساتھ نزاع و اختلاف نہیں کرنا چاہیے بلکہ انہیں چاہیے کہ کام امیر کے سپرد کریں یا اس کے حوالے کر دیں جو اس کام کا اہل ہو۔

(۱۴) مجاہد کے لیے ضروری ہے کہ اُن تمام امور میں امیر کی اطاعت کرے جو معصیت نہ ہوں، اس کی تفصیل بھی گزر گئی۔

(۱۵) مجاہدین کو چاہیے کہ آپس میں محبت و اخوت کے ساتھ تعامل کریں اور بالخصوص کمزور لوگوں کے ساتھ شفقت و ہمدردی کا رویہ رکھیں۔ اس لیے کہ دشمن پر غلبہ ان ضعفا کی دعاؤں کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے متعلق فرمایا ہے:

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ○ (سورۃ الفتح: ۲۹)

”محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں۔ تم انہیں دیکھو گے کہ کبھی رکوع میں ہیں، کبھی سجدے میں، (غرض) اللہ کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی علامتیں سجدے کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ ہیں ان کے وہ اوصاف جو تورات میں مذکور ہیں اور انجیل میں ان کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوگئی، پھر اپنے تنے پر اس طرح سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کاشتکار اس سے خوش ہوتے ہیں۔ تاکہ اللہ ان (کی اس ترقی) سے کافروں کا دل جلائے۔ یہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، اللہ نے ان سے مغفرت اور زبردست ثواب کا وعدہ کرلیا ہے۔“

طلحہؓ مصعب بن سعد رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ:

”رَأَى سَعْدٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ لَهُ فَضْلًا عَلَى مَنْ دُونَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ“ (صحیح بخاری)

”سعد رضی اللہ عنہ کا گمان تھا کہ وہ دوسروں سے افضل ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تمہاری نصرت کمزوروں کے سبب کی جاتی اور انہی کی وجہ سے تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔“

جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ لَا يَرْحَمُهُ اللَّهُ“ (ترمذی)

”جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا ہے اللہ اُس پر رحم نہیں کرتا۔“

(وما علینا إلّا البلاغ المبین!)

قطع رحمی کا گناہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ظلم اور قطع رحمی کے علاوہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے کہ اس کا وبال آخرت میں جمع رہنے کے ساتھ ساتھ اس کی سزا دنیا میں بھی اللہ پاک اس کے مرتکب کو دیں۔“ (ابوداود)

یعنی یہ دو گناہ، ظلم اور قطع رحمی ایسے ہیں کہ آخرت میں تو ان پر جو کچھ وبال ہوگا وہ تو ہوگا ہی، آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی اس کی سزا بہت جلدی ملتی ہے۔

(مولانا محمد حنیف عبدالمجید)

(شرح اسمائے حسنیٰ، جلد اول)

مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

ابو البـــراء الإبّـــي

یہ تحریر یمن کے ایک مجاہد مصنف ابو البراء الإبي کی تصنیف 'تبصرة الساجد في أسباب انتكاسة المجاهد' کا ترجمہ ہے۔ انہوں نے ایسے افراد کو دیکھا جو کل تو مجاہدین کی صفوں میں کھڑے تھے، لیکن آج ان صفوں میں نظر نہیں آتے۔ جب انہیں تلاش کیا تو دیکھا کہ وہ دنیا کے دیگر دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اور اس سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟ یہ تحریر ان سوالوں کا جواب ہے۔ (ادارہ)

پندرہویں وجہ: علم پر عمل نہ کرنا

اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کے بارے میں فرمایا جو جانتے ہیں لیکن عمل نہیں کرتے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (سورۃ الجمعۃ:۵)

"جن لوگوں (کے سر) پر تورات لدوائی گئی پھر انہوں نے اس (کے بار تعمیل) کو نہ اٹھایا ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں۔ جو لوگ خدا کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں ان کی مثال بری ہے۔"

اللہ تعالیٰ اس امت میں ان لوگوں کے بارے میں جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتے سرزنش اور مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ (سورۃ الصف:۲،۳)

"مومنو! تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے خدا اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔"

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَزُولَا قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ أَرْبَعٍ: عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ، وَعَنْ عِلْمِهِ مَاذَا عَمِلَ بِهِ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَه، وَعَنْ جِسْمِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ

"قیامت کے دن بندے کے قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے جب تک اس سے چار چیزوں کے بارے میں حساب نہ لیا جائے۔ اس کی عمر کے بارے میں کہ کس میں گزار دی۔ اس کے علم کے بارے میں کہ اس پر کتنا عمل کیا۔ اس کے مال کے بارے میں کہ اس نے کہاں کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ اس کے جسم کے بارے میں کہ کس میں اس نے کھپایا۔"

بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں درج کیا ہے کہ حضرت لقمان بن عامر رحمہ اللہ نے کہا کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

إنما أخشى من ربي يوم القيامة أن يدعوني على رؤوس الخلائق فيقول لي: يا عويمر، فأقول: لبيك رب، فيقول: ما عملت فيما علمت.

"میں اپنے رب سے ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن تمام لوگوں کے سامنے مجھے بلائیں اور کہیں: اے عویمر۔ میں جواب دوں: لبیک میرے رب۔ تو فرمائیں: تم نے جو جانا اس کے بارے میں کیا کیا"۔ (البانی نے صحیح لغیرہ قرار دیا)

مجاہد دشمن کو ساز و ہتھیار کے بغیر زخم نہیں لگا سکتا۔ اسی طرح متعلم، معلم اور عالم بھی: کوئی بھی امت نہیں سنوار سکتے۔ کوئی مشکل نہیں حل کر سکتے، کوئی اندھیرا انہیں دور کر سکتے ماسوائے علم اور عمل سے۔ اور جو لوگ علم رکھتے ہیں لیکن عمل نہیں کرتے وہ جنت کے دروازے پر بیٹھتے ہیں "لوگوں کو اپنی باتوں سے جنت کی طرف بلاتے ہیں۔ لیکن اپنے کاموں سے دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں۔ جیسے کہ ان کے اقوال کہیں: آؤ سنو۔ ان کے افعال کہتے ہیں: جاؤ نہ سنو۔ اگر وہ اپنی پکار میں سچے ہوتے وہ ماننے والے سب سے پہلے ہوتے۔ وہ بظاہر ہدایت یافتہ، لوگوں کے لیے رشد و ہدایت کا منبع ہیں۔ لیکن حقیقت میں رہزن ہوتے ہیں"۔ جیسا کہ ابن القیم نے ذکر کیا۔

کسی حکیم نے کہا: "اندھے کو کیا فائدہ سورج کی روشنی کا جسے وہ دیکھ نہیں سکتا۔ اور اس عالم کو علم کی فراوانی کا کیا فائدہ جس پر وہ عمل نہیں کرتا۔ وہ اس دیے کی طرح ہے جو گھر کو روشن کرتا ہے لیکن اپنے آپ کو جلاتا ہے۔ نقصان اس کا اپنا ہے جبکہ روشنی دوسروں کے لیے۔

ابن الجوزی رحمہ اللہ صید الخاطر میں فرماتے ہیں: "اللہ کی خاطر علم پر عمل کریں۔ کیونکہ یہ اصل بنیاد ہے۔ اور مسکین مکمل مسکین وہ ہے جس کی عمر ایسے علم میں گزر جائے جس پر عمل نہ کرے۔ اس طرح اسے دنیا کی لذتیں بھی نہیں ملتیں اور آخرت کی نعمتیں بھی۔ وہ ایسا مفلس ہے جو آخرت میں اپنے اوپر قوی حجت لاتا ہے"۔

ابن عبد البر رحمہ اللہ نے الجامع میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے: "علم سیکھو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ اسے خوشنمائی کے لیے نہ سیکھو۔ قریب ہے کہ ایسا زمانہ آئے جس میں علم سے ایسے خوبصورتی حاصل کی جائے گی جیسے کہ کوئی شخص کپڑوں سے حاصل کرتا ہے"۔ واللہ المستعان۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”علم عمل کو پکارتا ہے۔ اگر عمل جواب دے تو بھلا ورنہ علم بھی چلا جاتا ہے“۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے بارے میں فرماتے ہیں: ”آج کم علوم میں سے بہت کم رہ گئے ہیں۔ اور جو لوگ یہ علوم جانتے ہیں وہ بھی کم ہیں۔ اور جو ان کم میں سے ان پر عمل کرنے والے اور کم ہے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل“۔

یہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا آٹھویں صدی ہجری میں قول ہے۔ تو اگر وہ ہمارے زمانے تک رہتے تو پتہ نہیں کیا کہتے؟!

بعض مجاہدین یہ سمجھتے ہیں کہ جب میں علم پر عمل کی بات کرتا ہوں تو اس سے مراد طالب علم یا داعی ہیں۔ نہیں، واللہ۔ بلکہ ہم سب اس میں شامل ہیں۔ جو سورہ فاتحہ سیکھ لے اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر عمل کرے۔ جو نماز کے اذکار یاد کرتا ہے اسے چاہیے کہ ان پر عمل بھی کرے۔ اسی طرح صبح وشام کے اذکار۔ اسی طرح انسان کو چاہیے کہ وہ ان برے اعمال سے منع ہو جائے جو وہ جانتا ہے کہ حرام ہیں۔

علم کی جان، زندگی اور مضبوطی اس پر عمل کرنے، اس کے مطابق اخلاق اپنانے، اس کی تعلیم دینے اور نصیحت کرنے میں ہے۔

سلف صالح عمل کرنے سے علم حاصل کرنے میں مدد لیتے تھے۔ جب وہ اس پر عمل کر لیتے تھے تو وہ علم راسخ ہو جاتا تھا اور ہمیشہ کے لیے رہتا تھا۔ بلکہ بڑھ جاتا تھا اور اس کی برکت زیادہ ہو جاتی تھی۔ اگر علم نہ ہو تو وہ ضائع ہو جاتا ہے اور اس کی برکت ختم ہو جاتی ہے۔ علم کی جان، زندگی اور مضبوطی اس پر عمل کرنے، اس کے مطابق اخلاق اپنانے، اس کی تعلیم دینے اور نصیحت کرنے میں ہے۔

کیونکہ علم اور عمل ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ یا تو دونوں موجود ہوں۔ یا دونوں ضائع ہو جائیں۔ جو علم بے عمل ہوتا ہے وہ علم والے پر حجت بن جاتا ہے۔

حفص بن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”میں داؤد طائی کے ہاں ایک مسئلہ پوچھنے گیا، وہ بہت مہربان تھے۔ تو انہوں نے [نصیحت میں فرمایا]: کیا آپ نے جنگجو کو دیکھا ہے جب وہ جنگ کرنا چاہتا ہے تو آیا اپنے ہتھیار تیار نہیں کرتا؟ جنگ اور لڑنے کی تیاری کرتا ہے۔ اسلحہ تیار کرتا ہے۔ اگر وہ پوری عمر اسلحہ جمع کرنے اور تیار کرنے میں لگا دے تو لڑے گا کب؟ اس طرح علم عمل کا ہتھیار ہے۔ اگر وہ عمر علم حاصل کرنے میں کھپا دے تو اس پر عمل کب کرے گا؟!“۔ یہ اس کی حالت ہے جو جمع کرتا ہے لیکن عمل نہیں کرتا۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ ان پر رحم کریں: ”تباہی ہے اس کے لیے جو علم نہیں سیکھتا۔ اور اس شخص کے لیے سات مرتبہ تباہی ہے جو سیکھ لیتا ہے لیکن عمل نہیں کرتا“۔

ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ روحہ کو فرماتے ہوئے سنا: اگر تم علم کی شیرینی اپنے دل میں محسوس نہ کرو اور دل اس سے خوش نہ ہو تو عمل پر الزام لگاؤ۔ کیونکہ اللہ تعالی تو شکور ہیں۔ یعنی لازمی ہے کہ وہ عمل کرنے والے کو دنیا میں ایسی شیرینی عطا کریں جسے وہ دل سے محسوس کرے۔ اس کا دل انتہائی مطمئن ہو جائے۔ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو جائے۔ اگر یہ سب کچھ نہ پائے تو اس کے عمل میں کھوٹ ہے“۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے بے نفع علم سے پناہ مانگی۔ حضرت زید بن ارقم، حضرت انس، حضرت عبد اللہ بن عمرو اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی حدیث میں آیا ہے۔

اللهم إني أعوذ بك من علم لا ينفع.

”اے اللہ میں ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سلوا علما نافعا. وتعوذوا بالله من علم لا ينفع.

” مفید علم حاصل کیا کرو۔ اور اللہ تعالی سے ایسے علم سے پناہ مانگو جو بے فائدہ ہو۔“

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

علم لا يقال به ككنز لا ينفق منه.

”وہ علم جو بیان نہ کیا جائے وہ ایسا خزانہ ہے جس میں سے خرچ نہ کیا جائے۔“

بولنے اور بغیر عمل کرنے کے بحث کرنے کی بیماری سے اللہ تعالی نے خبردار کیا ہے۔ اور ایسا کرنے والے کو برا جانا ہے۔ اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ جو زیادہ بولتا ہے اسے صرف بولنا ہی آتا ہے۔ اور تمام مسائل کے لیے اس کے پاس باتوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا: ”یہ لوگ عبادت سے اکتا گئے اس لیے انہوں نے دیکھا کہ بولنا آسان ہے۔ ان کا تقوی کم ہوا تو وہ بولنے لگے“۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ایک قوم سے کیا خوب فرمایا: ”تم لوگوں کو بولنے والے امام کے بجائے کرنے والے امام کی زیادہ ضرورت ہے۔“

راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تفصیل النشأتین میں فرماتے ہیں:"عبادت دو قسم کی ہے: علم اور عمل۔ ان کا حق ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ جڑی رہیں۔ اس لیے کہ علم بنیاد کی طرح ہے اور عمل عمارت کی طرح۔ اس بنیاد کا بھی فائدہ نہیں جس پر عمارت نہ کھڑی ہو۔ اور وہ عمارت ٹھہر سکتی ہے جس کی بنیاد نہ ہو۔ اسی طرح عمل کے بغیر علم کا فائدہ نہیں۔ اور عمل کے بغیر علم ہی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (سورۃ الفاطر: ۱۰)۔ 'اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل اس کو بلند کرتے ہیں'۔ علم کا مرتبہ ان دونوں میں اونچا ہے لیکن عمل کے بغیر اس کا کوئی فائدہ نہیں"۔

بعض علماء نے فرمایا:"علم عمل کا خادم ہے۔ اور عمل علم کا مقصد ہے۔ اگر عمل نہ کرنا ہوتا تو کوئی علم نہ حاصل کیا جاتا۔ اور اگر علم نہ ہوتا تو کوئی عمل نہ کیا جاتا۔ مجھے حق جان کر چھوڑنے سے یہ پسند ہے کہ حق کو نا جانتے ہوئے چھوڑوں"۔

حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:"ایک جوان حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آتا جاتا تھا اور ان سے مسئلے دریافت کرتا تھا اور وہ انہیں بتاتی تھیں۔ ایک دن آکر اس نے پوچھا۔ تو انہوں نے فرمایا: اے بیٹے! کیا تم نے جو مجھ سے سنا پر عمل بھی کیا اب تک؟ اس نے کہا: نہیں، واللہ اے میری اماں۔ تو انہوں نے فرمایا: اے میرے بیٹے! تو پھر تم اللہ کی حجت اپنے اور ہم پر زیادہ کیوں کر رہے ہو؟"۔

بعض سلف نے تمنا کی کہ انہیں کوئی علم حاصل نہ ہوتا کیونکہ انہیں علم کی ذمہ داری کا احساس تھا۔ اور یہ ادراک تھا کہ ان سے عمل کا مطالبہ کیا جائے گا۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی جہالت کی خواہش کرے اور نہ یہ کہ وہ جاہل رہے۔ اس لیے بعض علماء کی عبارتوں میں توازن پیدا کرنا چاہیے۔

جیسے کہ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:"کاش میں نے اس علم میں سے کچھ نہ سیکھا ہوتا"۔

اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:"کاش میں علم نہ لکھتا۔ اور کاش میں اس علم سے بچ نکلوں۔ نہ مجھ پر ہو اور نہ میرے لیے ہو"۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

ترکستان اور موجودہ ترکی

بعض لوگوں کو یہ شبہہ ہوتا ہے کہ موجودہ "ترکی" ہی ترک قوم کا اصل وطن ہے۔ بعض لوگ یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ "ترکی" کا ہی قدیم نام ترکستان تھا۔ یہ دونوں مفروضے غلط ہیں۔ ترک قوم کا اصل وطن "ترکستان" کا وہ خطہ ہے جہاں آج کل سنکیانگ (چین)، ازبکستان، تاجکستان، ترکمانستان وغیرہ ممالک وجود میں آچکے ہیں، جہاں تک موجودہ ترکی کا تعلق ہے اسے گیارہ سو سال پہلے تک ترک قوم سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا، یہاں زمانہ قدیم سے یورپ کی رومی سلطنت کی حکومت قائم تھی، یہاں کے باشندے تمام کے تمام رومی النسل تھے۔ خلفائے بنو امیہ و بنو عباس کے زمانے میں مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب یہاں تک آپہنچا اور سوائے قسطنطنیہ کے یہ تمام علاقہ مسلم مقبوضات میں شامل ہو گیا۔ اس وقت یہ علاقہ ایشیائی روم، ایشیائے کوچک یا ارض روم کے نام سے معروف تھا۔ شیخ جلال الدین رومی اسی ایشیائی روم میں بسنے کی وجہ سے رومی کہلائے۔ بنو عباس کے دور انحطاط میں جب مرکزی حکومت میں ترکوں کا اثر و رسوخ بڑھ گیا تو ایشیائی روم بھی اسی حکومت کا ایک صوبہ ہونے کے باعث ترک قومیت کے اثرات سے باہر نہ رہ سکا اور ترکستان کے مختلف قبائل کے افراد یہاں آباد ہونے لگے۔ پانچویں صدی ہجری میں جب ترکوں کے سلجوقی خاندان نے اس علاقے پر قبضہ کیا تو ترک تہذیب و تمدن کو یہاں مزید فروغ ملا۔ ترک وطن کرکے آنے والے خالص ترکی النسل باشندوں کی تعداد یہاں بڑھتی گئی، حتیٰ کہ ترک یہاں کی آبادی کا اہم حصہ بن گئے۔ چھٹی صدی ہجری میں یہ تمام علاقہ ترک قبائل سے بھرپور ہو چکا تھا۔ صرف ساحلی علاقوں پر قدیم رومی النسل لوگ آباد تھے۔ ساتویں صدی ہجری میں ترکستان پر تاتاریوں کے حملوں کے باعث ترک مہاجرین کا ایک سیلاب یہاں امنڈ آیا۔ پھر آٹھویں صدی ہجری میں عثمانی ترکوں نے تمام ایشیائے کوچک پر قبضہ کرکے ایک عظیم اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جو پھیل کر مصر و شام کو محیط ہو گئی اور یورپ کی رومی سلطنت پر جارحانہ حملے کرتی رہی۔ عثمانی ترکوں نے اپنی قلمرو میں اسلامی سانچے میں ڈھلی ہوئی ترکی تہذیب کے نقوش کو مزید پختہ کیا، یہاں تک کہ یہ اندازہ لگانا مشکل ہو گیا کہ کبھی یہاں رومی بھی آباد تھے اور اس مملکت کو ترک سلطنت یا ترکی کہا جانے لگا۔

(شیر خوارزم از مولانا محمد اسماعیل ریحان)

جزیرۂ محمد ﷺ پر ورلڈ کپ قطر ۲۰۲۲ کی آڑ میں اباحتی یلغار

مرکزی قیادت- جماعت قاعدۃ الجہاد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسی اللہ کے لیے تمام تر تعریف ہے جو مکاروں کے مکر کو توڑنے والا اور خائنین کی چالوں کو ناکام بنانے والا ہے۔ جس نے قرآن مبین میں فرمایا:

أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۖ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ○ (سورۃ البقرۃ: ۲۲۱)

”یہ لوگ آگ کی طرف بلا رہے ہیں اور اللہ تمہیں بلا رہا ہے جنت کی طرف اور مغفرت کی طرف اپنے حکم سے اور وہ اپنی آیات واضح کر رہا ہے لوگوں کے لیے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔“

پاک ہے وہ ذات جو مجبوروں کی فریاد سنتی ہے، مصیبت زدوں کی مصیبتیں دور فرماتی ہے اور اپنے مجاہد بندوں کی نصرت فرماتی ہے۔ اور درود و سلام ہو ہمارے پیارے پیغمبر اور اسوۂ حسنہ محمد ﷺ پر اور ان کی بابرکت آلِ اطہار اور تمام صحابۂ اخیار پر!

امابعد!

مکر و فساد کی تلواریں مسلمانوں کی گردنوں پر سونتی ہوئی ہیں اور معاصر صلیبی جنگیں مسلمانوں کے خلاف مرکوز اپنے ہمہ جہت حملوں کو مزید مہمیز دیے چلی جا رہی ہیں تاکہ بالخصوص نزولِ وحی، اخلاقِ کاملہ اور نورِ ایمان کی سرزمین جزیرۂ عرب میں انسانی فطرت اور صبغۃ اللہ کے تمام متعلقہ شعائر کو تباہ کر دیں۔ اور آج وہ مسلمانوں پر ثقافتی یلغار کا ایک اور رنگ لے کر آئے ہیں، تباہ کن فکری جنگ کی ایک اور قسم، جس کے اہداف میں سے ایک اہم ہدف اس خطے میں قومِ لوط کے 'ثقافتی ورثے' کا احیاء اور سرخ جھنڈے والیوں[1] کے 'تاریخی آثار' کو زندہ کرنا ہے۔ اور اس کے ذریعے فحاشی و عریانی کو فروغ دینا اور ہم جنس پرستی کی غلاظت کو لوگوں کے لیے معمول کی چیز بنا دینے کی بھرپور کوشش کرنا ہے۔

ایک طرف سعودی نظام کے جابروں، صلیبیوں کے آلۂ کار اور عربوں میں سے صہیونیوں نے اپنے ذمے اسلامی شناخت کو تباہ کرنے کا کام لے رکھا ہے۔ صلیبیوں کے کہنے پر اس جنگ میں ان کا خاص مشن جزیرۂ رسول پاک محمد ﷺ کی اقوام کے اعلیٰ اخلاقی اقدار کو لہو و لعب اور فحاشی و عریانی میں ڈوبے ہوئے طوفانی مجمعوں کے ذریعے ختم کرنا ہے، جسے وہ 'انٹرٹینمنٹ سیزن'[2] کا نام دیتے ہیں، تاکہ جاہلیتِ اولیٰ کے تبرج[3] کو مسلمان لڑکیوں اور خواتین میں عام کریں اور نوجوانوں کو بے مقصد زندگی گزارنے کی عادت ڈال دیں۔ جہاں سعودی حکومت یہ ذمہ داری نبھا رہی ہے وہاں اماراتی اور بحرینی نظام کے صہیونی ان کے اسلامی عقائد کو تباہ کرنے کا خطرناک کردار ادا کر رہے ہیں، جس کے لیے انہوں نے 'دینِ ابراہیمی'[4] کی دعوت اور الحاد کی ترویج کو باقاعدہ سیاست کے طور پہ اپنایا ہوا ہے اور نام نہاد 'انسانی بھائی چارے کی دستاویز' کی نظریاتی طور پہ تقویت اور عملی طور پہ نفاذ کے ذریعے مخلوط عقائد نشر کر رہے ہیں۔

جہاں آل سعود، آل زاید اور آل خلیفہ کے صہیونی حکمران آسمانی عقائد میں ردّ و بدل کرتے ہوئے دین، عقل، اخلاق اور جان و مال تباہ کرنے کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جا رہے تھے، وہاں تیسری طرف قطری نظام کے حکمران، جن کے بارے میں یہ گمان کیا جاتا تھا کہ ان کا کردار اسلامی تحریکات اور مجالسِ علماء کو سدھانے، ان کی تاثیر کو کم کرنے، ان کی عقل اور دماغ کو ماؤف کرنے، ان کی یادداشت کو تبدیل کرنے، معاشرے پر ان کے اثرات کو مٹانے تک محدود رہے گا، آہستہ آہستہ اپنے صہیونی کردار سے پردہ ہٹا رہے ہیں۔ اور نظر یہ آ رہا ہے کہ یہ کردار اپنی نوعیت، حجم اور کیفیت کے اعتبار سے خبیث تر ہے کیونکہ ان کے نئے کردار نے نا صرف اس صلیبی جنگ میں تمام عرب صہیونی نظاموں کی ذمہ داریوں اور مشن کو یکجا کر دیا ہے بلکہ یہ دیگر سے بڑھ کر نئی نسل کو تباہ کرنے، مسلمانوں کے مال و دولت کو برباد کرنے اور اہلیانِ جزیرۂ محمد ﷺ کی عزتوں اور وسائل کو ضائع کرنے میں ممتاز ہے۔ اور یہ سب کچھ ورلڈ کپ ۲۰۲۲ کی میزبانی کے ذریعے کہ جس میں قصداً عمداً امت مسلمہ کے خزانوں اور وسائل کو اس حد تک فضول خرچی اور اسراف و تبذیر کا نشانہ بنایا گیا جس کی انسانی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اور جس میں اسرائیلی ہم جنس پرستوں جیسے دنیا بھر کے گھٹیا ترین لوگوں کو اس سرزمین میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی تاکہ وہ کھیل تماشوں میں شرکت سے محروم نہ رہیں! اس کا قطر کے سرکاری اہلکاروں نے ذرائع ابلاغ میں برملا اعلان بھی کیا اور اہل لواطت کو جزیرۂ محمد ﷺ پر قدم رکھنے کا موقع دیا تاکہ وہ امتِ مسلمہ کے نوجوان لڑکے لڑکیوں کے درمیان اپنے فسق و فجور اور فحاشی و الحاد کا مظاہرہ کریں۔ واللہ! یہ جزیرۂ محمد پر بڑی مصیبت اور آفت ہے جو حرمین شریفین اور بقعۂ نزولِ وحی کے قرب و جوار میں نازل ہوئی! واللہ! یہ امت مسلمہ کو چونکا دینے والا لمحہ ہے! پس امت اس کے بعد صف ماتم بچھا دینے میں یقیناً حق بجانب ہے۔ اور ہم اللہ ہی کو دہائی دیتے ہیں۔ واللہ المستعان!!!

[1] جاہلیت کے دور میں طوائفیں اپنے گھروں پر سرخ جھنڈے لہراتی تھیں۔

[2] دورِ تفریح۔

[3] زیب و زینت کی نمائش۔

[4] یعنی کہ تینوں آسمانی ادیان؛ یہودیت، عیسائیت اور اسلام کی وحدت۔ والعیاذ باللہ۔

(اشعار کا نثری ترجمہ)

خوشی اور غم تو زندگی کا حصہ ہوتے ہیں
اور غم بھی قسم قسم کے ہوتے ہیں
ہر مصیبت کا غم کم کرنے کا ذریعہ موجود ہے
لیکن جو مصیبت اسلام پر ٹوٹ پڑی ہے اس کا کوئی مداوا نہیں
جزیرۃ العرب پر وہ آفت نازل ہوئی ہے
جس پر افسوس بھی لا حاصل ہے
جس کے سبب احد کا پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا
یہاں تک کہ اب اسلام تمام ممالک سے غائب ہو چکا ہے

ہماری محبوب امت!

اقوام و ممالک کی عمریں ہوتی ہیں اور ان پر عروج وزوال آتا ہے۔ آفتابِ امم کے غروب کا لمحہ اور تباہی کی پہلی نشانی کسی امت میں عیش و عشرت اور لہو و لعب کا پھیل جانا ہے، جیسا کہ ابن خلدون رحمہ اللہ نے ذکر کیا۔ ورلڈ کپ کی تقریبات کا مقصد محض جسمانی کھیل میں کوئی کارنامہ انجام دینا نہیں رہا۔ بلکہ در حقیقت یہ دو دھاری تلوار ہے جس میں جسمانی کھیلوں کو فکری اور نظریاتی اہداف، اور ثقافتی اور سیاسی محاذوں پر کامیابی حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ سمجھ دار خود دیکھ سکتا ہے کہ ان کے پیچھے کوئی اور سازش ہے۔ فقہ الواقع کے اعتبار سے یہ امت پر ایک قسم کی تہذیبی جنگ اور فکری یلغار ہے اور اسے لایعنی کاموں میں مصروف کرنے کا ایک ذریعہ ہے جس کا مقصد دینی شناخت کو ختم کر کے نفس انسانی کو مادر پدر آزادی کے فلسفے میں رنگنا ہے۔ یہ خبیث اور مکار فکری جنگ جسے صلیبیوں نے جزیرۂ عرب میں بھڑکا دیا ہے در حقیقت ایک کھلی جنگ ہے، یہ جلا کر تہس نہس کر دینے والی آگ ہے، یہ خفیہ تلوار اور تیز نیزہ ہے جو مسلمانوں کے سینوں کے اندر گھس کر دلوں پر چپکے سے چوٹیں لگا رہا ہے۔ اس جنگ کا انجام بدا تنا واضح ہے، اس میں اتنے بڑے گناہوں اور عظیم معصیتوں کا ارتکاب ہو رہا ہے، اس میں کی جانے والی حرکتیں اتنی گھٹیا اور رذیل ہیں، اس کے تمام اقوال و افعال اتنے برے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں پر اس جنگ کے نقصانات کو بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں اور نہ ہی اس کے لیے کسی دلیل و حجت کی ضرورت ہے۔ تقدیر الٰہی نے صلیبیوں، جنسی بے راہ روؤں اور کافر ملحدوں کی جزیرۂ عرب میں پیش قدمی سے اس محبوب امت کو آزمایا ہے، یہاں تک کہ بڑی مصیبت، خطرناک گناہ، اور اندوہناک فتنے نے اسے گھیر لیا۔ جس کا ظاہر کھیل تماشا اور ورزش ہے جبکہ باطن عذاب سے بھرا ہے۔ کھیل کے نام پر یہ اخلاق کے بگاڑ، فحاشی کے پھیلاؤ اور ہر اس چیز کی طرف پکار ہے جو مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے۔ بلاشک وشبہ اس سب نے مسلمانوں کی ناراضگی کا موجب بنا تھا اور ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اور یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ مسلمان اسے ایک نئی قسم کی یلغار کے طور پہ دیکھیں جس کا رخ ان کے پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سرزمین کی طرف ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے جزیرۂ محمدیہ کو اس طرح کی بلاؤں سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ چنانچہ ایمانی غیرت والوں پر لازم تھا کہ وہ جزیرۂ عرب میں اہل اسلام پر نازل شدہ مصیبت کی شدت کو واضح کریں۔ اور یہ واضح کریں کہ یہ منحوس آفت مسلمانوں کے عقائد، اخلاق، افکار اور آزادی کو نیست و نابود کرنے میں کتنا بڑا کردار ادا کرے گی۔ ممکن ہے کہ اس قسم کے بیانات سے ادراک و شعور کچھ بڑھ جائے اور راہِ نجات کی طرف نشاندہی ہو سکے تاکہ اس فتنے کی چنگاری بجھے اور اس کی تپش سرد پڑ جائے۔ یہ ہمارے لیے ایک موقع ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے کلمۂ حق کو اس کی حقیقت، حکم اور انجام سمیت بیان کریں۔ اور نصیحت کی کچھ باتیں ان تک پہنچائیں اور پھیلائیں۔ اور اس نصیحت کی صورت میں ان سے رسم محبت نبھائیں۔ کیونکہ بوقت ضرورت نہ چپ رہا جا سکتا ہے اور نہ بیان و وضاحت میں دیر کرنا جائز ہے بالخصوص تب جب کہ امت اس حد تک بگاڑ اور اختلافات میں گھر چکی ہے۔ ممکن ہے کہ اللہ اس نصیحت سے اس شخص کو فائدہ پہنچائے جو بات سنے تو بہترین رائے کی اتباع کرے۔

چنانچہ اللہ کی توفیق سے ہم کہتے ہیں جب ہم نے اس منحوس آفت کے خطرناک نتائج کی بخوبی تشخیص کر لی ہے کہ امت اسلام کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس بات سے غافل رہے کہ فٹ بال کا ورلڈ کپ پہلے کی طرح محض جسمانی ورزش اور کھیل نہیں رہا۔ بلکہ یہ فکری آلہ اور نظریاتی ذریعہ ہے تاکہ کرۂ ارض پر جینے والے تمام انسانوں کی آسمانی فطرت مسخ کر کے انہیں اباحیت کے رنگ میں رنگ دے۔ یہ کفر کے بچھونوں میں سے ایک بچھونا ہے۔ اور شناخت اور عقل کو محو کرنے والی درس گاہوں میں سے ایک درس گاہ ہے۔ ان عالمی تقریبات نے اپنے اندر تباہ کن عقائد، باطل افکار اور فاسد تہذیب کو چھپا رکھا ہے۔ اس لیے امت مسلمہ اور اس کی آنے والی نسلوں کی حفاظت کے لیے یہ قطعاً مناسب نہیں کہ ان تقریبات کی میزبانی اور تشہیر و ترویج عالم اسلام کے کسی بھی ملک میں کی جائے۔ چہ جائے کہ یہ کام جزیرۂ عرب میں ہو جہاں سرزمین حرم پر حج کے عظیم مراسم کے دوران ہونے والے اجتماعاتِ عبادت کے علاوہ کوئی دوسرا عالمی اجتماع زیب نہیں دیتا۔

ہمیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کو جزیرۂ عرب سے نکالنے کا حکم دیا ہے۔ اس جزیرے کو اور اہالیانِ جزیرہ کو ان کی گندی تہذیب، نجاست، اخلاق کی پستی اور گھٹیا سلوک سے محفوظ کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ یہ جزیرہ ایمان کا گہوارہ، قرآن کریم کا جائے نزول، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر، صحابۂ کرام کی کچھار اور مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ اس کے باشندے اصل عرب اور اسلام کا گوہر ہیں۔ وہ قیادت وہدایت کا منبع ہیں۔ عالم اسلام کا مرکز اور سر ہیں۔ دعوت الٰہی کے امین ہیں۔ توحید، حدود اور حرمتِ دین کی حفاظت کا قلعہ ہیں۔ اس لیے اس سرزمین اور اس کے باشندوں کو نجابت، ایمان، عفت، توحید، اسوۂ حسنہ اور رشد و ہدایت سے سرشار ہونا چاہیے۔ اسلامی مزاج کے حامل، عرفان و معرفت والوں کے نزدیک اس بات میں ذرہ بھر شک

کی گنجائش نہیں کہ اس مبارک جزیرے پر عظیم منکرات اور رذیل اخلاق و معاصی سے بھرپور ورلڈ کپ کے انعقاد سے ہمارے پیغمبر اقدس حضرت محمد ﷺ کو اپنی قبر مبارک میں اذیت پہنچے گی اور ہر اس صاحب ایمان مسلمان کو بھی اذیت پہنچے گی جو اس عظیم دین، واضح ہدایت، اور سنت مطہرہ پر غیرت رکھتا ہو۔ پیغمبر پاک ﷺ اور ان کے پیروکاروں کو اذیت پہنچانے کی معصیت کا اندازہ لگانے اور ہر باشعور کو ہوش کے ناخن لینے کے لیے یہ آیت کافی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۝ (سورۃ الاحزاب: ۵۷، ۵۸)

”بلاشبہ جو لوگ اللہ کو اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ نے دنیا میں اور آخرت میں ان پر لعنت کی اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار فرمایا ہے۔ اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر گناہ کیے ایذا پہنچاتے ہیں، وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار اٹھاتے ہیں۔“

پس اے محمد ﷺ کے امتیو! خصوصاً قطر اور عموماً جزیرۂ عرب میں رہنے والے ہمارے عزیزو! اے مرہ، بنی تمیم اور قحطان کی اولاد! اے کعب، ذہل اور غطفان کے سپوتو! اے خود دار طبیعتوں اور بہترین خصلتوں کے مالکو! اے اونچے حسب و نسب کے حاملو! اے جود و سخاوت سے متصف! اے غیرت و ایمان سے سرشار! تمہیں اس ورلڈ کپ میں بے تحاشا برائیاں نظر آئیں تو ان پر نکیر کرنا۔ کبائر کا ارتکاب ہوتا نظر آئے گا تو ان کا قلع قمع کرنا۔ چاہے قطری نظام مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کی کتنی ہی کوششیں کیوں نہ کرلے اور یہ دعوی کرتا پھرے کہ وہ تمام مہمانوں پر اسلامی قوانین نافذ کرے گا...... اس سب کے باوجود تم بدکار عورتوں کے رقص و سرود دیکھو گے...... فحش مرد و زن کی رذالتیں دیکھو گے...... فاسقوں کے اشارے اور کنایے دیکھو گے...... اسرائیلیوں کے ساتھ کھیل کے میدان میں ’معمول‘ کے تعلقات دیکھو گے...... پس اٹھ کھڑے ہو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے۔ حکمت اور بہترین نصیحت سے دعوت دو جیسا کہ ہمارے پیارے پیغمبر محمد ﷺ نے ہمیں سکھایا ہے۔ اور جان لو کہ جزیرۂ عرب پر یہ شدید یلغار ایک سوچی سمجھی، کھلی اور گھٹیا صلیبی جنگ کا حصہ ہے۔ جس میں مسلمانوں کے آل و اولاد کی حرمتوں کی پامالی ہے اور امت مسلمہ کے مستقبل پر بدترین ڈاکہ زنی ہے۔ یہ مغرب زدگی کے ذرائع میں سے سب سے خطرناک ذریعہ ہے۔ مسلم نسل کو اسلامی گہوارے سے نکال کر رذائل، گمراہی، اباحیت، ہم جنس پرستی اور الحاد کے جہنم میں دھکیلنے اور بھیانک تبدیلی کا بدترین آلہ ہے۔ امت مسلمہ اور جزیرۂ عرب نے اپنی پوری تاریخ میں ایسی یلغار نہیں دیکھی جو اس کی پانچوں ضرورتوں (دین، جان، عقل، مال اور عزت) پر بیک وقت حملہ کرے جیسے کہ ہم دور حاضر میں اپنے ہی رنگ و نسل کے صلیبی آلہ کاروں کے ہاتھوں ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ خصوصاً جب قوم لوط کو جزیرۂ عرب پر چڑھ دوڑنے کی اجازت دے دی گئی اور وہ دنیا کے ہر کونے سے امڈ آئے۔ آیا ورلڈ کپ اتنی اہمیت کا حامل ہے کہ اسے کعبہ کا سا مقام دیا جائے، جس کی زیارت کے لیے ہر رنگ و نسل کے لوگ کھنچے آئیں تاکہ وہ اٹھائیس دنوں تک اسلامی شعائر کی بے حرمتی کریں اور شریعت کو پامال کریں!! اور آیا ہماری امت اتنی بے وقعت ہو چکی ہے کہ اس کے قیمتی وسائل گنتی کے ان چند دنوں میں اس طرح کے لعب و لہو اور فحش تفریح پر بہا دیے جائیں!! اور افسوس کی بات ہے کہ زائرین ’کپ‘ جزیرۂ محمد ﷺ کو اپنے گھٹیا اخلاق، ادنیٰ تہذیب اور فحاشی و عریانی سے روندیں گے اور یہ سوغاتیں اپنے ساتھ واپس نہیں لے جائیں گے بلکہ ان کثافتوں کو اپنے پیچھے چھوڑ جائیں گے۔ ہماری زمین میں ایسے خراب بیج بوئیں گے جس کے کڑوے پھل آنے والی نسلوں کو چکھنے پڑیں گے۔ ہمارے دین دار معاشروں میں ایسی وبائیں پھیلائیں گے جن کی بدبو اور نجاست پورے ماحول کو آلودہ کر دے گی۔ اور جو آگے آنے والا ہے اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ سفیہ ابن سلمان نے سفیہ تمیم بن حمد سے بازی لے جانے کے لیے اپنے ملک کو اگلے ورلڈ کپ کے لیے نامزد کر دیا ہے لیکن اس دفعہ ’مردوں‘ کے نہیں بلکہ ’خواتین‘ کے ورلڈ کپ کے لیے۔ ان آفتوں سے بچنے کے لیے ہم اللہ کو ہی دہائی دیتے ہیں۔

اس وقت ہر شخص کو اندلسی شاعر ابو البقاء الرندی کا یہ شعر پڑھنا چاہیے (نثری ترجمہ):

کیا خود دار اور باہمت روحیں ختم ہو گئیں؟
کیا بھلائی میں مددگار اور معین مر گئے؟
اس حالت پر دل غم سے پگھل جاتا ہے
اگر دل میں اسلام اور ایمان کی رمق باقی ہو تو!

تو اے امت محمد ﷺ!

قطر میں ہونے والا ورلڈ کپ ۲۰۲۲ وہ تیزاب ہے جس میں جدید مسلم نسل حل ہو جائے گی۔ یہ اذہان کو پراگندہ کرنے، اخلاق کو تباہ کرنے، کفر و الحاد کی تلقین کا اور اباحیت و فساد کی ترویج کا سرچشمہ ہے۔ پس تمہارا فرض ہے کہ تم اپنے اور اپنے بچوں کے دین کو بچاؤ اور اپنی عمدہ عادات و روایات کی حفاظت کرو۔ یہ خوب سمجھ لو کہ آج جس سے تمہیں اور جزیرہ محمد ﷺ کو واسطہ ہے وہ تباہ کن ’صہیونی صلیبی‘ یلغار ہے۔ اس کا ہدف ہر وہ چیز ہے جس کا تعلق انسان کی فطرتِ سلیمہ سے اور ان پانچ ضروریات سے ہے جن کی حفاظت کے لیے دین اسلام آیا۔ قطر نے جزیرۂ عرب میں ورلڈ کپ کی میزبانی کر کے اور اس پر امت مسلمہ کے وسائل کو ناقابل یقین حد تک لٹا کر امت مسلمہ کے جسم میں صلیبی پنجے کو مضبوطی سے گاڑ دیا ہے۔ اس سرزمین پر صلیبیوں کے لیے خیانت کے مراکز تعمیر کیے ہیں۔ مسلمانوں کے اخلاق تباہ کرنے کے لیے نرسریاں بنائی ہیں۔ صلیبیوں کے سامنے مسلم نسلوں کے عقائد، افکار اور تہذیب پر حملہ کرنے کے لیے دروازے کھول دیے ہیں۔ اسلامی شخصیت مسخ کر کے اور اس کی دینی شناخت ختم کر کے ایسی ذہنیت تشکیل دینے میں مدد کی ہے جس کا دینِ اسلام نا صرف انکار کرتا ہے بلکہ اس کے خلاف لڑتا ہے۔ اس طرح قطر معاصر صلیبی حملوں میں صلیبیوں، ملحدوں اور ہم جنس

پرستوں کی حمایت کرکے اس ارتداد کو مستحکم کر رہا ہے جسے حضرت ابو بکر صدیق ؓ جزیرۂ عرب سے ختم کر چکے تھے۔ قطر اسلام کو اپنے ہی جائے نزول اور قلعے سے ملیامیٹ کر رہا ہے اور مسلمانوں کے دلوں پر اسلام کی گرفت کو کمزور کر رہا ہے۔

لیکن در حقیقت سب سے افسوس ناک بات یہ ہے کہ دفاعِ اسلام کی صفِ اول سے بہت سے وہ لوگ بھاگ چکے ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ پیٹھ نہ پھیریں گے...... اور اللہ سے کیے گئے عہد وپیمان کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔ وہ علماء اور داعی کہاں ہیں جو دفاعی صفوں میں کھڑے نظر آتے تھے؟ قطر میں منعقد فسق وفجور کی محفلیں اور گناہوں کی رونقیں آج ان سے چند فرلانگ پر ہیں، کیا وہ وقت نہیں آپہنچا کہ یہ حضرات ذلت آمیز خاموشی سے اپنے آپ کو آزاد کریں اور امت مسلمہ کو اس خطرناک سانحے کے بارے میں خبردار کریں؟ جب انہیں نظر آرہا ہے کہ فحاشی اور اباحیت کی تند و تیز موجیں جزیرۂ محمد کے اہل اسلام کو طوفانی سمندر میں ڈبونے لگی ہیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ اللہ کا تقویٰ اختیار کریں، صدائے حق بلند کریں اور اللہ، اس کی کتاب، اس کے رسول، حکمرانوں اور مسلم عوام کے ساتھ خیر خواہی برتیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ ذلت و عار کے علم بردار قطری چینل "الجزیرہ" پر گرفت کریں جو اپنے صحافیانہ دائرے سے نکل کر فسق وفجور اور فحاشی کے چینلوں سے جاملا ہے۔ اب وہ فحاشی، اباحیت، رقص و عریانی کے بارے میں اغیار کی اقدار کا پرچار کر رہا ہے۔ جبکہ معاملہ اتنا گمبھیر اور اس قدر حاوی ہو چکا ہے تو اہل علم و دعوت کو چاہیے کہ وہ کم از کم دنیا بھر سے آنے والے لوگوں کو دین حق کی دعوت دیں۔ اہل اباحیت اور ہم جنس پرستوں پر انسانی فطرت کے محاسن واضح کریں۔ جزیرہ عرب پر اس یلغار کو دعوت الٰہی کا ایک ذریعہ بنائیں۔ تاکہ اس بلائے عظیم اور فساد عمیم کی شدت میں کچھ کمی آئے جو جزیرۂ محمد ﷺ پر آن پڑا ہے۔ حالانکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ امت کے اہل علم و عوام پر جو واجب فرض ہو چکا ہے اور جسے ادا کرنے کے لیے انہیں کھڑے ہو جانا چاہیے وہ اعلیٰ و ارفع "فریضۂ جہاد" ہے۔

اے امت محمد ﷺ!

جان لو کہ تم پر آج فرض جہاد عائد ہو چکا ہے۔ رونا دھونا اور شکایتیں کرنا سر پر منڈلاتے ہوئے خطرے کو روکنے کے لیے کارگر نہیں۔ تم میں سے جو ہاتھ سے ان کے خلاف جہاد کر سکتا ہے تو ہاتھ سے کرے، ہاتھ سے نہ کر سکے تو زبان سے کرے اور زبان سے بھی نہ کر سکے تو دل سے کرے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ دل سے ان کے خلاف جہاد کرنے کے لیے یہ لازم ہے کہ ان تمام رسومات سے بغض رکھے، چاہے وہ رذیل 'تفریحی موسم' ہوں جن کا نشانہ سرزمین حرمین پر بسنے والے مسلمانوں کے اخلاق ہیں یا شرکیہ مندروں اور صلیبی گرجاگھروں کی افتتاحی تقریبات، یا کفریہ تہواروں کی محفلیں ہوں جن کا نشانہ امارات اور بحرین میں رہنے والے مسلمانوں کے عقائد ہیں، یا قطر میں ہونے والے ورلڈ کپ ۲۰۲۲ کے کھیل تماشے ہوں جو اپنی حقیقت اور انجام کے اعتبار سے ان سب سے زیادہ خطرناک ہیں۔ کیونکہ اس کا نشانہ اہل ایمان کے اخلاق، عقائد، اذہان، عزت و آبرو اور مال و دولت سب کچھ ہے۔ آپ پر لازم ہے کہ آپ اس کا بائیکاٹ کریں۔ لوگوں کو اس کے شر سے خبردار کریں۔ اس کے انجام بد اور جزیرۂ عرب میں آنے والی نسلوں پر اس کے برے اثرات کے بارے میں آگاہی پھیلائیں۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں، جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو کہ وہ فرزندان اسلام کو بربادی وتباہی کی طرف لے جائے۔

آخر میں ہم اللہ رب العزت سے گڑگڑا کر سوال کرتے ہیں کہ وہ غلبۂ کفار سے مسلم ممالک اور عوام کو بچائے۔ کافروں کو جزیرۂ عرب سمیت تمام اسلامی ممالک سے نکال باہر کرے۔ یا اللہ! ہم اس اندوہناک مصیبت پر راضی نہیں ہیں۔ ہم اس سے برأت کا اظہار کرتے ہیں اور ہمارے دل اس پر غمگین ہیں۔

یا اللہ! کیا ہم نے خبردار کر دیا؟ یا اللہ تو گواہ رہنا!

یا اللہ! کیا ہم نے خبردار کر دیا؟ یا اللہ تو گواہ رہنا!

یا اللہ! کیا ہم نے خبردار کر دیا؟ یا اللہ تو گواہ رہنا!

وما علینا الا البلاغ

والحمد للہ رب العالمین

ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ

نومبر ۲۰۲۲ء

☆☆☆☆☆

اسلام باقی سب نظاموں سے یکسر مختلف ہے!

"اُن لوگوں کا طریق کار اسلامی نہیں ہے جو آج کل اسلامی ناموں سے کام کر رہے ہیں، کبھی وہ اسلامی جمہوریت کا نعرہ بلند کرتے ہیں، کبھی وہ اسلامی سوشلزم کا نام لیتے ہیں، کبھی وہ یہ کہتے ہیں کہ موجودہ اقتصادی نظام چند جزوی تبدیلیوں سے اسلامی نظام حیات بن سکتا ہے۔ یہ اور اس طرح کی دوسری کوششیں دراصل حق کو چھپانے اور جاہلیت کو گوارا کرنے کی کوششیں ہیں۔"

(سیّد قطب شہید رحمہ اللہ)

PR_112_AQS

تاریخ: 21 جمادی الاولی 1444ھ بمطابق 15 دسمبر 2022ء

القاعدہ برِّصغیر سے وابستہ رسمی اعلامی ادارے

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد

آج دنیا میں ایک استخباراتی و اعلامی جنگ جاری ہے۔ اہلِ اسلام کی مبنی بر حق ربانی دعوت کو مطعون کرنا، ان کے بارے میں جعلی پروپیگنڈے کرنا اور ان کی دعوت کے متعلق غلط نظریات پھیلانا، اسلام دشمن قوتوں کی دیرینہ سازش و کوشش ہے۔ ماضی میں القاعدہ برِّصغیر سے نسبت کرتے ہوئے بعض امریکی اتحادی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے ایسا ہی غلط پروپیگنڈہ کرنے کی کوشش کی ہے اور دشمن کی یہ سازش تاحال جاری ہے۔

اس سیاق میں اپنے شرعی منہج کی حفاظت کے لیے، القاعدہ برِّصغیر کے 'شعبۂ اعلام' کی 'ادارتی پالیسی' کے تحت وضاحت کی جاتی ہے کہ القاعدہ برِّصغیر کے اعلام (میڈیا) سے درج ذیل ادارے وابستہ ہیں:

- ادارہ السّحاب برِّصغیر (اردو، بنگلہ، عربی اور انگریزی)
- ادارہ حطین
- ادارہ نوائے غزوۂ ہند

درج بالا اداروں کے علاوہ اردو زبان میں کوئی بھی ادارہ 'القاعدہ برِّصغیر' کی نمائندگی نہیں کرتا۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالىٰ على نبينا الأمين، آمين!

ادارہ السّحاب، برِّصغیر
As-Sahab Media (The Subcontinent)

سقوطِ ڈھاکہ کا ذمہ دار کون؟

ابو انور الہندی

برادرِ محترم، ابو انور الہندی کا تعلق حاجی شریعت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی سرزمین بنگال سے ہے، جس کے مشرقی حصے کو بنگلہ دیش کے نام سے جانا جاتا ہے۔ برادر ابو انور نے یہ تحریر بنگلہ دیش ہی میں قلم بند کی ہے۔ (ادارہ)

تعارف

مشرقی بنگال کے وہ مسلمان جنہوں نے پاکستان کے خواب کو حقیقت بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا، کیا وجہ تھی کہ یہی مسلمان بعد ازاں اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیے اس ملک کے خلاف لڑے اور بالآخر بنگلہ دیش کی صورت اس سے علیحدہ ہو گئے؟! اس سوال کا کوئی سیدھا سادہ جواب نہیں ہے۔ مارچ ۱۹۷۱ء میں اپنی آزادی و خود مختاری کا اعلان کرنے سے محض ساڑھے پانچ سال قبل، مشرقی پاکستان (مشرقی بنگال) کے عوام کی بڑی اکثریت مسلمہ طور پر پاکستان کی حامی تھی۔ ۱۹۶۵ء میں بھارت کے خلاف جنگ میں ہزاروں بنگالی فوجیوں نے دادِ شجاعت دی اور کتنوں نے پاکستان کے تحفظ کی خاطر جانیں قربان کیں۔ اس کے باوجود ۱۹۷۱ء میں پاکستان ٹوٹ گیا، اور ایک نیا ملک بنگلہ دیش، دنیا کے نقشے پر ابھرا۔

سقوطِ ڈھاکہ کا ذمہ دار کون تھا؟ پاکستان، وہ ملک جو اسلام کے نام پر بنایا گیا، اس کے دو لخت ہونے کا ذمہ دار کون تھا؟

پاکستان میں اس سوال کا جواب ہے: ''شیخ مجیب الرحمٰن۔ مجیب ایک غدار تھا جس نے بھارت کی مدد سے پاکستان کو دولخت کر دیا۔'' یہی بات معروف ہے۔

بنگلہ دیش میں اس سوال کا جواب بالکل مختلف ہے: ''اے کا سنہ 'سقوطِ ڈھاکہ' کی یادگار نہیں، بلکہ یہ بنگلہ دیش کے وجود میں آنے کا سنگِ میل ہے۔ بنگالی مغربی پاکستانیوں اور ان کے ظلم کے خلاف لڑے اور ان سے نجات حاصل کی، اور مجیب الرحمٰن ان کا قائد اور رہنما تھا۔''

جبکہ بھارت میں جو معروف خبر ہے وہ یہ ہے کہ ''اے ء میں پاکستان اور بھارت کے مابین ایک جنگ ہوئی، جس میں بھارت جیت گیا اور پاکستان شکست کھا کر دو ٹکڑے ہوا۔''

یہ تمام بیانیے ایک دوسرے کی ضد ہیں اور فطرتاً یہ سب درست نہیں ہو سکتے۔ حقیقت کیا ہے؟...... ان تینوں بیانیوں میں حقیقت کے بعض پہلو موجود ہیں، مگر یہ تینوں ہی اصل حقیقت کے بنیادی اجزا سے محروم ہیں۔

پاکستان کے دونوں بازوؤں (مشرقی و مغربی پاکستان) میں بہت سے اختلافات پائے جاتے تھے: زبان، تہذیب و ثقافت، رنگ و نسل کے فرق، اس پر مستزاد ریاستی رضامندی سے پیدا ہوئے معاشی، معاشرتی اور انفراسٹرکچر و وسائل میں عدمِ مساوات ...... ان تمام اسباب و وجوہات نے ۱۹۷۱ء میں اپنا رنگ دکھایا۔ اس مضمون میں ہم کوشش کریں گے کہ اے کے افسوسناک واقعات اور ان میں ملوث و شامل مرکزی کرداروں اور بنیادی اسباب پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ وہ کون سے نام اور کیا اسباب تھے، جو ڈھاکہ کے سقوط کا سبب بنے؟

مبنی بر تعصب امتیازی سلوک

۱۹۷۱ء میں جو کچھ ہوا، اس کے وقوع پذیر ہونے کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب وہ متعصبانہ اور تحقیر آمیز رویہ تھا، جو مشرقی پاکستان کے مسلمانوں سے روا رکھا جاتا تھا۔ مشرقی بنگال کے مسلمان پاکستان کے لیے ایک ارمانوں سے بھرا دل رکھتے تھے۔ لیکن نئی ریاست کے وجود میں آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد وہ اس نئے نئے حاصل کردہ 'سونار پاکستان' کے سحر سے نکلنے لگے۔ پہلے پہل اس کی وجہ وہ قحط سالی کی صورتحال بنی، جس کا نئی ریاست کو سامنا تھا۔

۱۹۴۹ء تک پورے مشرقی بنگال میں چاول (جو عوام کی بنیادی و عمومی غذا تھی) کی قیمت میں تقریباً پانچ گنا اضافہ ہو چکا تھا، اور غذا کی قیمتوں میں کمی کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے[1]۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد ایک سال سے بھی کم عرصے میں مشرقی بنگال میں شدید غذائی بحران اور حکومت کی اس صورتحال کو سنبھالنے میں حد درجہ غفلت و نااہلی کا مظاہرہ کرنا وہ وجہ تھی جس کے سبب حکومت کے خلاف پہلا احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔

پاکستان کے دونوں بازوؤں کے درمیان بڑا واضح فرق تھا۔ دونوں کے درمیان تفاوت اور عدم مساوات کے تاریخی اسباب بھی تھے۔ ملک کے بائیں بازو کے پاس دائیں کی نسبت بہت بہتر شہری اور صنعتی انفراسٹرکچر اور برطانوی سامراجی دور کے تعلیم یافتہ افراد کا ایک بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ اس پر مستزاد، تقسیمِ ہند کے بعد ہزاروں کی تعداد میں تعلیم یافتہ اور صاحبِ ثروت مسلمان ہندوستان سے ہجرت کر کے مغربی پاکستان چلے گئے۔ جبکہ دوسری طرف مشرقی پاکستان (یعنی مشرقی بنگال) سے بے شمار ہندو اساتذہ، ڈاکٹروں، انجینئروں، تاجروں اور پیشہ ور

---

[1] 'State Against the Nation: The Decline of the Muslim League in Pre-Independence Bangladesh' از احمد کمال؛ 'Purbo Banglar Bhasha Andolon o Tatkalin Rajniti' (مشرقی بنگال میں تحریک زبان اور عصری سیاست) از بدرالدین عمر

افراد نے بھارت کی جانب انخلا کیا اور ان کے ساتھ بے تحاشا سرمایہ بھی بنگال سے نکل گیا۔یوں مشرقی بنگال کی قسمت میں شروع سے ہی ناموافق حالات لکھے ہوئے تھے، مگر ان مسائل کو متعصبانہ اور امتیازی رویّوں نے قصداً بڑھادیا۔

تقسیم کے بعد بالکل شروع میں ہی، ۱۹۴۸ء میں حکومتِ پاکستان نے مشرقی بنگال کو اس کی آمدن کے واحد ذریعہ، سیلز ٹیکس (sales tax) سے محروم کر دیا۔ مغربی پاکستان کی اشرافیہ نے سیلز ٹیکس کو صوبائی حکومت کے دائرۂ اختیار سے نکال کر مرکزی حکومت کو دے دیا۔اور سن ۱۹۵۸ء تک مرکزی حکومت نے قومی بجٹ میں سے تفویض کردہ رقم کا ۵۰ فیصد سے زیادہ حصّہ محض دارالحکومت کراچی پر صرف کر دیا تھا۔ جب کراچی کے پاس ایک بین الاقوامی ایئر پورٹ اور ایک سمندری بندرگاہ بھی موجود تھی، مشرقی بنگال کے پاس ان دونوں میں سے کچھ نہیں تھا۔ تقسیم سے قبل، مشرقی بنگال پوری دنیا میں پیدا ہونے والی پٹسن (jute) کی تقریباً اسّی فیصد پیداوار کا ذمہ دار تھا، پاکستان کا حصّہ بننے کے بعد بھی پاکستانی برآمدات کا بڑا حصّہ مشرقی بنگال کی اس پیداوار پر مشتمل تھا۔ باوجود اس کے کہ آمدن کا بڑا حصّہ پیدا کرنے میں مشرقی بنگال کا کردار تھا، مغربی پاکستان کی درآمدات مشرقی بنگال سے زیادہ تھیں۔

پھر ایوّب خان کے دور میں بنگالیوں کو ایک متحدہ پاکستان میں اپنا مستقبل مزید تاریک نظر آنے لگا۔ ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کے درمیان جبکہ پاکستان کے جی ڈی پی کی بڑھوتری کا تناسب چھ اعشاریہ سات (6.7%) فیصد تھا، افسوسناک طور پر مشرقی پاکستان میں یہ تناسب محض تین اعشاریہ چھ فیصد (3.6%) تھا[1]۔ بے تحاشا لٹریچر اور ریکارڈ موجود ہے جو مشرقی پاکستان سے روا رکھے جانے والی ناقابلِ یقین تفریق کا حال بیان کرتا ہے۔ وہ تفریق جو مغربی پاکستان کی حاکم اشرافیہ نے پیدا کی اور متحدہ پاکستان کے ۲۴ سالہ عرصے میں اسے پروان چڑھایا۔

زبان کا مسئلہ

پاکستان کے وجود میں آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد، مارچ ۱۹۴۸ء میں پاکستان کے اوّلین گورنر جنرل محمد علی جناح نے علی الاعلان اردو کو پاکستان کی واحد ریاستی زبان قرار دے دیا۔ بنگالی دانشور، سیاستدان اور طلبہ اس اعلان پر حیران و ششدر رہ گئے۔ یہ اعلان مشرقی پاکستان (مشرقی بنگالیوں) کے نزدیک پاکستان کی اکثریت کے جذبات کی بے وقعتی و بے قدری کا واضح اظہار تھا۔ ایک نمایاں بنگالی مسلمان سیاستدان ابو المنصور احمد، ......جو قبل از تقسیم بنگال میں کرشک پرجا پارٹی اور کانگریس سے وابستہ رہے اور بعد ازاں جناح کی مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرلی......نے جناح کے اردو کے بارے میں اس غلط موقف پر غصّہ ورنج کی ملی جلی کیفیت میں لکھا:

”ڈھاکہ میں قائدِ اعظم کی تقریر کے دوران جس دوسری بات نے مجھے غمزدہ کیا وہ بنگلہ زبان کے بارے میں ان کی رائے تھی۔ میں جناح کو پچیس سال سے جانتا ہوں۔ اس پورے دور میں، میں نے ان کی سیاسی مخالفت صرف پانچ سال کا عرصہ کی۔ بقیہ بیس سال میں ان کا حامی و مددگار بنا رہا۔ مجھے ان سے اس قدر حساس معاملے پر ایسے غیر ذمہ دارانہ بیان کی کبھی بھی توقع نہ تھی، وہ خود نہ بنگالی جانتے تھے اور نہ اردو......“۔(اے ایم احمد، امار دیکھا راجنیتیت پنچاس بچار)

جناح صاحب، ناظم الدین اور دیگر پاکستانی سیاستدانوں کی اردو کی حمایت میں دیے جانے والے بیانات نے مشرقی بنگال کے باسیوں کو یہ باور کرا دیا کہ اگرچہ وہ پاکستان کی کل آبادی کا اکثریتی حصّہ تھے، اس کے باوجود ملکی معاملات میں ان کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر تھا۔ انہیں محض سیاسی و معاشی اعتبار سے کنارے نہیں لگایا جاتا تھا، بلکہ تہذیبی و ثقافتی اعتبار سے بھی غیر بنگالی اقلیتوں کے مقابلے میں انہیں کمتر پاکستانی کا درجہ حاصل تھا۔

۲۱ فروری ۱۹۵۲ء کو ڈھاکہ یونیورسٹی میں بنگالیوں کی جانب سے بنگلہ زبان کو پاکستان کی ریاستی زبانوں میں شامل کرنے کے مطالبے پر پولیس نے بلا اشتعال وبلا تفریق مظاہرین پر فائر کھول دیا، جس سے پانچ بنگالی نوجوانوں کی موت واقع ہوگئی جن میں سے تین طلبہ تھے۔ اس سانحے کے بعد بنگالی عوام کی وہ تحریک جو جناح صاحب کی ۱۹۴۸ء کی تقریر کے ردعمل میں معمولی احتجاج کے طور پر شروع ہوئی تھی، یکایک ایک ہمہ گیر قومی تحریک میں تبدیل ہوگئی۔ بدر الدین عمر، ایک کمیونسٹ بنگالی لکھاری نے لکھا:

”۲۱ فروری کو پولیس کی فائرنگ نے بنگلہ زبان کی تحریک کو راتوں رات ایک عوامی تحریک میں بدل دیا ہے جو موجودہ حکومت کا تختہ الٹنا چاہتی ہے۔ عوام الناس پر حکومتِ پاکستان کا علاقائی کردار واضح طور پر آشکارا ہوا ہے اور انہیں اپنے لیے جدوجہد کرنے کی ضرورت کا احساس ہوا ہے، محض چند بنیادی علاقائی حقوق حاصل کرنے کی خاطر نہیں، بلکہ اپنے آپ کو ایک لسانی بنیاد پر متحد ہونے والی قوم کے طور پر منظم و مضبوط کرنے کی ضرورت کا بھی۔“[2]

۲۱ فروری کے ان واقعات نے مشرقی بنگال کی مجموعی سیاست کو بری طرح متاثر کیا اور ان واقعات کے بعد مشرقی بنگال میں بنگالی قومیت پرستی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ مگر ۱۹۶۰ء کی دہائی کے آغاز تک، پاکستان کی کرنسی، سٹیمپ یا دیگر کسی بھی قومی علامت و شعار میں کہیں بھی بنگالی کا استعمال نظر نہیں آتا تھا۔

[1] 'General Economic Conditions under the Raj' از سگاتا بوس

[2] The Emergence of Bangladesh: Vol 2, Rise of Bengali Nationalism از بدرالدین عمر

تحقیر و تذلیل

لوگوں کے درمیان تعلقات توڑنے اور دلوں میں فاصلے پیدا کرنے کا بہترین طریقہ تحقیر و تذلیل ہے۔ ۱۹۴۶ء میں قوتِ ایمان سے سرشار بنگالی مسلمانوں نے مسلمانانِ ہندوستان کے لیے ایک نئی سرزمین، پاکستان بنانے کے حق میں ووٹ دیا۔ مگر مغربی پاکستان کی فوجی و سیاسی قیادت اور ان کے بنگالی طرفداروں نے اسلامی بنگال کی وافر و زرخیز اسلامی ثقافتی میراث سے نابلد ہونے کے سبب، اپنی جہالت میں بنگالیوں کی اسلام سے وابستگی پر بھی سوال اٹھایا جس سے بنگالی مسلمان مزید برگشتہ ہو گئے۔ ایک ایسے دور میں جبکہ پہلے ہی اہلِ بنگال غذائی قلت، بے روزگاری اور لسانی تحریک جیسی مشکلات سے نبرد آزما تھے، اس میں غیر بنگالی حکام اور اشرافیہ کے پیشہ ور و کاروباری افراد کا کھردرا و بد اخلاق رویہ رِستے زخموں پر نمک پاشی کے مترادف تھا۔

غیر بنگالی مسلمانوں بالخصوص اردو، پنجابی، گجراتی اور سندھی زبان بولنے والوں کے اندر موجود تکبر اور بنگالیوں کے خلاف تعصب مشرقی و مغربی پاکستان کے مابین تنازعہ کا ایک بڑا سبب تھا...... مگر بدقسمتی سے پاکستان میں ۱۹۷۱ء کے واقعات کے بارے میں گفتگو کے دوران اس اہم اور بنیادی سبب سے ہمیشہ صرفِ نظر کیا جاتا ہے۔

مغربی پاکستانیوں کے اندر مشرقی بنگالیوں کے خلاف بہت زیادہ تعصب پایا جاتا تھا۔ ہر اس چیز جس میں 'بنگالی پن' کی جھلک ہوتی، اس کے لیے ان کی حقارت صاف اور واضح تھی۔ پھر اس کے ساتھ ان کی مشرقی بنگال کی مسلم ثقافت پر مستقل طعن و تشنیع اور نکتہ چینی نے لاکھوں تعلیم یافتہ بنگالیوں کو مغربی پاکستانیوں اور غیر بنگالیوں سے دور کر دیا۔ مشرقی بنگال کے مسلمانوں کا مذاق اڑانے کا سبب ان کے مبینہ 'ہندوانہ' طور طریقے، خوراکی رغذائی عادات اور زبان وغیرہ تھے۔

قدرت اللہ شہاب نامی ایک ریٹائرڈ غیر بنگالی سینئر بیوروکریٹ اور سفارت کار، مغربی پاکستان کی اشرافیہ (یعنی فوجی و سیاسی قیادت، پالیسی سازوں اور بیوروکریسی) کی مشرقی بنگال کے لیے غیر اخلاقی اور تفریق پر مبنی پالیسیوں سے ریاستِ پاکستان کو پہنچنے والے نقصان کو اجمالاً بیان کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

> "ایک روز میں نے کراچی میں فنانس منسٹر غلام محمد کے دفتر میں ایک میٹنگ میں شرکت کی۔ یہ میٹنگ کراچی میں حکومتی دفاتر اور رہائشی اپارٹمنٹس کے لیے سینٹری سامان خریدنے کے بارے میں تھی۔ وزیرِ تعلیم فضل الرحمٰن (بنگالی) نے ڈھاکہ کے لیے بھی سینٹری سامان کی خریداری کے لیے بجٹ تفویض کرنے کی درخواست کی۔ اس مطالبے پر کمرے میں ایک زور کا قہقہہ پڑا اور ایک صاحب مزاحاً کہنے لگے: 'بنگالی تو کیلے کے درختوں کے پیچھے فراغت حاصل کرتے ہیں، وہ کموڈ اور واش بیسن کا کیا کریں گے؟'۔"[1]

یہ اس وقت کی بات ہے جب لیاقت علی خان ملک کے وزیرِ اعظم تھے (۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۱ء)۔ شہاب کے بقول پاکستان کے وجود میں آنے کے کچھ ہی عرصے بعد، مغربی پاکستان نے اپنے لاشعور میں، 'بنگلہ دیش کی بنیاد ڈالنے' کا عمل شروع کر دیا تھا۔

عطاالرحمٰن خان (بنگالی)، جنہوں نے مشرقی پاکستان کے چیف منسٹر کے طور پر خدمات انجام دیں (۱۹۵۶ء تا ۱۹۵۸ء)، وہ مغربی پاکستان کی قیادت کے متکبرانہ رویّے اور مشرقی بنگال کی تعمیر و ترقی سے ان کی غیر دلچسپی اور عدم تعاون کا حال بیان کرتے ہیں۔ ان قائدین میں سے بعض نے تو برسرِ عام ان سے کہا کہ 'مشرقی پاکستانیوں کو ہمیشہ مغربی پاکستان کا شکر گزار رہنا چاہیے'۔

بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ مشرقی پاکستان کبھی بھی تصورِ پاکستان کا لازمی جزو نہیں رہا۔ ایک مغربی پاکستانی سیاستدان، جس نے مشرقی پاکستان میں گورنر کے فرائض سرانجام دیے، نے ایک دفعہ برسرِ عام یہ کہا کہ بنگالی مسلمان 'غیر مختون' اور 'تقریباً ہندو' ہیں[2]۔

مغربی پاکستان کا یہ مقتدر طبقہ اکثر بنگالیوں کے ایمان و اسلام پر سوال اٹھاتا رہتا تھا۔ مشہور پاکستانی صحافی انتھونی ماسکرناز اپنی کتاب 'The Rape of Bangladesh' میں لکھا:

> "بنگالی مسلمانوں کے ایمان و تقویٰ پر شک و شبہے کے بھی عجیب مظاہر تھے۔ ۱۹۵۲ء میں مشرقی پاکستان کے پنجابی گورنر، ملک فیروز خان نون نے ایک بار کہا کہ بنگالی محض 'آدھے مسلمان' ہیں اور ان پر الزام لگایا کہ وہ اپنی مرغیاں 'حلال' کرنے کی زحمت نہیں کرتے۔ اس بے عزتی کا محترم مولانا بھاشانی نے ان الفاظ میں جواب دیا: 'کیا اب یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ہم مسلمان ہیں، ہمیں اپنی لنگیاں اٹھا کر دکھانا ہوں گی؟'۔"[3]

کہیں مسلمانانِ بنگلہ دیش کو 'غیر مختون' کہہ کر ان پر طعن کی جاتی اور کہیں انہیں 'ختنے والے ہندو' کہہ کر مذاق اور تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا۔

اس پر مستزاد، بالکل ابتدا سے ہی مغربی پاکستان کے اصحابِ اقتدار نے ہر ممکن کوشش کی کہ بنگالیوں کو پاکستان میں کسی بھی سیاسی قوت کی حامل بڑی پوزیشن حاصل کرنے سے روکا

---

[1] شہاب نامہ از قدرت اللہ شہاب

[2] "The Role of Awami League in the Political Development of Pakistan" از ایم راشد الزماں

[3] 'The Rape of Bangladesh' از انتھونی ماسکرناز

جائے۔لیاقت علی خان کی حکومت نے فضل الحق، ایچ ایس سہروردی، مولانا بھاشانی اور ابوالہاشم جیسے بنگالی سیاستدانوں کو پاکستانی سیاست کے اہم دفاتر سے دور رکھنے کی کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی[1]۔

۱۹۷۱ء میں بھٹو اور فوجی جرنیلوں نے بھی یہی تاریخ دہرائی۔ مجیب نے ۱۹۷۰ء کے الیکشن جیت لیے اور اکثریتی ووٹوں کی بنیاد پر پاکستان کا وزیر اعظم منتخب ہوا۔ مگر مغربی پاکستان کی اشرافیہ کے لیے ایک بنگالی بطور وزیرِ اعظم کا تصور ہی ناممکن اور ناقابلِ قبول تھا۔ لہٰذا انہوں نے مشرقی پاکستان کو فوجی طاقت اور زور سے دبانے کا فیصلہ کر لیا۔ یوں ۲۴ سال تک مغربی پاکستان کے مقتدر طبقے نے بنگالیوں کو کمتر جان کر انہیں تحقیر و تذلیل کا نشانہ بنایا، ان کے دین و ایمان پر سوال اٹھائے، ان کا استحصال کیا، برآمدات سے ہونے والی آمدن اور بیرونی امداد میں سے انہیں ان کے جائز حصّے سے محروم کیا۔

جب ایک شخص ان اقتباسات اور یہ جس حقیقت کے عکاس ہیں، ان پر نظر ڈالتا ہے تو نہ چاہتے ہوئے بھی لامحالہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اس قسم کے زہریلے رویّوں کے بعد پاکستان کو ٹوٹنے سے بچانا تقریباً ناممکن تھا۔ کیونکہ کوئی بھی خوددار قوم، بلکہ کوئی خوددار مسلمان بھی ایسی ذلّت پر راضی نہیں ہو سکتا۔

بنگالی قومیت پرستی

مغربی پاکستانی قیادت کے ہاتھوں ہونے والی تذلیل و تحقیر اور تفریق پر مبنی رویّہ دیکھتے ہوئے، بنگالیوں نے اپنی بنگالی مسلم شناخت کے تصور کو مضبوط کرنے پر توجہ دی۔ مگر اپنے جوش میں انہوں نے بڑی بڑی غلطیاں کیں جنہوں نے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا جو آج تک ہمارا پیچھا نہیں چھوڑ رہیں۔

اپنے پاس موجود انتہائی زرخیز اسلامی ورثے پر نظر ڈالنے کے بجائے، مڈل کلاس کے سیکولر دانشوروں نے کلکتہ کی جانب دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ یہ بھول گئے کہ بنگال کو ایک متحد سیاسی یونٹ کے طور پر کھڑا کرنے کا سہرا ہندوستان کے مسلم دور کے سر ہے۔ بنگال کی مقامی زبان جو ایک طویل عرصے سے برہمنوں کی حاکمیت میں بے توجہی اور غفلت کا شکار تھی، اس کی نشو نما اور تہذیب و ترقی میں مسلمان سلاطین نے کردار ادا کیا۔

۵۰ء اور ۶۰ء کی دہائیوں میں، مشرقی پاکستان کے مڈل کلاس دانشوروں نے انیسویں صدی کا ہندو کلچر (جو کہ نام نہاد بنگالی نشاۃ ثانیہ کا ثمر تھا)، نئے کاغذ میں لپیٹ کر 'خالص سیکولر بنگالی تہذیب' کے نام پر پیش کر دیا۔ بنگالی قومیت پرستی کا یہ نو ایجاد شدہ تصور جنگل کی آگ کی طرح پھیلا۔ یہ بنگالیوں کی نفسیات سے میل کھاتا تھا۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ مغربی پاکستان میں ان کے بھائی ان کا مذاق اڑا رہے تھے، انہیں تضحیک و تذلیل کا نشانہ بناتے تھے، ان کے ساتھ تفریق پر مبنی رویہ رکھتے تھے اور انہیں ان کے جائز حقوق سے محروم کر رہے تھے......اس تصور و نظریے نے انہیں اپنی سیاسی شناخت اور اپنے ارادوں اور تمناؤں کے اظہار کا موقع دیا۔

آج بنگالی قومیت کا یہ تصور باؤلے پن کی حد تک سیکولر، اسلام مخالف اور انتہائی متعصبانہ رویوں پر مشتمل ہے۔ آج یہ نظریہ کیا روپ دھار چکا ہے، ۲۰۱۳ء میں شروع ہونے والی شاہ باغ کی ملحدانہ تحریک اس کی بہترین عکاس ہے۔ اور صرف تحریکِ شاہ باغ ہی نہیں، بلکہ بنگلہ دیش میں پیدا ہونے والے کئی بڑے مسائل اور فرقوں کی بنیاد میں یہی زہریلا تصور کار فرما ہے۔

تاہم ۵۰ء اور ۶۰ء کی دہائیوں میں اس نظریے کا جارحانہ حد تک سیکولر اور اسلام مخالف رخ عام آدمی پر واضح نہیں تھا۔ اگرچہ اس تصور کو بنانے سنوارنے اور پیش کرنے والے کئی قائدین کے نظریات اسی فکر کے حامل تھے۔ ایک عام مشرقی پاکستانی شخص کے لیے، بنگالی قومیت کا تصور اس وقت محض اپنی شناخت اور اپنی زمین پر اپنے فخر کا اظہار تھا۔ بنگالی مسلمانوں نے کبھی اسلام کے خلاف جنگ کی اور نہ ہی کسی 'اسلامی جمہوریہ' کے تصور کے خلاف۔ گلی محلّوں میں بسنے والے عام بنگالی نہ سیکولر تھے اور نہ اسلام مخالف۔ ہاں مگر مستقل تفریق اور تذلیل و تضحیک پر مبنی رویّوں کا سامنا کرتے کرتے ان کے جذبات مجروح تھے، اور بنگالی قومیت کا یہ تصور انہیں ایک روشندان کی مانند تھا جس سے تازہ ہوا کے جھونکے آتے اور گھٹتے ہوئے دم کو بحال کرتے۔ سادہ الفاظ میں کہیں تو یہ کہا جائے گا مسلمانانِ بنگال کی جائز اور حق بجانب رنجشوں اور شکایتوں اور شناخت کے بحران کے مسئلے کو سیکولر دانشوروں نے نہایت مہارت سے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا۔

پاکستان ایک مشترکہ دین کی بنیاد پر بنایا گیا تھا۔ اس کے دائیں اور بائیں بازو کے درمیان تقریباً ۲ ہزار کلومیٹر کا زمینی فاصلہ تھا۔ جس لمحے اس ملک کے دونوں بازوؤں میں بسنے والے لوگوں کے لیے آبادی کا رنگ و نسل اور ذات پات دین سے بڑھ کر اہم ہو گیا، اسی لمحے تصورِ پاکستان کی موت واقع ہو گئی تھی۔ بھارت نے اپنے اندر بسنے والے بنگالیوں اور پنجابیوں، تامل اور گجراتیوں، کنڑا اور مارواڑیوں اور دیگر تمام قوموں کے مابین موجود تہذیبی فرق اور فاصلے کو پاٹ لیا مگر پاکستان ایسا نہ کر سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی پاکستان کی اشرافیہ نے کبھی اس فاصلے کو دور کرنے کی کوشش کی، نہ انہیں ایسی کوئی ضرورت یا خواہش محسوس ہی ہوئی۔ المیہ یہ ہے کہ ہندو بھارت اپنے مشرکانہ دین اور ذات پات پر کھڑے اپنے معاشرتی نظام کے باوجود قوم میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا جبکہ پاکستان، جو اسلام کے نام پر بنایا گیا، ایسا نہ کر سکا۔

[1] "The Role of Awami League in the Political Development of Pakistan" از ایم راشد الزماں

مجیب الرحمٰن سے پہلے علیحدگی پسند رجحانات

پاکستان و بنگلہ دیش دونوں میں یہ عمومی خیال پایا جاتا ہے کہ مشرقی بنگال کو خود مختار و آزاد بنگلہ دیش کے روپ میں دیکھنے اور یہ تصور پیش کرنے والا پہلا شخص مجیب الرحمٰن تھا۔ حالانکہ یہ خیال انتہائی غلط ہے۔ مجیب سے پہلے بھی بہت سے نمایاں سیاستدان یہ رائے پیش کر چکے تھے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے مشرقی پاکستان میں بہت سے بنگالی مجیب کے ایک قومی لیڈر بننے سے بہت پہلے علیحدگی حاصل کرنے کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

مجیب کے ۱۹۶۶ء میں چھ نکاتی پروگرام اور مشرقی پاکستان کے لیے مزید خود مختاری کے مطالبے سے ایک لمبا عرصہ پہلے، ۱۹۴۹ء میں عوامی مسلم لیگ کے لیڈر عطاء الرحمن خان نے ڈھاکہ میں پاکستان کے دستور کا مسودہ تیار کرنے کے لیے منعقد کی گئی گرینڈ نیشنل کنونشن میں یہی مطالبہ کیا تھا۔ کنونشن میں اپنی تقریر کے دوران انہوں نے سامعین کے سامنے نیدرلینڈ کی مثال دہرائی کہ کیسے انیسویں صدی کے نصفِ اوّل میں بیلجیم کو خود مختاری دینے سے نیدرلینڈ کے انکار کا نتیجہ بیلجیم کی علیحدہ و آزاد مملکت کی صورت میں نکلا۔ وزیرِ اعظم لیاقت علی خان کے اس مفروضے...... کہ بنگالی ہندو تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں اور مشرقی بنگال مغربی پاکستان سے علیحدہ ہونا چاہتا ہے...... کے جواب میں عطاء الرحمن خان نے کہا:

> ”آپ بنگالیوں کو نہیں جانتے۔ یہ کسی کے رعب داب میں آنا پسند نہیں کرتے۔ بنگال نے کبھی بھی پوری طرح نہ پٹالی پترا (پٹنہ) کی چودھراہٹ قبول کی اور نہ دہلی کی۔ اس نے اپنی آزاد و خود مختار حیثیت صدیوں تک برقرار رکھی۔ آج بھی اگر آپ ہمیں علیحدہ ہونے پر مجبور کریں گے، تو ہم علیحدہ ہو جائیں گے۔ بنگال کو کسی کی غلامی پسند منظور نہیں۔“[1]

۳ اپریل ۱۹۵۴ء کو جگتا فرنٹ (متحدہ فرنٹ) نے مشرقی بنگال میں حکومت قائم کی، جس کے وزیرِ اعلیٰ فضل الحق تھے۔ مگر کراچی میں موجود مرکزی حکومت نے اس شکست کو خوش اسلوبی سے قبول نہیں کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ۲۳ مئی، ۱۹۵۴ء کو نشر ہونے والے، نیویارک ٹائمز کو دیے گئے انٹرویو میں فضل الحق نے انٹرویو لینے والے صحافی جان ڈی کالاہان سے کہا کہ مشرقی بنگال ’ایک آزاد ریاست بننا چاہتا ہے‘۔ ان پر یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے کالاہان سے کہا کہ:

> ”آزادی (کے لیے جدوجہد) وہ پہلا کام ہے جو میری وزارت کرے گی۔“

۳۰ مئی، ۱۹۵۴ء کو فضل الحق کی جانب سے امیریکن ڈیلی کی گزشتہ روز کی نشریات کی سخت و پُر زور تردید کے باوجود، پاکستان کے گورنر جنرل غلام محمد نے فضل الحق کی وزارت ختم کر دی اور مشرقی بنگال کو گورنر راج کے تحت لے آئے[2]۔

بائیں بازو کے چند سرگرم ارکان کے ساتھ مولانا بھاشانی نے مشرقی بنگال کو پاکستان سے علیحدہ کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ ان میں سے بعض پاکستان کے مشرقی بازو کو بھارت کے ساتھ ملحق کرنا چاہتے تھے، جبکہ دیگر کی خواہش مشرقی بنگال کو ایک خود مختار اور آزاد ریاست بنانا تھی، جو پاکستان و بھارت ہر دو کے تسلط سے آزاد ہو۔

۱۷ جون، ۱۹۵۵ء کو پلٹن میدان میں ایک عوامی میٹنگ میں مولانا عبد الحمید خان بھاشانی نے پہلی دفعہ علیحدگی کی یہ دھمکی دی۔ بھاشانی ایک مقبول لیڈر تھے جنہوں نے آسام میں مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے پاکستان بنانے کی طویل اور صبر آزما جدوجہد میں بہت مشکلات اور مصائب جھیلے تھے۔ ۱۹۵۷ء میں کاگماری، ٹانگیل میں منعقد ہونے والی مشہور کل پاکستان ثقافتی کانفرنس میں مولانا بھاشانی نے ایک بار پھر مغربی پاکستان کی قیادت کو تنبیہ کی کہ اگر مشرقی بنگال کا استحصال جاری رہا تو ممکن ہے کہ مشرقی پاکستان کی عوام ایک روز پاکستان کو الوداع کہنے پر مجبور ہو جائے۔ انہوں نے ’السلام علیکم مغربی پاکستان!‘ کہہ کر گویا ساً الوداع کہہ بھی دیا۔ وہ پہلے مشرقی بنگالی تھے جنہوں نے اپنے مغربی بازو سے علیحدہ ہونے کا مطالبہ کیا۔ انہیں غالباً اندازہ ہو چکا تھا کہ مشرقی بنگال میں پاکستان کا تصور مردہ ہو گیا ہے۔

(جاری ہے......)

(تحریر کا دوسرا حصہ، ان شاءاللہ جنوری ۲۰۲۳ء کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیے)

☆☆☆☆☆

---

[1] ’State Against the Nation: The Decline of the Muslim League in Pre-Independence Bangladesh‘ از احمد کمال

[2] The Emergence of Bangladesh: Vol 2, Rise of Bengali Nationalism از بدرالدین عمر

تحریر: استاد اسامہ محمود

دیکھنے کے دو زاویے اور دو انجام

[آخری قسط]

استاد اسامہ محمود نے یہ سلسلۂ مضامین 'اصحاب الاخدود' والی حدیث کو سامنے رکھ کر تحریر کیا ہے۔ (ادارہ)

ایمان افروز خاتمہ

بادشاہ اپنی ضد و تکبر پر اڑا رہا جبکہ نوجوان صبر و یقین کا پہاڑ بن کر اس کے سامنے حق کی دعوت پیش کرتا رہا، اسے ڈرانے دھمکانے اور راہِ حق سے اس کے قدم ڈگمگانے کے لیے وہ سب کچھ کیا گیا جو اس طاغوت کے بس میں تھا، راہب کو اس کے سامنے ہی آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کیا گیا لیکن نوجوان نہیں جھکا، اس کی دعوت پر ایمان لانے والا وزیر بھی شہید کیا گیا...... مگر یہ دیکھ کر بھی اس کی یکسوئی اور عزائم کی بلندی متاثر نہیں ہوئی، وہ جانتا تھا کہ اس سفر میں ایسی آزمائشیں نشانِ راہ ہوا کرتی ہیں اور اللہ کی خاطر کھڑے ہونے والے ان سے گھبرایا نہیں کرتے بلکہ ان مصائب میں صبر و استقامت کا نمونہ بن کر ڈٹنے اور جمنے کو ہی اللہ کی قربت کا ذریعہ سمجھتے ہیں...... پھر اس کے قتل کرنے کے فرامین جاری ہوئے اور ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ اس کو جان سے مارنے کے لیے لے جایا بھی گیا، مگر ہر دفعہ مارنے والے خود مر جاتے جبکہ وہ اللہ کی نصرت سے زندہ سلامت بادشاہ کے دربار میں واپس پہنچ جاتا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کو اس کی ذلت و ضلالت کا احساس دلاتا، بادشاہ یہ سب دیکھ کر بھی نرم نہیں پڑا، وہ کسی بھی قیمت پر اس کو قتل کرنا چاہتا تھا مگر عملاً ایسا کرنا اس کے بس میں نہیں تھا، اس لیے کہ بادشاہ کے ارادے اور نوجوان کے بیچ نوجوان کی دعا حائل تھی اور ہر بار وہ بچ جاتا تھا، بالآخر یہ منفرد واقعہ ان ایمان افروز مناظر پر منتج ہوتا ہے:

”لڑکے نے بادشاہ سے کہا: تو مجھے قتل نہیں کر سکتا جب تک کہ تو وہ نہ کرے جس کا میں تجھے حکم دوں۔ بادشاہ نے کہا وہ کیا؟ لڑکے نے جواب دیا: سب لوگوں کو ایک میدان میں اکٹھا کرو اور مجھے سولی کے تختے پر لٹاؤ۔ پھر میرے ترکش سے ایک تیر نکالو، اس تیر کو کمان کے حلقے میں رکھو اور پھر کہو 'بِاسْمِ اللّٰہِ رَبِّ الْغُلَامِ' اس اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے، پھر مجھے تیر مارو۔ اگر تم اس طرح کرو گے تو (تب ہی) مجھے قتل کر سکتے ہو......(بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور لڑکا قتل ہو گیا اور جیسے ہی لڑکا شہید ہوا) سب لوگوں نے کہا: 'آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ' ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے......

بادشاہ کو کہا گیا کہ تجھے جس بات کا ڈر تھا اب وہی کچھ ہو گیا (اور وہ یہ) کہ لوگ ایمان لے آئے۔ پھر بادشاہ نے گلیوں کے دہانوں پر خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندقیں کھودی گئیں اور ان خندقوں میں آگ جلا دی گئی۔ بادشاہ نے کہا جو آدمی ہمارے دین میں واپس نہیں لوٹے گا اسے آگ بھری اس خندق میں ڈال دیا جائے گا۔ لوگوں کو خندق میں ڈالا جانے لگا...... یہاں تک کہ ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا وہ عورت خندق میں گرنے سے گھبرائی تو اس بچے نے اپنی ماں سے کہا: اے میری ماں! صبر کر کیونکہ تو حق پر ہے۔“

یہ مناظر بعض اہم امور کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور آج اس سلسلے کا آخری حلقہ ہے اور اس میں ان امور پر ان شاءاللہ بات ہو گی۔

حق کی مخالفت کیوں کی جاتی ہے؟

کیا وجہ ہے کہ اللہ کی غیر معمولی اور محیر العقول نشانیاں دیکھ کر بھی بادشاہ حق قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوا اور آخر تک وہ حق کے خلاف ہی کھڑا رہا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ قبولِ حق کے لیے سر کی آنکھوں سے زیادہ دل کا بینا ہونا ضروری ہوتا ہے اور چونکہ وہ دل کا اندھا تھا اس لیے حق قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوا، یہی ہر دور میں حق کے مقابل کھڑے ہونے والے فراعنہ کی دشمنی کا اہم سبب ہوا کرتا ہے...... اللہ رب العزت کا فرمان ہے ﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾(سورۃ الحج:۴۶)......”حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں“۔ اور یہ دل اندھے کیوں ہو جاتے ہیں؟ وہ کیا وجہ ہے کہ جس کے سبب حق سنا اور دیکھا تو جاتا ہے، بلکہ پہچانا بھی جاتا ہے مگر قبول نہیں کیا جاتا؟ اس کی وجہ ضد اور تعصب ہے، خواشِ نفس کی غلامی اور شہوات کی پرستش ہے، دنیا کے مال و متاع اور جاہ و منصب کی حرص اس کا باعث ہے اور جب یہ زنگ دل کو لگنے دیا جاتا ہے تو پھر چشمِ سر سے تو نظر آتا ہے کہ کیا حق ہے اور کیا باطل ہے مگر باوجود اس کے چار دن کے ان عارضی کھلونوں کی خاطر دائمی عذاب کا سودا کیا جاتا ہے۔ ایسے میں یہ سوال کہ کل کیا ہونا ہے اور موت کے بعد اس کا کیا انجام ہو گا، اس کی پرواہ نہیں ہوتی بلکہ دنیا کی حرص و لالچ دل کو حق کے معاملے میں بالکل بے حس کر دیتی ہے۔ پھر باوجود یہ کہ ایسا کرنے والا اپنے آپ کو بڑا دانا سمجھتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ دنیا کے غلام بھی ایسے 'کامیاب' شخص کو اپنے لیے نمونہ عمل سمجھتے ہوں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ 'عقل مند' بے عقلی اور جہالت کی اُس آخری سطح پر گر چکا ہوتا ہے کہ حیوان بھی جس سے پناہ مانگتے ہیں۔

نجران کے پادری ابوحارثہ کا واقعہ مشہور ہے جو آپ ﷺ کی مخالفت میں پیش پیش تھا۔ جب وہاں رسول اللہ ﷺ کا مبارک خط پہنچا اور آپ ﷺ کی رسالت نجران میں موضوع بحث بن گئی تو یہ اور اس کا چچازاد بھائی کرز بن علقمہ بھی خچروں پر سوار اسی موضوع پر گفتگو کر رہے

تھے۔ ابو حارثہ کی سواری کو ٹھوکر لگی اور وہ سواری سے گر گیا۔ اس کے بھائی کرز کی زبان سے رسول اللہ ﷺ کے متعلق بد دعا نکلی، ابو حارثہ نے فوراً منع کیا، کہا، خبر دار محمد (ﷺ) کو بد دعا نہیں دینا، اللہ کی قسم آپ ﷺ وہی پیغمبر ہیں جن کا ذکر تورات اور انجیل میں آیا ہے، بھائی نے کہا اگر ایسا ہے تو پھر آپ ایمان کیوں نہیں لاتے ہیں؟ پادری نے کہا اگر میں ان پر ایمان لے آیا تو ہرقل (روم کے بادشاہ) کی طرف سے جو عزت و دولت ملتی ہے وہ پھر کہاں سے ملے گی؟ بھائی کا ضمیر ابھی زندہ تھا، دنیا کی محبت نے اس کی روح کو نہیں کھایا تھا، لہٰذا یہ سنتے ہی اس نے اپنی سواری مدینہ کی طرف موڑدی اور اسے بھگاتے ہوئے کہا کہ اللہ کی قسم! اب میں مدینہ پہنچ کر ہی رکوں گا، اس نے جاکر اسلام کی دولت سے اپنا دامن بھر لیا اور صحابہ کرام میں شامل ہو کر شہادت کی موت پالی جبکہ ابو حارثہ اپنے کفر پر ہی اڑا رہا۔

اسلام قوت چاہتا ہے!

ایک دوسرا نقطہ بھی یہاں واضح ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اعدائے دین کی دین دشمنی کا سبب صرف یہ نہیں ہے کہ وہ حق جانتے نہیں ہیں اور اگر انہیں صحیح طرح حق اور باطل کے بیچ فرق دکھایا جائے تو وہ خود ہی سر تسلیم خم کر کے حق کا راستہ چھوڑ دیں گے۔ نہیں! اکثر و بیشتر حق کی دشمنی کا اہم سبب آخرت کی زندگی پر دنیا کو ترجیح دینا ہوتا ہے اور ایسے میں دعوتِ حق کے ساتھ ساتھ ضروری ہوتا ہے کہ قوت و طاقت کے ذریعے حق کے راستے سے ایسے دشمنان دین کی رکاوٹیں ہٹائی جائیں۔ اگر اللہ کے دین کو غالب کرنا اور انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی رحمت میں داخل کرنا ہمارا ہدف ہے تو ہمارے سامنے واضح ہونا چاہیے کہ اس کا راستہ صرف شبہات دور کرنا نہیں ہے، شبہات کا علاج بذاتِ خود اہم ہے اور اس کا ذریعہ کتاب ہے، علم ہے، دعوت و تبلیغ اور علمی بحث و مباحثہ ہے مگر محض ان ذرائع سے حق کبھی غالب نہیں ہوا ہے۔ حق کے مقابل جو طاقتیں کھڑی ہو جاتی ہیں ان کے ظلم و فساد کا سبب معلومات کی کمی نہیں ہوا کرتا، بلکہ اس کا باعث ان کا شہوات کا اسیر ہونا ہوتا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ اگر اس حق کو قبول کیا گیا تو ہماری شیطانی آزادی اور ظالمانہ سرداریاں کیسے ساتھ ساتھ چلیں گی؟ اگر اسلام رائج ہو گا، گندی تہذیب ختم ہو گئی اور اسلام کی عفت و حیا اور عدل، سادگی اور قناعت والا نظام قائم ہوا تو پھر ظلم واستحصال پر قائم یہ سرمایہ دارانہ نظام کیسے چلے گا؟ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ایسے دل کے اندھوں اور انسانیت کو حق سے محروم کرنے والے طواغیت کے علاج کے لیے محض کتاب نہیں بھیجی ہے، بلکہ اس کے ساتھ تلوار بھی بھیجی ہے اور یہ جہاد ان طواغیت کے خلاف اُس وقت تک فرض کیا گیا ہے جب تک یہ مغلوب اور اللہ کا دین غالب نہ ہو جائے۔ اسلام قوت چاہتا ہے اور بغیر قوت کے چونکہ توحید کا اظہار نہیں ہوتا، اس کے بغیر منکر کا ازالہ ناممکن ہے، جابروں اور ظالموں کا شر قوت استعمال کیے بغیر دور نہیں کیا جاسکتا، اس لیے دین حق پر کماحقہٗ عمل بھی نہیں ہو سکتا اور جس مقصد کے لیے یہ دین متین اللہ نے بھیجا ہے، وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا، اور وہ مقصد یہ ہے کہ انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، سب اللہ کی بندگی و غلامی سے عبارت ہو جائے اور ایسا ہونا صرف تب ہی ممکن ہے جب حق کے پاس قوت ہو۔ اقبال رحمہ اللہ نے اس حقیقت کو اچھے پیرایہ میں بیان کیا ہے، کہتے ہیں:

وہ نبوت ہے مسلماں کے لیے برگِ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

غصہ، جذبۂ انتقام اور جہاد

یہاں ایک پہلو یہ بھی مد نظر رہے کہ بادشاہ کو غصے اور انتقام کی آگ نے بالکل اندھا کر دیا تھا اور اس کیفیت میں اس نے وہ سب کچھ کیا جس کے ذریعے وہ سینے میں لگی آگ کو ٹھنڈا کر سکتا تھا، یہاں تک کہ نوجوان ہی کی تجویز پر بھی اس نے من و عن عمل کیا اور نتیجے میں دیکھنے والے سب لوگ مسلمان ہو گئے حالانکہ اسی سے وہ بچنا چاہتا تھا۔ انتقام اور غصہ دونوں انسان کی فطرت میں ہیں مگر انہیں عقل کے تابع رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ عقل یہ ہے کہ غصہ کرنے اور انتقام لینے سے پہلے دیکھا جائے کہ کون سا عمل مفید ہے اور کون سا نقصان دہ، کون سا قدم اٹھانے سے ہمارے جہاد اور دعوت کو تقویت ملے گی اور کس سے الٹا نقصان ہو گا، اس کے بجائے اگر نتائج کی پرواہ کیے بغیر بس انتقام کی آگ ٹھنڈی کرنا ہی ہمارا مقصد بن جائے تو اس سے کسی درجے میں وقتی خوشی تو مل جائے گی مگر اس کے بعد نقصان سارا ہم ہی کو اٹھانا ہو گا اور یہ نقصان انفرادی طور پر دنیا و آخرت کا نقصان ہو گا اور اجتماعی طور پر—چونکہ اس سے دین دشمن فائدہ اٹھائیں گے اس لیے—ہماری دعوت و تحریک ہی کو اس کی بڑی قیمت ادا کرنی ہو گی۔ کسی نے صحیح کہا ہے کہ جب غصے کی آندھی چلتی ہے تو عقل کا چراغ بجھ جاتا ہے۔ طواغیت کی خواہش ہوتی ہے کہ مجاہدین غصے اور انتقام میں ایسے اقدامات اٹھائیں جو الٹا دین دشمنوں ہی کے ایجنڈے کو تقویت دیں اور جن کے بعد یہ طواغیت مجاہدین کے مبنی بر عدل پیغام کو ظلم و فساد دکھا سکیں۔ اللہ کے دشمنوں کے خلاف ہمیں اپنا غصہ ضرور نکالنا چاہیے اور یہی غصہ نکالنے کی اصل جگہ ہے، انتقام بھی لازماً لینا چاہیے کہ جہاد کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد مومنین کے سینوں کی وہ آگ ٹھنڈی کرنا بھی ہے جو دشمنان دین کے ظلم و فساد کے باعث اہل ایمان کے دلوں میں لگی ہوتی ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (سورۃ التوبۃ: ۱۵،۱۴) ”ان سے جنگ کرو تاکہ اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے، انھیں رسوا کرے، ان کے خلاف تمہاری مدد کرے، اور مومنوں کے دل ٹھنڈے کر دے۔ اور ان کے دل کی کڑھن دور کر دے، اور جس کی چاہے توبہ قبول کر لے اور اللہ کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل“۔ مگر لازم ہے کہ اس کے لیے منصوبہ سازی اور اس پر عمل درآمد عقل و شریعت کے تابع ہو۔ پہلے شرعی لحاظ سے جائز و ناجائز دیکھنا ضروری ہے، پھر مفید و غیر مفید کے پیمانے پر اپنا قول و عمل جانچنا لازم ہے، اس کے

بعد جاکر جب انتقام لیاجائے گا تو ہی دعوت و تحریک کو تقویت ملے گی اور اہم تر یہ کہ ایسے اقدامات سے ہی اللہ کی رضا اور اس کی نصرت نصیب ہوگی اور یہی طواغیت کے نقصان کا سبب بنے گا۔

اسلام کی بڑی کرامت

یہاں شیخ ابو قتادہ حفظہ اللہ نے چند ایک اچھے نقاط کی طرف توجہ دلائی ہے اور وہ یہ کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام کو ماضی میں جو عروج ملا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے جزیرۂ عرب میں جو اسلام غالب ہوا، تو یہ خارق عادت انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں کے سبب ہوا اور اب چونکہ معجزوں اور کرامات کا دور نہیں، اس لیے اسلام کا غلبہ اب ناممکن ہے۔ شیخ کہتے ہیں کہ ایسا کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو نظر انداز کرنا ہے اور دورِ حاضر کے موجود حقائق کی طرف سے بھی آنکھیں بند کرنا ہے، نیز ایسا کہنے کا مقصد اہل ایمان کو مایوس کرنا ہے تاکہ وہ اہل اسلام کی مغلوبیت کو ایک حقیقت کے طور پر قبول کریں اور اس حالت سے نکلنے کے نہ خواب دیکھیں اور نہ ہی اس کے لیے کوئی عملی جدوجہد کریں۔ سرورِ کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رب العزت نے کئی معجزات عطا کیے اور یہ معجزات اہل ایمان کے لیے دلوں کے اطمینان میں اضافے کا باعث بنے جبکہ حق کا انکار کرنے والوں کے لیے اتمام حجت ثابت ہوئے، مگر حقیقت یہ ہے کہ کائنات میں اللہ کی نشانیاں بے شمار ہیں، یہ نشانیاں اللہ کی قدرت و حکمت اور اسلام کی سچائی پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کی اکثریت یہ نشانیاں دیکھ کر مسلمان ہوئی۔ شیخ فرماتے ہیں کہ سچ یہ ہے کہ جو کائنات میں تکوینی اصولوں کی صورت میں موجود اللہ کی ان نشانیوں سے اثر نہیں لیتا، اس کے لیے اگر یہ اصول تبدیل ہو جائیں اور کوئی خارق عادت نشانی اس کے سامنے آجائے تب بھی وہ حق قبول نہیں کرے گا اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس نے اپنی خواہش کو ہی معبود بنایا ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾۔ (سورۃ الانعام: ۳۷)...... ”یہ لوگ کہتے ہیں کہ (اگر یہ نبی ہیں تو) ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟ تم (ان سے) کہو کہ اللہ بیشک اس بات پر قادر ہے کہ کوئی نشانی نازل کردے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ (اس کا انجام) نہیں جانتے۔“۔ اسی طرح اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ یہ جو زمین میں زندگی ہے یہ اعظم الآیات ہے اگر کوئی سوچے اور تدبر اور تفکر سے کام لے ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ﴾ (سورۃ الانعام: ۳۸)...... ”اور زمین میں جتنے جانور چلتے ہیں، اور جتنے پرندے اپنے پروں سے اڑتے ہیں، وہ سب مخلوقات کی تم جیسی ہی اصناف ہیں۔ ہم نے کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ پھر ان سب کو جمع کرکے ان کے پروردگار کی طرف لے جایا جائے گا۔“۔ اور پھر آگے سورۃ الشعراء میں فرماتے ہیں، ﴿طٰسٓمّٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ (آیات: ۱ تا ۶)...... ”طسم۔ یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں جو حق کو واضح کرنے والی ہے۔ (اے پیغمبر) شاید تم اس غم میں اپنی جان ہلاک کیے جارہے ہو کہ یہ لوگ ایمان (کیوں) نہیں لاتے۔ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی اتار دیں کہ اس کے آگے ان کی گردنیں جھک کر رہ جائیں۔ (ان کا حال تو یہ ہے کہ) ان کے پاس خدائے رحمن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے، یہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اس طرح انھوں نے حق کو جھٹلا دیا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ جن باتوں کا مذاق اڑاتے رہے ہیں، اب عنقریب ان کے ٹھیک ٹھیک حقائق ان کے سامنے آجائیں گے۔“

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ کرامات کا دور گزر نہیں گیا ہے، اللہ کی نصرتیں خارق عادت انداز میں آج بھی جاری و ساری ہیں مگر کوئی ہو جو ان نشانیوں پر غور کرے اور ان سے سبق لے۔ خود اس دین متین کا اپنی صحیح صورت میں موجود ہونا اور ہر دور میں اہل حق کا اس دین کا پیغام لے کر کھڑے رہنا اور اس کی خاطر قربانیاں دینا کیا کوئی کم کرامت ہے؟ دین اسلام کو مٹانے کے لیے جو سازشیں ہوئی ہیں اور آج ہو رہی ہیں اور شہوات و شبہات کے سمندر میں اہل ایمان کو غرق کرنے کے لیے جو ہمہ جہت اور انتہائی خطرناک حملے جاری ہیں، ایسے حملے اگر کسی اور دین کے خلاف ہوتے تو وہ کب کا ختم ہو چکا ہوتا، مگر چونکہ اسلام کی حفاظت کا اللہ نے وعدہ کیا ہے اور اس امت کی خوبی ہی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان کی ہے کہ یہ گمراہی پر کبھی متفق نہیں ہوگی، اس لیے کفار کی تمام تر سازشوں، منصوبوں اور حملوں کے باوجود یہ دین اپنی صحیح شکل میں نہ صرف موجود ہے، بلکہ اس میں قلوب و اذہان کو فتح کرنے کی قوت جس طرح ماضی میں موجود تھی آج بھی اس میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ عیسائیت اور یہودیت کا تقابل اس کے ساتھ کیجیے، ان ادیان میں ان کے آغاز ہی میں تحریف ہوگئی اور ابھی سو سال بھی نہیں گزرے تھے کہ اصل دین کہیں نہیں رہا، مگر سبحان اللہ اسلام کی یہ زندہ کرامت ہے کہ ہر دور میں ایسے افراد روئے زمین پر موجود رہے ہیں جو اس کو آلائشوں سے پاک اور تروتازہ اپنی اصلی حالت میں محفوظ رکھیں۔ پھر اس دین کی حفاظت و غلبے کے لیے لڑنے والے مجاہدین کو دیکھیے کہ ان کی موجودگی کی پیشین گوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے کی تھی اور آج چشم سر سے دیکھا جاسکتا ہے کہ پوری دنیا نے انہیں ختم کرنے کے لیے اپنی تمام تر طاقت اور وسائل لگائے مگر کیا یہ مجاہدین ختم ہوئے، کیا جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت اور اس کے لڑنے والے قافلے ماضی کا قصہ بن گئے، نہیں یہ قافلے آج بھی جاری و ساری ہیں اور آئے روز ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ سب اللہ کی نشانیاں ہیں، پھر ان جہادی لشکروں کے ساتھ اللہ کی مدد و نصرت کی کہانیاں اگر کوئی جمع کرے تو کتابوں کی کتابیں تو تیار ہوں گی مگر یہ کہانیاں ختم نہیں ہوں گی۔ اہل ایمان کے ساتھ بالعموم اور اہل جہاد کے ساتھ بالخصوص اللہ کی نصرتوں کی داستانیں بہت زیادہ ہیں، جہادِ

افغانستان، پاکستان اور جہادِ ہند سے لے کر شام و فلسطین، جزیرۂ عرب، صومالیہ اور مالی جہاں بھی جہاد ہو رہا ہے، ہر جگہ اللہ کی نصرتوں اور خارق عادت کرامات کی نہ ختم ہونے والی داستانیں ہیں۔ پھر امارت اسلامی کو دنیا کے طاقت ور ترین ممالک کے مقابل اللہ نے جو فتح عطا کی ہے یہ عصر حاضر میں اللہ کی ایسی عظیم الشان نشانی ہے کہ جس کو صاف دل کے ساتھ اگر کوئی بڑے سے بڑا کافر بھی دیکھے تو وہ مسلمان ہو جائے گا۔ یہ سب اس زندہ دین کی زندہ کرامتیں ہیں اور یہ بتاتا ہے کہ یہی انسانیت کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا سچا اور تا قیامت رہنے والا دین ہے۔

دعوت جو لہو سے دی جائے!

نوجوان کو نظر آیا کہ بادشاہ اس کو بہر صورت قتل کرنا چاہتا ہے مگر اس نے نہ فرار کی راہ اپنائی اور نہ ہی بادشاہ کے سامنے رحم کی اپیلیں شروع کیں، اس نے ارادہ کیا کہ اپنی موت کو حق کی گواہی اور اس کی طرف دعوت کے لیے استعمال کرے، یوں اس نے خود ہی ایسا طریقہ بادشاہ کو بتایا کہ جس کو استعمال کر کے وہ شہید تو ہوا مگر اس کی شہادت سے ہدایت و جرأت لوگوں کو نصیب ہوئی اور سب نے نوجوان کے رب پر ایمان کا اعلان کر دیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ ادنیٰ چیز ہی اعلیٰ پر قربان کی جاتی ہے، دنیا کی زندگی بہت قیمتی ہے مگر نوجوان کا دین اس سے کہیں زیادہ قیمتی ہے اسی وجہ سے تو اس نے زندگی کو دین پر قربان کر دیا اور یہ لوگوں کے بادشاہ کا دین چھوڑنے اور نوجوان کا دین قبول کرنے کا سبب بن گیا۔ نوجوان نے خود سے اپنی موت کا طریقہ دشمن کو بتا دیا اور یہ عمل بلاشبہ ایک استشہادی عمل تھا۔ دشمن کو نقصان دینے کے لیے اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں شہید کرنا استشہادی کہلاتا ہے۔ علمائے امت نے استشہادی حملوں کا جواز اور بعض مواقع پر انہیں محمود جو قرار دیا ہے تو وہ قرآن، حدیث اور اقوال صحابہ کے علاوہ حدیث کے خاص اس واقعے سے بھی دلیل لیتے ہیں۔ ان حملوں کے جواز پر علمائے جہاد نے کئی کتابیں مرتب کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ دین کی منفعت، اپنی نجات اور دشمن کو نقصان دینے کی غرض سے اپنی جان لینا خودکشی نہیں، بلکہ بہترین شہادت ہے۔

امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ اپنی تفسیر 'احکام القرآن' میں ﴿وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (سورۃ البقراء: ۱۹۵) "اور اللہ کے راستے میں مال خرچ کرو، اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو" کے تحت لکھتے ہیں: "امام محمد بن الحسن شیبانی نے سیر کبیر میں بیان کیا ہے کہ اگر ایک مسلمان تن تنہا دشمن کے ایک ہزار افراد پر حملہ آور ہو جائے تو اس پر کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس مجاہد کے دل میں بذریعہ شہادت اپنی نجات یا بذریعہ شجاعت دشمن کو نقصان پہنچانے کا جذبہ موج زن ہو۔ اگر ان میں سے کوئی جذبہ بھی کار فرما نہ ہو تو میرے نزدیک اس کا یہ اقدام مکروہ ہو گا اس لیے کہ وہ اپنی جان ہلاکت میں ڈالے گا اور اس سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ ایک انسان کو یہ قدم اسی وقت اٹھانا چاہیے جبکہ اس سے اپنی نجات یا مسلمانوں کی منفعت مقصود ہو۔ اگر اسے نہ تو نجات کی طمع ہو نہ ہی دشمن کو نقصان پہنچانے کا جذبہ بلکہ وہ یہ قدم محض مسلمانوں میں حوصلہ اور جرأت پیدا کرنے کے لیے اٹھا رہا ہو تا کہ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے مسلمان بھی ایسا ہی قدم اٹھائیں اور یا تو دشمنوں کو نقصان پہنچائیں یا خود جام شہادت نوش کر لیں، تو ایسی صورت میں بھی ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اگر اسے صرف دشمن کو نقصان پہنچانے کا جذبہ اس اقدام پر ابھارتا اور اپنی نجات کا اسے کوئی خیال نہ ہوتا تو بھی اس کا دشمن پر حملہ کرنا میرے نزدیک کوئی غلط بات نہ ہوتی۔ ٹھیک اسی طرح اگر وہ دشمن کی صفوں میں گھس کر دوسروں کو نقصان پہنچانے کا جذبہ لے کر حملہ آور ہوتا ہے تو میرے نزدیک اس کا بھی یہی حکم ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ اجر کا مستحق ہو گا...... اگر اس کے دل میں صرف دشمنوں کو مرعوب کرنے کا جذبہ ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ دشمن کو نقصان پہنچانے کی بہترین شکل ہے اور اس میں مسلمانوں کے لئے منفعت کا پہلو بھی موجود ہے۔"

امام محمد نے فرد واحد کے حملے کی جتنی صورتیں بتائی ہیں وہی صورتیں درست ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی صورت درست نہیں ہے اور ان ہی صورتوں پر ان لوگوں کی تاویل کو محمول کیا جائے گا جنہوں نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس شخص پر اس آیت کے مفہوم کو چسپاں کیا تھا جو تن تنہا دشمنوں پر حملہ کرنے کی نیت سے نکل کھڑا ہوا تھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک اس شخص کے اس اقدام کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس لیے ایسی صورت میں اسے اپنی جان تلف نہیں کرنی چاہیے تھی، اس سے نہ دین کو کوئی فائدہ پہنچتا نہ مسلمانوں کو۔ اگر اس کی جان جانے کی صورت میں دین کو کوئی نفع ہوتا تو یہ تو ایسا مرتبہ و مقام ہے جس کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی متعدد بار تعریف فرمائی۔ ارشاد باری ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ﴾ "اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جان و مال کی خریداری کر لی ہے کہ انہیں اس کے بدلے میں جنت ملے گی وہ اللہ کے راستے میں جنگ کرتے ہیں اور پھر دشمنوں کو قتل بھی کرتے ہیں اور ان کے ہاتھوں قتل بھی ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ اور تم ان لوگوں کو ہرگز مردہ مت سمجھو جو اللہ کے راستے میں قتل ہوئے بلکہ وہ زندہ ہیں اور انہیں اپنے رب کی طرف سے رزق مل رہا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ﴾ "اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کی رضا کے حصول کی خواہش میں اپنی جان کا سودا کر لیتے ہیں"۔ ان آیات اور ان جیسی دوسری آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی جان دے دیتے ہیں۔

آپ کس طرف کھڑے ہیں؟!

یہاں شیخ ابو قتادہ نے ایک اچھے نقطے کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ کہ لوگوں نے کہا "آمنا

بربّ الغلام"، ”ہم لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے“ یہ ثابت کرتا ہے کہ ایمان محض قلبی وذہنی عمل کا نام نہیں، بلکہ یہ اس بات کا بھی اعلان ہے کہ کس حزب کی طرف اپنی نسبت کرنی ہے، کسی گروہ کا ساتھ دینا ہے اور کسی سے براءت و بے زاری دکھانی ہے۔ لوگوں نے دیکھا کہ بادشاہ اور نوجوان کے بیچ کشمکش ہے اور بالآخر بادشاہ نے نوجوان کو شہید کر دیا، اس کے بعد انہوں نے صرف یہ نہیں کہا کہ وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں، بلکہ ان کا یہ کہنا کہ ہم نوجوان کے رب پر ایمان لے آئے، یہ بھی بتاتا ہے کہ ہم اس کشمکش میں کس گروہ کی طرف کھڑے ہیں۔ انہوں نے گویا اعلان کر دیا کہ ہم بادشاہ کے دین سے باغی اور نوجوان کے دین کے پیرو اور علم بردار ہیں۔ اسلام کی بنیاد کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے، غیر اللہ سے انکار اس کی پہلی شرط ہے اور اس کے بعد اس میں صرف ایک اللہ کے مالک و معبود ہونے کا اقرار ہے۔ گویا اس میں ہر طاغوت سے انکار پہلے ہے اور صرف اللہ کی اطاعت و بندگی کا اعلان بعد میں ہے۔ اللہ کی بندگی کے مقابل جو بھی اپنی اطاعت کرواتا ہے وہ طاغوت ہے اور یہ کلمہ طاغوت سے انکار اور صرف رحمان کی بندگی کا اقرار ہے۔ اس میں شیطان کے بندوں سے براءت و عداوت ہے اور رحمان کے بندوں کی تائید و حمایت ہے۔ اب اللہ پر ایمان کا دعویٰ کرنا جبکہ اللہ کے دشمنوں کی صف میں کھڑے ہونا اور ان کی غلامی کرنا دعویٰ ایمان کے ساتھ کیسے میل کھاتا ہے؟ اس طرح ایمان کا دعویٰ مگر حق و باطل کی جنگ میں باطل کے مقابل نہ کھڑا ہونا اور اس جنگ سے لاتعلق رہنا بھی دعویٰ ایمان پر سوالیہ نشان کھڑا کرتا ہے۔ اللہ کی کتاب نے بتا دیا ہے کہ حزب اللہ اور حزب الشیطان کے بیچ جنگ ازل سے جاری ہے، اللہ پر ایمان لانے والے رحمان کے طرف دار بن کر حزب الشیطان کے خلاف لڑتے ہیں جبکہ حزب الشیطان رحمان کے گروہ کے خلاف صف آراء ہے، ایسے میں ایمان کا دعویٰ مگر بیچ میں تماشائی بن کر کھڑے رہنا، اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

تھامنے والا بھی وہ ہی ہے!

جب آگ میں خاتون کو اس کے بچے سمیت ڈالا جانے لگا تو خاتون آگ کے شعلے دیکھ کر گھبرا گئی، ایسے میں اللہ نے اس کی گود میں موجود بچے کو گویائی عطا کی اور اس نے کہا ’صبر کرو اماں تم حق پر ہو“ یہ سن کر والدہ کا دل مطمئن ہوا اور اس نے بے خوف ہو کر آگ میں چھلانگ لگا دی۔ یہ اللہ کی بندوں سے محبت ہے کہ ایسے مواقع پر کہ جس میں قدم ڈگمگانے کا خدشہ ہو وہ بندے کا دل ایمان سے بھرتا ہے اور اس میں ایسا اطمینان و سرور ڈالتا ہے کہ جس سے راہِ حق پر اس کو استقامت ملتی ہے اور سخت سے سخت گھاٹی سے بھی وہ کامیابی کے ساتھ گزر جاتا ہے۔ ایک مومن کے حق میں حقیقی کامیابی یہ ہے کہ وہ کفر و طغیان کے مقابل ثابت قدمی دکھائے اور زندگی کی آخری رمق تک راہِ ایمان پر قائم رہے۔ اگر بندہ اپنے رب کے ساتھ مخلص ہو، تو وہ رب بھی اس کی مزید ہدایت اور ثابت قدمی کا سامان اسے فراہم کرتا ہے ﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ﴾ (سورۃ محمد: ۱۷) ”اور جن لوگوں نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا ہے اللہ نے انھیں ہدایت میں اور ترقی دی ہے، اور انھیں ان کے حصے کا تقویٰ عطا فرمایا ہے۔“۔ اور اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ (سورۃ محمد: ۷) ”اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے قدم جما دے گا“۔ اصل چیز عزم و ارادہ اور عمل ہے، اللہ کے ساتھ یہ عہد ہی اہم ہے کہ مرتے دم تک اللہ صرف تیری بندگی کروں گا، اس عہد و پیماں میں اگر بندہ سچا ہو، تو پھر اسے پورا کرنے کی استطاعت بھی اللہ ہی دیتا ہے، راستہ دکھانے، اس راستے پر چلانے اور سفر کو آسان کرنے والا اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہے، بس بندے کا اللہ ہی کی خاطر چلتے رہنے کا عزم و ارادہ ہونا ضروری ہے۔

دو زاویہ ہائے نگاہ!

دیکھنے کے دو انداز ہیں، ایک یہ کہ اس بستی میں امن تھا، اتفاق تھا اور خوش حالی تھی، کوئی بدامنی یا بدمزگی نہیں تھی اور سب لوگ زندگی کے مزے اڑا رہے تھے مگر یہ نوجوان تھا کہ جس نے اس بستی کی ساری خوشیاں غموں میں تبدیل کر دیں۔ اس نے ہی اتفاق کو اختلاف میں بدلا اور پوری کی پوری بستی اس کے سبب ہی آگ و خون میں ڈوب گئی، وہ برداشت اور حکمت سے اگر کام لیتا، بادشاہ کے سامنے کچھ لو، کچھ دو کا راستہ اختیار کرتا اور کسی درمیانے حل پر متفق ہو جاتا تو لوگوں کو یہ قیامت نہ دیکھنی پڑتی...... دوسرا انداز یہ ہے کہ بستی کفر، گمراہی اور ظلمات میں ڈوبی تھی، مگر نوجوان کے ذریعے اللہ نے اس کو ہدایت دی، وہ مردہ تھی نوجوان نے ایمان کی روح اس میں پھونک دی اور پھر یہ نوجوان ہی تھا کہ جس کے باعث سب کو اللہ نے شہادت کے اُس رتبۂ عالیہ سے نوازا جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں فوزِ کبیر ’عظیم کامیابی‘ کا نام دیا ہے۔ جی ہاں کامیاب ان کو نہیں کہا جنہوں نے آگ کے گڑھے کھود کر ان میں ان مظلومین کو ڈالا، ان کے لیے تو عذاب شدید کا مژدہ سنایا، وہ ناکام و نامراد ہوئے اور ہمیشہ کی بدبختی ان کو نصیب ہوئی، جبکہ جو جل گئے، آگ کے گڑھوں میں دب گئے، وہ چونکہ اللہ کی خاطر ختم ہوئے، اس لیے انہیں کامیاب کہا گیا۔ کامیابی و ناکامی کے تعین میں کتنا بڑا فرق ہے! پہلے زاویے میں خیر و شر کا پیمانہ بس دنیاوی امن ہے، اللہ کی رضا اور ہدایت کے لیے اس میں کوئی گنجائش نہیں، کفر و ضلالت اور اللہ سے بغاوت کا راج ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر امن قائم ہو، دنیاوی ترقی اگر ہو رہی ہو تو بس یہی زندگی کا حاصل ہے، اس سے آگے کسی چیز کی ضرورت نہیں...... جبکہ دوسرے میں ہدایت اور اللہ کی رضا کا ملنا اول و اصل مقصد ہے، اس کے بعد حصول امن کی باری آتی ہے...... اس نقطۂ نظر میں اللہ کی خاطر اگر قربانیاں دینی پڑیں، تنگی، مصیبت، فاقہ اور موت کا اگر سامنا ہو جائے تو یہ سب سعادت ہے، اس سے اللہ کی دائمی رضا اور اس کی ہمیشہ کی نعمتیں ملیں گی۔ پہلا جاہلیت کا پیمانہ ہے، اور ہر دور میں جاہلیت کا بیوپار کرنے والوں نے اپنے عوام کو

اسی کے ذریعے ڈرایا ہے اور حق وراہ حق کو اس پیمانے کے ذریعے ہی عوام کی نظروں میں متنفر ٹھہرایا ہے۔ جبکہ دوسرا پیمانہ اللہ اور اس کے اولیاء، انبیاء، صدیقین اور شہداء کا پیمانہ ہے، اور یہی خیر و شر کا حقیقی پیمانہ ہے، اس لیے کہ انسان کی پیدائش کا مقصد دنیا اور اس کی چار دن کی زندگی نہیں، اس دنیا میں آمد کا مقصد دین ہے، اللہ کی بندگی ہے۔ وہ اس لیے پیدا نہیں ہوا ہے کہ دنیاوی مال و متاع اور جاہ و منصب کا یہاں اسیر رہے اور جب اسے موت آئے تو اس حال میں آئے کہ اس نے اپنی عمر عیش و عشرت میں گزاری ہو، نہیں! وہ اس لیے پیدا ہوا ہے کہ اپنے خالق کی بندگی کرے اور جب اس کی زندگی کا خاتمہ ہو تو اس کے نامۂ اعمال میں وہ اعمال صالحہ ہوں کہ جو موت کے بعد کی حقیقی اور دائمی زندگی میں اس کے کام آئیں، لیکن اگر ایسا نہ ہو اور اس کی زندگی اس اصل مقصود کے برعکس گزری ہو، تو ساری زندگی اور اس کی یہ ساری نعمتیں خود اسی کے لیے وبال ثابت ہوں گی۔ جاہلیت کل کی ہو یا آج کی اس کا مقصود و مطلوب دنیا کا امن، اس کی لذت اور اس کی عارضی خوش حالی ہے اور اس کے حصول میں اس کے ہاں سستی ترین چیز جو پہلے قدم پر دان کر دی جاتی ہے وہ اللہ کی بندگی کا شعور ہے۔ جس رب نے جان دی، دنیا کی ساری نعمتیں دیں اس میں اُس اللہ کی طرف پیٹھ پیر کر بس ان نعمتوں کی بندگی کی جاتی ہے اور ایسے میں اگر کوئی اللہ کی طرف لوٹنے کی دعوت دیتا ہے، اُس رب کی غلامی کی طرف بلاتا ہے جس نے یہ ساری نعمتیں عطا کیں تو اُسی پر امن و امان خراب کرنے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں انتہائی بدترین جگہ وہ قطعہ زمین ہے جہاں امن اور ترقی تو ہو مگر وہاں کے رہنے والے اپنے رب اللہ کے باغی ہوں اور اس کرۂ ارض پر دو ہی جگہیں انتہائی مبارک ہیں، ایک وہ جہاں اللہ کا دین غالب ہو اور فرد و معاشرہ سب اللہ کے شکر گزار و فرماں بردار ہوں، دوسری وہ جگہ جہاں اللہ کا دین غالب تو نہیں ہو، مگر اس دین کو غالب کرنے کے لیے حق کا باطل کے خلاف جہاد جاری ہو اور اس کشمکش کے ذریعے لوگ اللہ کے ساتھ جڑتے ہوں، اس کے دین کے داعی، غازی اور پروانے بنتے ہوں اور اس جنگ کے اندر شہادتیں مل رہی ہوں اور اللہ اپنے محبوبین کا چناؤ کر رہا ہو۔ کفر و اسلام کے بیچ جنگ کو لوگ بدامنی کہتے ہیں، اسے ترقی کی راہ میں رکاوٹ کہتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ اُس امن سے کروڑہا اور ارب ہا گنا بہتر ہے جس میں اللہ کی نافرمانی پر اتفاق ہو اور جس میں باطل کے خلاف حق کا لشکر کھڑا نہ ہو...... اس واقعے کو دیکھ کر ایک اور پہلو بھی ملاحظہ ہو، وہ یہ کہ اللہ رب العزت حق کی گواہی کا امر دیتا ہے، اللہ کی بندگی، ظلم کے خلاف اٹھنے اور عدلِ اسلامی کا جھنڈا بلند کرنے کا حکم دیتا ہے، اس کے نتیجے میں اگر کفر ظلم ڈھاتا ہے تو اس کے ذمہ دار خود ظالم و کافر ہوتے ہیں، حق کا غلبہ چاہنے والے نہیں ہوتے ہیں۔ یہ آخرت پر دنیا کو ترجیح دینا اور دنیا کے بندے بننا ہے کہ ظلم و جبر اور اللہ سے بغاوت اور حق تلفی پر قائم نظام تو قبول کیا جاتا ہے، اس میں قائم امن کو اہم ترین نعمت تو بتایا جاتا ہو مگر ظلم کے خلاف اٹھنے اور اللہ کی عبادت کی طرف لوٹنے کی دعوت کو امن خراب کرنا کہا جاتا ہو اور ایسا کرنے والوں کو فسادی اور انسان دشمن جیسے القابات دیے جاتے ہوں۔ یہ جاہلیت کے پیمانے ہیں، اسلام کا پیمانہ یہ نہیں ہے، اگر اس امت نے اللہ کی رضا حاصل کرنی ہو، اگر اس نے دنیا میں حق کی گواہی دینی ہو اور اپنی ذمہ داری اگر اس نے پوری کرنی ہو تو اس کو جاہلیت کے پیمانے چھوڑنے ہوں گے اور دنیا کو صرف انہی پیمانوں سے دیکھنا ہوگا جو اللہ رب العزت کے وضع کردہ ہیں، ایسا ہوگا تو یہ دنیا حقیقی امن اور خوش حالی سے ہم کنار ہوگی، ورنہ امن کے نام پر بدامنی اور ترقی کے نام پر تباہی و بربادی کا یہ دجل اسی طرح قائم ہوگا اور چونکہ اسلام نہیں ہوگا اور اس لیے سلامتی بھی نہیں ہوگی اور ہر گزرتے دن کے ساتھ انسانیت تنگی، بے چینی اور تباہی کی طرف گامزن ہوگی۔ کامیابی اور خوشحالی کا راستہ بس یہی ہے کہ ہم دنیا کو اس نگاہ سے دیکھیں جس سے دیکھنے کا اللہ ہم سے تقاضہ کرتا ہے اور پھر اپنی مرضی و چاہت ایک طرف رکھ کر بس وہی سوچیں اور وہی کریں جو ہمارا رب ہم سے مطالبہ کرتا ہے، ایسا ہم نے کیا تو دنیا میں بھی ہم اللہ کی رحمتیں سمیٹیں گے اور آخرت میں بھی ناکامی و نامرادی کا سامنا نہیں کریں گے، بلکہ اللہ کے محبوب و کامیاب بندوں میں شمار ہوں گے۔ اللہ ہمیں ایسے خوش نصیبوں میں شامل فرمائے اور ہماری نظر و عمل کو بھی اپنا محبوب بنائے اور ہمارا انجام بھی وہ کرے جو ہمیں محبوب ہو، آمین ثم آمین۔

یہاں یہ حلقہ ختم ہوا اور اس کے ساتھ وہ سلسلہ مضامین بھی اپنے اختتام کو پہنچا جو اصحاب اخدود کی اس حدیث کو بنیاد بنا کر ہم نے شروع کیا تھا۔ اللہ شیخ ابو قتادہ فلسطینی حفظہ اللہ کو ڈھیروں اجر سے نوازے اور ان کے علم و عمل میں برکت ڈالے، ان کی خیر عام کرے کہ ان مضامین کو شروع کرنے کی بنیاد شیخ حفظہ اللہ کی شرحِ حدیث بنی۔ ان مضامین میں جو کچھ عرض کیا، اللہ سے دعا ہے کہ اس کی خیر ہمیں دیں، اس کے شر سے ہمیں بچائے اور اپنے دربار میں اس ٹوٹی پھوٹی کوشش کو قبول فرمائے، آمین ثم آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ رسوله الكريم محمد وآله وصحبه أجمعين

تمت بالخير

☆☆☆☆☆

برِّ صغیر کے حکمرانوں کے خلاف لڑنا مسلمانوں پر کیوں واجب ہے؟

مولانا فضل الرحمٰن قاسمی

حضرت مولانا فضل الرحمٰن قاسمی کا تعلق شہید سراج الدولہ، سید تیتومیر اور حاجی شریعت اللہ ﷫ کی سرزمین سے ہے جس کے بیشتر حصے کو آج بنگلہ دیش کے نام سے جانا جاتا ہے اور آپ نے یہ تحریر بنگلہ دیش میں ہی قلم بند کی ہے۔ زیرِ نظر سلسلہ کل چار حصوں پر مشتمل ہے، ان شاء اللہ چوتھا اور آخری حصہ جنوری ۲۰۲۳ء کے شمارے میں شائع کیا جائے گا۔ (ادارہ)

تاریخ کے مذکورہ حصے سے ہمارا تعلق ہے

۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کی تاریخ کا جو حصہ ہم بیان کر رہے تھے یہ اس تاریخ کا ایک مختصر حصہ ہے اور ہندوستان کے لاکھوں مربع میل رقبے میں سے محض ایک چھوٹے سے اس حصے کی کارگزاری ہے جس سے ہم وابستہ ہیں اور جس سے ہمارا دینی، علمی، اصلاحی اور دعوتی تعلق جڑتا ہے، اس کے علاوہ اور بھی سیکڑوں کارگزاریاں ہیں جو اس سلسلہ میں قابل ذکر ہیں مگر ہم صرف چند نمونے پیش کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے موضوع کی وضاحت میں معاون ثابت ہو سکیں۔

تاریخ کے اس حصے اور اس جیسے دیگر نمونوں سے درج ذیل باتیں وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہیں:

1. مغلیہ سلطنت کے انعدام کلی اور انگریز کفار کے استحکام کلی کے بعد بھی دارالاسلام کے دوبارہ قیام اور اقامت خلافت اسلامیہ کے لیے ہندوستان کے چپے چپے میں مختلف کوششیں جاری تھیں۔
2. شیخ الہند کی وفات، یعنی ۱۹۲۰ء تک ہندوستان دارالحرب ہی رہا اور اس کے دارالاسلام میں دوبارہ تبدیل ہونے کا کوئی مرحلہ رونما نہیں ہوا۔
3. منافقین اپنے نفاق اور غداری میں سرگرم ہیں۔
4. دارالعلوم دیوبند کے اولین فرزند اور اولین ترجمان کی حیثیت سے نیز بانیان دارالعلوم اور مجاہدین شاملی کے ایک لائق وارث ہونے کے ناتے شیخ الہند نے دنیا کے سامنے یہ واضح کر دیا کہ دارالعلوم دیوبند کی طرف نسبت رکھنے والوں کی ذمہ داری کیا ہے، ان کی سوچ اور فکر کس راہ پر، کس انداز سے چلے گی، ان کا طرز عمل کیا ہو گا۔

جمہوریت کی بدبو اور اس کا اثر

ہم اقرار کرتے ہیں کہ شیخ الہند کے بعد نبوی طریقے پر مسلح جہاد و قتال کے ذریعے اقامت خلافت کے ماثور طریق پر کام کرنے کی فکر و سوچ میں کچھ ضعف پیدا ہو گیا تھا۔ اس موقع پر قارئین کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ وہ زمانہ ہے کہ جب جمہوریت کی بدبو اسلامی دنیا میں پھیل رہی تھی اور ہندوستان بھی اس بدبو سے متاثر تھا۔ کفار کی ہزاروں بدبختیوں کے بیچ جمہوریت کی بدبختی کچھ خاص معلوم نہ ہوتی تھی لیکن مسلمانوں کے بیضاء نقیہ دین اور صاف شفاف شریعت میں یہ جمہوریت زہرِ قاتل بن کر آئی۔ کمال اتاترک جیسا ملحد مرتد اور خبیث ترین دشمن اسلام منظر عام پر آ گیا تھا اور اسلامی خلافت کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے جمہوریت کا نسخہ استعمال کرنے کی اس نے کوشش کی اور اپنے کافر حلیفوں کے ذریعے اپنے مقصد میں آگے بڑھا۔ اسلام نے جن جاہلی رسوم کو پیروں تلے روندا تھا اس خبیث نے ان سب کو جمہوریت کے سائے میں ابھارنے کی کوشش کی اور اسلام کے سارے شعار کو معدوم کرنے کے لیے ہر طور طریقہ اختیار کیا۔ بہر حال یہ داستان بہت لمبی ہے اور ہم اس میں الجھنا نہیں چاہتے، محض دنیا کے اس وقت کے حالات کی ایک تصویر قارئین کے سامنے پیش کرنا مقصود تھی تاکہ دیگر باتیں سمجھنے میں آسانی ہو۔

ایک الم ناک حقیقت

اس زمانہ میں ایک اور الم ناک حقیقت سامنے آئی جس کو مانے بغیر کوئی چارہ نہیں، وہ یہ ہے کہ شیخ الہند کے آخری زمانہ تک سیاست، قیادت، شریعت اسلامی کا نفاذ، خلافت و امارت اسلامیہ کی اقامت جیسے تمام امور کی ادائیگی ایک شرعی ذمہ داری کی حیثیت سے علمائے کرام اور دین و شریعت کے رہبران سو فیصد اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے تھے، ہر معاملے کو صرف اور صرف قرآن و سنت کی روسے دیکھتے، شریعت کی نظر سے پرکھتے اور شرعی لحاظ سے جو درست معلوم ہوتا اسے نافذ کرتے اور دیگر کو چھوڑ دیتے۔ اصل منبع صرف شریعت ہی تھی۔ اسی کے سائے میں تمام معاملات طے ہوا کرتے تھے۔ شریعت کی قائم کی ہوئی حدود سے تجاوز نہ کیا جاتا اور شرعی حدود کو ہی اپنے لیے حدود تصور کیا جاتا۔

لیکن اس کے بعد حالت کچھ ایسی ہوگئی کہ گو علمائے کرام اور رہبران دین حق گوئی، جاں نثاری، قربانی، جذبۂ جہاد، شریعت کی پابندی غرض ہر باب میں اپنی شرعی ذمہ داری کا حق ادا کرتے رہے لیکن رفتہ رفتہ قیادت و سیادت ان کے ہاتھوں سے نکلتی چلی گئی۔

مشائخ اسلام اور سیاسی لیڈر

لیڈر شپ جن کے ہاتھ میں تھی وہ اپنے آپ کو ایک مسلم قائد کی بجائے ایک کامیاب لیڈر سمجھنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ ان لیڈروں میں سے جو مسلمان تھے وہ دین و شریعت کا احترام

کرتے تھے، اپنے دین سے محبت کرتے تھے اور اس پر عمل پیرا تھے، اسلام کے حق میں ان کی بے شمار خدمات اور بہت سے کارنامے ہیں۔ مگر وہ ہر معاملے میں شریعتِ اسلامی کو حاکم ماننے پر تیار نہ تھے۔ وہ اجتماعی اور سیاسی اور بین الاقوامی معاملات کو قرآن و سنت کی رو سے حل کرنے پر آمادہ نہیں تھے، ان کی گفتگو اور سوچ و فکر میں قرآن و حدیث اور دین و شریعت کا اثر نظر نہیں آتا تھا۔ وہ علمائے کرام اور مسلمانوں کے دینی رہبروں کے جذبات کو اپنی سوچ و فکر اور اس نصب العین کی طرف راغب کر کے جس پر ایک دنیاوی لیڈر ہونے کی حیثیت سے وہ کاربند تھے، اسی نتیجے پر پہنچانا چاہتے تھے جو اس قسم کی دنیاوی جدوجہد سے سامنے آسکتا ہے۔ اس سارے عمل کے دوران دین و شریعت کا کچھ باقی رہے یا نہ رہے، اس سے ان کو چنداں سروکار نہ تھا۔

بہرحال اس موقع پر دو باتیں عرض کر رہا تھا،

- ایک یہ کہ شیخ الہند کے بعد کفار کے خلاف جہاد کا مسئلہ کچھ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا جو سیاسی لیڈر تو تھے مگر مسلمانوں کے قائد نہیں تھے۔ وہ انگریز سے ہندوستان آزاد کرانا چاہتے تھے لیکن کفار سے مسلمانوں کی آزادی نہیں چاہتے تھے۔ وہ کفار کا تسلط ختم کرنا چاہتے تھے لیکن قرآن اور سنت کے احکام کا اجرا نہیں چاہتے تھے۔ وہ برٹش سامراج نہیں چاہتے تھے لیکن وہ خلافت اسلامیہ بھی نہیں چاہتے تھے۔ وہ انگریز کی حکومت سے ہندوستان کو نکالنا چاہتے تھے لیکن اس ہندوستان کو دارالاسلام بنانا نہیں چاہتے تھے، یہ پہلی بات ہے۔
- دوسری بات جو میں کہہ رہا تھا وہ یہ ہے کہ اس صورت حال میں علمائے کرام اور رہبرانِ امت کچھ بے بس ہوگئے تھے، کچھ تمنائے خیر میں بے قابو تھے اور کسی بھی طرح مسلمانوں کے لیے کچھ کرنا چاہتے تھے، کچھ لیڈروں کی زبان دانی سے دھوکہ کھا گئے، کچھ اپنے حقوق ادا کرنے کے بارے میں خود پر مضبوط اعتماد رکھتے تھے تو کسی کو ان لیڈروں کو قیادت سونپنے کے سوا کوئی راستہ دکھائی نہ دیتا تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ خلافت و سیادت و قیادت کے باب میں علمائے کرام پر ایک قسم کی اکتاہٹ رفتہ رفتہ چھا رہی تھی۔ سیاست و امارت کے امور میں ان کی دلچسپی تنزل کی طرف جا رہی تھی، شیخ الہندؒ کے بعد سے لے کر تنزل کی یہ صورت حال تین مراحل میں تکمیل تک پہنچی۔ پہلا مرحلہ: استحقاق سے حق کی ادائیگی، جس پر آزادئ ہند تک کوششیں جاری تھیں، دوسرا مرحلہ: منت سماجت سے حق کی ادائیگی اور یہ کوششیں آزادئ ہند کے بعد بھی سالہا سال تک چلتی رہیں، تیسرا مرحلہ: علیحدگی پر رضا اور راحت کا تصور بلکہ خلافت، امارت، سیادت اور سیاست کے بارے میں نفرت۔ بدنصیبی سے اس صورت حال کا سامنا ہم اب تک کر رہے ہیں۔

خلاصہ

خلاصے کے طور پر میں چند حقیقتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں:

- لیڈروں کے اپنے افعال و اقوال اس بارے میں بالکل واضح تھے کہ وہ آزادئ ہند کی جدوجہد سے ایک دارالحرب کو دارالاسلام بنانے کی کوئی کوشش نہیں کر رہے۔
- آزادئ ہند کی اصل باگ ڈور اور قیادت و سیادت علما کے ہاتھ سے نکل کر لیڈروں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ نتیجتاً برطانوی راج کے ساتھ تمام معاملات لیڈروں ہی نے طے کیے۔
- لیڈر ہندوستان کو سرکار برطانیہ سے آزادی کے بعد اسلام کی بجائے جمہوریت کی جانب لے گئے۔
- ہندوستان میں برطانوی راج کے دور میں رائج قوانین کو تبدیل کرنے کی لیڈروں نے کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔

ایک اور حقیقت کا انکشاف

ایک اور حقیقت کی طرف میں آپ حضرات کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ ۱۴ اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے دن کو بالترتیب پاکستان اور بھارت کے یوم آزادی کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے جو بالکل غلط ہے۔ اس روز نہ پاکستان آزاد ہوا تھا اور نہ ہی بھارت...... اس روز تو محض ہندوستان ٹکڑے ٹکڑے ہوا تھا۔ ایک ٹکڑے کو مملکت بھارت کا نام دیا گیا اور دوسرے کو مملکت پاکستان۔

ایک ٹکڑے کی تفصیل یہ ہے:

سرکاری دستور: بادشاہت

بادشاہ: ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۰ء تک جارج ششم

گورنر جنرل: ۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۸ء تک لارڈ ماؤنٹ بیٹن

وزیر اعظم: ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۰ء تک جواہر لعل نہرو

اور دوسرے ٹکڑے کی تفصیل کچھ یوں ہے:

سرکاری دستور: بادشاہت

بادشاہ: ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۲ء تک جارج ششم اور ۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۶ء تک ملکہ الزبتھ ثانی

گورنر جنرل: محمد علی جناح

یہ وہ تاریخی حقائق ہیں جو عوام کی نگاہوں سے اوجھل ہیں مگر انہیں تاریخ کے صفحات سے محو کرنا ممکن نہیں۔ ہم بلاتردد کہہ سکتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء میں اس برصغیر میں بہت سی تبدیلیاں آئیں لیکن ایک تبدیلی جو نہیں آئی وہ ہندوستان کے دارالحرب سے دارالاسلام میں تبدیلی تھی۔ چنانچہ دونوں ٹکڑوں میں سے کسی ایک کا بھی عنوان دارالاسلام نہیں تھا، لہٰذا دارالحرب سے

دارالاسلام کی طرف ہجرت کا کوئی مسئلہ سرے سے زیر بحث تھا ہی نہیں۔ تقسیم کے فیصلے میں ہجرت کے وجوب یا حرمت کا کوئی مسئلہ زیر بحث نہ تھا، دونوں ٹکڑوں کے کروڑوں مسلمانوں کے بارے میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے......اس کی تحقیق و تفتیش کہیں موضوع بحث تھی ہی نہیں اور نہ اس کی مجال ہو سکتی تھی۔ بعض لوگوں کو مہاجر کے نام سے موسوم کیا گیا مگر وہاں انصار کون تھا؟ ہجرت کے احکام و مسائل کا نفاذ نہ سرحد کے اس پار تھا نہ اس پار۔

آخری بات یہ کہ ۱۹۴۷ء، جس کو ہندوستان کی آزادی کا سال سمجھا جاتا ہے، اس سے بھارت اور پاکستان تو وجود میں آئے مگر ہندوستان دارالحرب سے دارالاسلام نہ بن سکا۔

آزادیٔ ہند اور قیام پاکستان سے لے کر تقسیم پاکستان اور قیام بنگلہ دیش تک

(۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۱ء تک)

جس طرح ہم نے ذکر کیا کہ برطانوی راج نے ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کو دو ٹکڑوں میں بانٹ تو دیا مگر وہ بدستور دونوں ٹکڑوں پر حکومت کرتا رہا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ اس کے مقامی نمائندے اس کی منشا کے مطابق کام کریں گے تو اس نے اپنے نمائندوں کو اکثر امور میں بااختیار بنا دیا۔ نوزائیدہ دونوں ممالک میں کے حالات کی تصویر کچھ اس طرح سے تھی:

- عدالتوں میں اسی آئین و قانون کی پاسداری ہو رہی تھی جس کے مطابق ۱۹۴۷ء سے پہلے تک برطانوی راج ہندوستان کو چلا رہا تھا۔
- دونوں مملکتوں میں مشائخ اسلام اور رہبران امت کو حکومت کے باثر عہدوں سے بہت دور رکھا گیا۔
- دونوں ٹکڑوں میں جمہوریت مضبوطی سے اپنے اصولوں پر قائم تھی۔
- دونوں ریاستوں میں سیکولرازم یا علمانی نظریہ اپنے اصول و عقائد پر جماد کھائی دیتا ہے۔
- تقسیم سے قبل مسلمان جتنا اپنے دین پر عمل کر سکتا تھا، جس قدر اسے اپنے دائرۂ کار میں نافذ کر سکتا تھا، بعد از تقسیم کسی بھی مملکت میں اتنا بھی ممکن نہ رہا۔
- دونوں حصوں میں کسی قانون اور آئین کی کسی شق میں تبدیلی یا اضافے کے وقت قرآن و سنت سے رجوع کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی تھی۔
- سرحد کے دونوں طرف قانون ساز اسمبلی میں قرآن و حدیث یا فقہ اسلامی کا حوالہ پیش کرنے کو ایک لغو اور مضحکہ خیز امر سمجھا جاتا تھا۔
- دونوں طرف مسلمان عوام پر نافذ ہونے والا قانون کوئی بھی بنا سکتا ہے، خواہ وہ ہندو ہو سکھ ہو، بدھ ہو یا عیسائی یا یہودی۔
- کسی بھی دھرم کا پیروکار مسلمانوں کا قاضی اور حاکم ہو سکتا ہے، وہ کوئی بھی قانون ان پر نافذ کر سکتا ہے، اس ٹکڑے میں بھی اور اس ٹکڑے میں بھی۔
- اسلامی خلافت، اسلامی امارت اور شریعت کے نفاذ کے لیے ہتھیار اٹھانا ناقابل معافی جرم ہے، اس طرف بھی اور اس طرف بھی۔

مندرجہ بالا عنوانات کی شرح بہت مفصل ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ قریباً گزشتہ ایک صدی میں رونما ہونے والے حالات ان عنوانات کی شرح ہیں، جنہیں ہمارے آباؤ اجداد نے دیکھا اور اب ہم بچشم عبرت ان کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

بھارتی مسلمانوں نے اہل کتاب حکمرانوں سے آزادی حاصل کی تو مشرک حکمران ان پر مسلط ہو گئے۔ بھارتی حکومت سو فیصد حکم بغیر ما أنزل اللہ پر قائم ہے۔ سیاسی مصالح کے پیش نظر مسلمانوں کو جب اور جتنا دینا چاہتے ہیں دے دیتے ہیں، کبھی پارلیمنٹ کی کوئی کرسی، کبھی کوئی حکومتی عہدہ، کبھی کسی مجلس کی صدارت تو کبھی مساجد و مدارس کو ہدیتاً کچھ عطا کرنا اور کبھی کسی خاص ملکی کارنامے پر شاباشی کے نعروں سے استقبال کرنا وغیرہ وغیرہ۔

دوسری طرف پاکستان کے حکمران مسلمانیت کا دعوی کرتے ہیں مگر خود کو شیعہ کہلانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ سب جمہوری اور علمانی ہیں، اسلامی شریعت کے نفاذ کو روا نہیں سمجھتے، انسان کے بنائے قانون کے مطابق مملکت چلانے کو ہی اصل اور صحیح طریقہ سمجھتے ہیں، غیر شرعی قانون پر ملک چلانے کو ضروری سمجھتے ہیں، مسلم اکثریت پر غیر شرعی حکومت اور کفری نظام چلانے کے لیے جو کرنا چاہیے وہ کرتے ہیں، مسلمانوں پر کفری نظام کے نفاذ میں جہاں جہاں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے وہاں کچھ نفاق کچھ جھوٹ سے کام چلا لیتے ہیں۔ پاکستان اسی طرح چل رہا تھا اور یوں ہی بائیس تیئس سال گزر گئے، اس کے بعد حصولِ اقتدار کی خاطر مالکان حکومت کے مابین مشرق و مغرب کا جھگڑا ہو گیا، پاکستان دو ٹکڑے ہو گیا اور بنگلہ دیش کے نام سے ایک نیا ملک وجود میں آ گیا۔

تقسیم پاکستان اور قیام بنگلہ دیش سے لے کر اب تک

(۱۹۷۱ء سے حال تک)

بنگلہ دیش جن کے ہاتھوں وجود میں آیا انہوں نے منافقت کا قلادہ اتار پھینکا اور صریح کفر کا اعلان کر دیا۔ چار متفق علیہ کفریہ اصولوں پر دستور کی بنیاد رکھی گئی۔ مسلمانوں کے لیے الگ ملک ہونے کے جس تصور کی بنا پر پاکستان وجود میں آیا، اس تصور ہی کو مٹا دیا گیا اور آئین میں جہاں جہاں اسلام اور مسلمان کا ذکر ہے وہاں سے یہ الفاظ ہٹا کر بنگالی اور بنگلہ دیشی جیسے الفاظ استعمال کیے گئے۔

ملک کا دستور بدستور وہی ہے جو برطانوی راج کے دور میں تھا اور جو متحدہ پاکستان میں تھا۔ ملک کے کسی بھی عہدے کے لیے اسلام یا مسلمان ہونا کوئی شرط نہیں۔ قانون ساز اسمبلی، ہر درجہ کے قاضی، صدر مملکت......غرض ہر عہدے میں مسلم اور غیر مسلم کے بیچ کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا۔ یہی حال برطانوی ہندوستان، بھارت، پاکستان اور آج کے بنگلہ دیش میں ہر دور میں رہا ہے۔ برطانوی ہندوستان سے آج بنگلہ دیش کے قیام کے پچاس برس گزر جانے کے بعد بھی برِّ صغیر میں جن باتوں میں کوئی فرق نہیں آیا وہ یہ ہیں:

- ہر دور میں ملک کا دستور غیر اسلامی تھا اور اب تک غیر اسلامی ہی ہے۔
- حکومت اور اقتدار مسلمانوں کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ مسلم اور غیر مسلم ہر ایک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اقتدار کی کرسی پر بیٹھے اور سب پر حکومت کرے۔ قانونی طور پر یہ سب کا حق ہے۔
- از روئے دستور قانون سازی میں قرآن، حدیث یعنی شریعت اسلامیہ کا کوئی عمل دخل نہیں اور نہ ہی قرآن وحدیث میں بیان کردہ اصولوں کی بنیاد پر احتجاج کا حق ہے۔ احتجاج کے حق سے جسے موسوم کیا جاتا ہے وہ کفری دستور کے فیصلے پر موقوف ہے۔ شریعہ بینچ کی بنیاد بہت بعد میں بعض مصلحتوں کی بنا پر پڑی مگر اس کا کوئی فائدہ مسلمانوں کو حاصل نہیں ہوا۔
- قانون ساز اسمبلی کے اراکین ہر دھرم سے تعلق رکھتے ہیں یوں ہر مذہب کا پیروکار مسلمانوں کے لیے قوانین وضع کر سکتا ہے اور ان کو ماننا اس ملک کے مسلمانوں کے لیے لازم بھی ہے۔
- شریعت اسلامی کے صریح اور قطعی احکامات کے خلاف بے شمار قوانین اور فیصلے موجود ہیں، اور جو شریعت کے خلاف نہیں ہیں وہ بھی قرآن وسنت کی موافقت کی وجہ سے نہیں بلکہ اتفاقاً ایسے ہیں۔
- ان خلاف شرع قوانین کی پابندی کرنے اور ان کے خلاف نہ کرنے کا عہد ضروری ہے۔
- شرعی فرائض وواجبات کی تعلیم، تبلیغ اور تحریض کی اجازت نہیں بلکہ ہر شعبۂ ایمان کی تعلیم تبلیغ اور تحریض ناقابل معافی جرم ہے۔
- زنا، شراب، سود، سن بلوغ کے بعد بھی شادی کرنے کی ممانعت۔ کفار اور ائمۃ الکفر کے ساتھ موالات، جہاد کی بالفعل مخالفت اور مجاہدین پر ہر قسم کا سب وشتم روا رکھنا۔ اقامت خلافت اور امارت اسلامیہ کے قیام کو روکنے کے لیے ہر قسم کی سرگرمیاں۔ کفار کے خلاف لڑنے کو خلاف انسانیت قرار دینا، اسلام اور غیر اسلام کی بنا پر قتال کرنے کو ناجائز قرار دینا اور اس تصور کو ناقابل عفو جرم شمار کرنا۔ دارالاسلام اور دارالحرب کے عنوان پر دنیا کی تقسیم کو عصبیت، بنیاد پرستی، متخلف مزاج اور دہشت گردی سے موسوم کرنا۔ نفاذ شریعت کے لیے کوشش کرنے والوں کے خلاف لڑائی کرنے والے کفار کا ساتھ دینا۔ علم دین سیکھنے کو وجوبی حیثیت نہ دینا۔ مسلمانوں کو ارتکاب معاصی پر مجبور کرنے کے لیے وجوبی قانون بنانا اور اس کو نافذ کرنا۔ غیر مسلموں کو اپنے عقائد شرک اور کفر کی اشاعت، تبلیغ اور تعلیم کی اجازت دینا، اس کا سرکاری سطح پر انتظام کرنا اور اس کی حوصلہ افزائی، اعانت اور ان کی تقریبات میں شرکت کرنا۔ شرائع اسلام پر عمل کرنے کے لیے غیر اسلامی دستور کی موافقت کو برقرار رکھنا اور ان کے لیے غیر اسلامی دستور کے ذمہ داروں سے اجازت لینا ضروری ہونا...... وغیرہ لاتعد و بے شمار امور ہیں۔

ان باتوں پر غور کرنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے جن حالات اور جن باتوں کے پیش نظر اس ملکِ برصغیر کو دارالحرب قرار دیا تھا وہ حالات بعینہ اب بھی بھارت، پاکستان اور بنگلہ دیش میں موجود ہیں۔

تقسیم کے بعد یہ تینوں ممالک اپنی اپنی جگہ اپنے اقدامات اور طرزِ حکومت کے ذریعے امت کو یہ پیغام دیتے رہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے نام پر ان ممالک پر حکمرانی کرنا ایک ناقابل معافی جرم ہے، وہ یہ پیغام دیتے رہے کہ قانون ساز اسمبلی کے ذریعے قرآن وحدیث میں بیان کردہ کسی اصول کو قانون کا درجہ دینا یا قرآن وحدیث کی بنا پر کسی موجود قانون کو معطل کرنا ایک ناقابل معافی جرم ہے، ان تینوں ممالک کی عدالتوں میں قرآن وحدیث کی بنیاد پر کسی قانون کے خلاف احتجاج کرنے کو جہالت اور بے وقوفی کے مترادف سمجھا جاتا ہے...... اور بالفعل یہی حقیقت ہے۔

پاکستان کے شریعہ بینچ سے کوئی دھوکہ نہ کھائے

ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ پاکستان میں شریعہ بینچ کے عنوان سے جو بینچ ہے اس کا سالہا سال تک کوئی وجود ہی نہ تھا اور جب یہ قائم ہوا تو یہ بینچ کل عدالتی کارروائیوں کے ایک فی صد پر بھی حاوی نہ تھا۔ نیز کسی ملک میں شریعہ بینچ کا وجود ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس ملک کا قانون کفری اور غیر شرعی ہے۔ اس 'قوت واختیار' کے ساتھ پاکستان کا یہ شریعہ بینچ کبھی ملکی قوانین کے خلاف کوئی فیصلہ نافذ نہیں کرا سکا۔ متفق علیہ سود کے مسئلہ پر پاکستان کے کبار علما نے اپنی زندگی کھپادی مگر سب جدوجہد بے سود نکلی۔

تاریخ کے چند صفحات پر نظر ڈالنے کے بعد

اس موقع پر میں قارئین کرام کی توجہ قرآن مجید کی دو آیتوں کی جانب مبذول کروانا چاہتا ہوں کہ یہی ہمارے لیے تسلی اور اطمینان کا باعث ہیں۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ۝ (سورۃ البقرۃ: ۱۳۴)

"یہ جماعت تو گزر چکی، جو انہوں نے کیا وہ ان کے لیے ہے اور جو تم کرو گے تمہارے لیے ہے۔ ان کے اعمال کے بارے میں تم سے نہیں پوچھا جائے گا۔"

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ۝قَالَ عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَّا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى ۝ (سورۃ طہ: ۵۱،۵۲)

"اس نے کہا: اچھا یہ تو بتاؤ اگلے زمانے والوں کا حال کیا ہونا ہے؟ جواب دیا کہ ان کا علم میرے رب کے ہاں کتاب میں موجود ہے، نہ تو میرا رب غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔"

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ خیر القرون کے بعد سلف صالحین کے جتنے طبقے ہیں وہ سب کے سب ہمارے لیے مقتدا اور رہنما ضرور ہیں لیکن ادلہ اربعہ کے خلاف وہ ہمارے لیے حجت نہیں۔ ان کے کسی خاص رویے کے بارے میں قطعی کوئی فیصلہ کرنا بھی ہماری ذمہ داری نہیں اور ادلہ شرعیہ کے خلاف ان کو حجت ماننا بھی ہمارے لیے جائز نہیں۔ کسی بھی شرعی مسئلے میں اپنے طرزِ عمل کا فیصلہ کرنے کے لیے ہمارے سامنے قرآن مجید ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ نبوی زندگی ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شرعی تمرین و تطبیق کا سو سالہ تجربہ ہے۔

ہماری کمزوری

اس موقع پر ایک بات یاد آگئی جس کو کہے بغیر گزر جانا مناسب معلوم نہیں ہوتا اور وہ یہ کہ مکہ کے بت پرست مشرکین سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنا مقتدا سمجھتے تھے، خود کو ابنائے ابراہیم اور ملت ابراہیم ماننے میں فخر محسوس کرتے تھے، یہودی حضرت ابراہیمؑ کو یہودی سمجھتے تھے اور نصاریٰ نصرانی سمجھتے تھے، لیکن اللہ رب العزت نے واضح طور پر فرما دیا:

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ○ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ○ (سورۃ آل عمران: ۶۸،۶۷)

"(تمہیں بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ) ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ وہ تو بالکل یکسو ہو کر اللہ کے فرماں بردار تھے اور نہ وہ مشرکوں میں سے تھے۔ یقیناً ابراہیم (علیہ السلام) سے سب سے زیادہ قربت رکھنے والے لوگ تو وہ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی اور اب یہ نبی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور جو ان پر ایمان لائے (اس نسبت کے زیادہ حق دار ہیں) اور اللہ ان مومنوں کا ساتھی ہے۔"

مطلب یہ کہ متفق علیہ شخصیات کو اپنا مقتدا ثابت کرنے میں ہر شخص دلچسپی رکھتا ہے لیکن ان کی اتباع کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ہمارے اسلاف کو بھی بارہا اسی صورت حال کا سامنا رہا ہے۔ کوئی اپنے آپ کو ولی اللّٰہی فکر کا حامل قرار دیتا ہے، لیکن شاہ ولی اللہ کے تجدیدی کارناموں کو اپنانے پر تیار نہیں، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے نام سے دل میں فخر محسوس کرتا ہے اور ان کا فتویٰ دل کو بھاتا ہے مگر اس فتوے کو قبول کر کے اس کے مطابق عمل کرنے سے دل بھاگتا ہے، سیّد احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید رحمہم اللہ کے جذبۂ جہاد سے متفق نظر آتا ہے لیکن جہاد کے نام پر ناک بھوں چڑھانے لگتا ہے، مکی، گنگوہی، نانوتوی کے ناموں سے دل و دماغ اور روح و بدن میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے لیکن دشمنوں کی سرکوبی کے لیے اپنی جان و مال کی قربانی دینے کو روا نہیں سمجھتا، شیخ الہند کے نام سے سینہ فخر و غرور سے تن جاتا ہے لیکن علمائے کرام کے لیے اقامت خلافت کی فکر اور اس کے لیے عملی کوششوں میں شرکت کو ناجائز سمجھتا ہے...... بہر حال یہ سب ہماری کمزوریاں ہیں جن کی داستان بہت لمبی ہے۔ لیکن کوئی کچھ بھی کہے ہمارے لیے قابل عمل راستہ صرف ایک ہے اور وہ ہے اللہ رب العزت کی نازل کردہ شریعت، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا راستہ، لہٰذا تاریخ کی اس مختصر داستان کے بعد ہم ان ذمہ داریوں کے بارے میں بات کریں گے جو قرآن و حدیث کی رو سے ہم پر عائد ہوتی ہیں، اللہ درست بات کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

قدرتی آفات میں امدادی کارروائیوں میں تاخیر کا ایک سبب

"ایک اور مسئلہ سے بھی خبردار رہنے کی ضرورت ہے...... جو ہمیں لے ڈوبنے میں سب سے زیادہ بڑھ کر ہے اور امدادی کارروائیوں کی قلت اور تاخیر کی وجوہات میں سے اہم تر ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنے درمیان وسعت نظری پر مبنی "امتِ مسلمہ کی محبت" کے بجائے تنگ نظری پر مبنی "حب الوطنی" کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ جزیرۂ عرب کے مادی وسائل دراصل تمام مسلمانوں کی ملکیت ہیں۔ مسلمانوں کا پٹرول مسلمانوں کے لیے ہی ہونا چاہیے۔ مگر صورت حال یہ ہے کہ یہ وسائل بغیر کسی حق کے صرف کیے جاتے ہیں، غلط جگہوں پر استعمال ہوتے ہیں اور بے دریغ اور بلا روک ٹوک خرچ کیے جاتے ہیں... ایسے حالات میں جب بہت سے مسلمان سیلابوں، قحط سالی، بیماریوں، بھوک اور جہالت میں مبتلا ہو کر موت کے منہ میں جا پہنچے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ!"

(محسنِ امت شیخ اسامہ بن لادین شہید رحمہ اللہ)

لال قلعے سے لال قلعے تک......

مولانا ڈاکٹر عبید الرحمٰن المرابط

۱۴۹۲ء میں اندلس کی آخری اسلامی سلطنت کا شاہی لال قلعہ 'القعلة الحمراء' عیسائیوں کے ہاتھ چلا گیا اور ۱۹۴۷ء میں ہند کی سلطنت کا شاہی لال قلعہ 'قلعۂ مبارک' بالآخر ہندوؤں کے ہاتھ چلا گیا۔ آیا جیسے اندلس میں مسلمانوں کا مکمل صفایا ہوا، اب خاکم بدہن ہند میں بھی ہونے جارہا ہے؟؟

تمہید

۱۴۹۲ء میں جزیرہ نما آئبیریا (جسے مسلمان اندلس کے نام سے جانتے ہیں اور آج کل ہسپانویہ کے نام سے مشہور ہے) کی آخری اسلامی مملکت غرناطہ کے بادشاہ ابو عبد اللہ محمد الصغیر نے اپنا ملک عیسائیوں کے بادشاہ فرڈیننڈ اور ملکہ اِزابیلا کو تسلیم کر دیا اور خود شمالی افریقہ میں جلا وطنی اختیار کر لی۔ تسلیم کرنے کا یہ افسوس ناک واقعہ غرناطہ شہر کے شاہی قلعے (القلعۃ الحمراء) یعنی کہ لال قلعے میں ہوا، جس پر صلیب والے عیسائی جھنڈے بلند ہوئے۔

عالمِ اسلام کے دوسری طرف جزیرہ نما ہند (برِّ صغیر) کے شہر دہلی میں واقع مغلیہ سلطنت کے شاہی (لال) قلعے سے آخری اسلامی مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد گرفتار ہوا اور اس پر اپنے ہی قلعہ میں مقدمہ چلایا گیا اور 'بغاوت' کی سزا پر ہند سے جلا وطن کر دیا گیا۔ لال قلعے پر برطانوی صلیبی پرچم لہرانے لگا۔ برطانوی راج کا خاتمہ تقسیمِ ہند پر منتج ہوا اور لال قلعہ انڈیا کی ہندو ریاست کے حصے میں چلا گیا۔ بالآخر ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو اس پر برطانیہ کے صلیبی پرچم کے بجائے انڈیا کا ترنگا لہرانے لگا جس کے وسط میں بت پرستی کی علامت 'اشوکا چکرا' موجود ہے۔

۱۰۱۳ء میں اندلس کی اموی خلافت کے خاتمے کے بعد اندلس ۳۰ سے زیادہ مملکتوں میں تقسیم ہو گیا۔ مسلمانوں کی قوت نہ صرف منقسم ہوئی بلکہ آپس میں دست و گریبان بھی، جبکہ ان کے مقابلے میں ہسپانوی عیسائی متحد ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ مسلم مملکتیں ایک دوسرے کے خلاف لڑنے کے لیے عیسائی مملکتوں سے مدد لینے لگیں اور ہر دفعہ لڑائی کے بعد مسلم مملکتیں سکڑتی جاتیں جبکہ عیسائی مملکتیں پھیلتی رہیں۔ مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کی سب سے پہلی بڑی کامیابی ۱۰۸۵ء میں شہر طلیطلہ کے سقوط کی شکل میں نظر آئی، جس کے بعد مسلمانوں کی ناکامیوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ ۱۴۹۲ء میں مسلمانوں کی آخری مملکت 'غرناطہ' بھی ختم ہو گئی۔ سیاسی اقتدار کا خاتمہ محض لڑائی سے نہیں ہوا بلکہ ہسپانویہ پر عیسائیوں کے قبضۂ نو کے ساتھ ہی مسلمانوں کا فکری اور معاشرتی زوال بھی جاری تھا جو بالآخر ان کے تبدیلیٔ مذہب، جلا وطنی اور نسل کشی پر منتج ہوا۔ یہاں تک کہ ۱۶۱۴ء میں ہسپانویہ کے عیسائی بادشاہ نے جلا وطنی کی مہم ختم کرنے کا اعلان کرتے ہوئے جزیرہ آئبیریا کو تمام مسلمانوں سے 'پاک' قرار دے دیا۔

اس کے مقابلے میں ہند میں مسلمانوں کے تبدیلیٔ مذہب، جلا وطنی اور نسل کشی کے بجائے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں شکست کے بعد مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے انگریزوں کی فکری غلامی اور ۱۹۱۹ء میں تحریکِ خلافت کی ناکامی کے بعد ہندوؤں کی فکری غلامی اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ ۲۰۱۴ء میں وسطی ہند 'انڈیا' میں انتہا پسند ہندوؤں کے اقتدار میں آنے سے اور مشرقی ہند 'بنگلہ دیش' اور مغربی ہند 'پاکستان' کے باہمی اختلافات اور مذہبی بے حسی سے اب ہند میں بھی اندلس کی طرح تبدیلیٔ مذہب، جلا وطنی اور نسل کشی کی تحریک نظر آنا شروع ہو گئی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جزیرہ نما ہند میں اب وہ عمل شروع ہو چکا ہے جو صدیوں پہلے جزیرہ نما اندلس میں گزر چکا ہے۔

آیا مسلمان اپنی پرانی غلطیوں کے سبب اندلس کے بعد اب ہند سے بھی مکمل صفائے کی طرف جارہے ہیں؟؟ 'لال قلعے سے لال قلعے تک' کے ان مضامین میں ہم اپنے حاضر کو اپنے ماضی کے آئینے میں دیکھنے کی کوشش کریں گے۔[1]

اپنوں سے دشمنی اغیار سے دوستی

اندلس اور ہند دونوں میں ناکامی کا ایک بنیادی سبب مسلمانوں کے ذہنوں سے دوست اور دشمن کی پہچان مٹ جانا تھا۔ جس کے سبب وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف کافر دشمنوں سے مدد لینے لگے۔ اور الٹا اپنے مسلمان بھائی کو زیر کرنے کے لیے کافر دشمنوں کی مدد کرنے بھی لگے۔ کس سے موالات کی جائے اور کس سے تبریٰ، یہ عقیدہ خواہشاتِ نفس کی پیروی کے سبب دل

[1] اس موازنے کا محرک ایک طرف انڈیا میں ہندُتوا کی تحریک اور دوسری طرف شہید عکرمہ بھائی رحمہ اللہ کی کتاب 'تاریخ ناتمام: اندلس کے مسلمان ۱۴۹۲ کے بعد' کا مطالعہ تھا۔
حق تو یہ ہے کہ شہید عکرمہ بھائی رحمہ اللہ کا کچھ تعارف یہاں درج کیا جاتا، لیکن وقت کی قلت کے سبب یہاں تفصیل درج نہیں کی جارہی، البتہ شہید عکرمہ بھائی کے متعلق جاننے کے لیے ان کی ہمشیرہ کا مضمون 'ہمیں جنت کو جانا ہے!!!' پڑھنا مفید رہے گا جو مجلّہ نوائے افغان جہاد (نوائے غزوۂ ہند کا سابقہ نام) کے اگست ۲۰۱۰ء کے شمارے میں دیکھا جاسکتا ہے۔

سے ایسا نکلا جیسے کبھی یہ حکمران مسلمان رہے ہی نہ تھے۔ آیئے اندلس اور ہند کی تاریخ کے چند تاریک اوراق پلٹتے ہیں۔

طوائف الملوکی کی صورت حال

تین معاصر تاریخ دان ڈاکٹر حضرات؛ ڈاکٹر خلیل ابراہیم سامرائی، ڈاکٹر عبد الواحد ذنون طہ اور ڈاکٹر ناطق صالح مصلوب اندلس کے بارے میں اپنی کتاب میں وہاں کے طوائف الملوکی کے دور کے حالات کچھ ایسے بیان کرتے ہیں:

> ”تمام طوائف کے امراء نے اپنی قوم بلکہ اپنے خاندان کے مفادات کے بجائے، جن کے سبب وہ حکمران بنے تھے، اپنے ذاتی مفادات کو ترجیح دینا شروع کر دی۔ یہ امراء اپنے قومی اور دینی احساس میں کمزور تھے۔ جب بربشتر اور طلیطلہ کا سقوط ہوا تو کسی نے بڑھ کر مدد نہیں کی۔ ابنِ ہود عوامی غصے کے سبب مجبور ہوا کہ وہاں فوج بھیجے۔ جب کہ طلیطلہ کے سقوط سے پورا اندلس ہل گیا لیکن سب مسلم حکمرانوں نے امت کو مایوس کیا۔
>
> طوائف امراء کے تحت اندلس کی قوم کو داخلی اور خارجی سطح پر کڑوے گھونٹ پینے پڑے۔ عوام امراء کے لالچ کی بھینٹ چڑھ گئے۔ امراء نے اپنی سلطنتوں کو ذاتی جاگیر سمجھا اور عوام کو اپنا غلام۔ وہ عوام کی دولت اور محنت کا پھل عالی شان محلات میں لونڈیوں سے محظوظ ہونے اور خواہشاتِ نفس پوری کرنے کے لیے لوٹتے تھے اور خوب تعیشانہ طرزِ زندگی اپناتے تھے۔ جبکہ خارجی کمزوری کے سبب وہ ہسپانوی بادشاہوں کے باج گزار بن گئے اور اپنی کرسی کی حفاظت کی خاطر ان کی گود میں جا بیٹھے۔ نتیجتاً عوام انتہائی مایوس ہوئے اور پورا معاشرہ نفسیاتی تناؤ کا شکار ہو گیا۔ یہاں تک کہ اندلس چھوڑ کر شمالی افریقہ ہجرت کر جانے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ خصوصاً ۴۵۶ھ / ۱۰۶۴ء میں نورمانیوں[1] کے بربشتر پر اور ۴۷۸ھ / ۱۰۸۵ء میں الفانسو ششم کے طلیطلہ پر قبضے کے بعد“۔[2]

سرقسطہ کے بنی ہود

آیئے دیکھتے ہیں کہ مسلمانانِ اندلس کی بربشتر میں سب سے پہلی شکست کے دوران وہاں کے حکمران خاندان ’بنی ہود‘ کا کیا حال تھا۔ اندلس میں اموی خلافت کے خاتمے کے بعد شمالی اندلس میں دو اسلامی مملکتیں وجود میں آئیں۔ انتہائی شمال میں مملکتِ سرقسطہ اور اس کے جنوب میں مملکت طلیطلہ۔ ان دونوں مملکتیں کے اطراف میں کئی عیسائی بادشاہتیں تھیں جو مسلم مملکتوں کو لالچ کی نظر سے دیکھتی تھیں اور وقتاً فوقتاً ان پر حملے کرتی رہتی تھیں۔ خصوصاً جب اندلس میں مرکزی حکومت ناپید تھی اور طوائف الملوکی کے سبب ہر کوئی دوسرے سے بیگانہ بن گیا تھا۔ مملکت سرقسطہ کا امیر سلیمان بن ہود تھا۔ ہر کچھ عرصے بعد کوئی نہ کوئی عیسائی بادشاہ سرقسطہ پر حملہ کرتا اور کوئی نہ کوئی علاقہ اپنی مملکت میں شامل کر لیتا یا حملے کی دھمکی دیتا اور امن کے بدلے میں ’جزیہ‘ کے نام پر باج وصول کرتا۔ گویا سرزمین عیسائیوں کی ہو اور مسلمان ان کے ہاں ذمی کے طور پر رہتے ہوں۔ ظاہر ہے ابن ہود نئی فتوحات تو کرتا نہیں تھا کہ یہ رقم حاصل شدہ غنیمت سے ادا کرے۔ اس لیے رقم ادا کرنے کے لیے غریب عوام پر نت نئے ٹیکس لاگو کرتا۔ یہاں تک کہ بنی ہود جزیہ نہ ادا کرنے کی صورت میں اپنے معززین تک کافروں کے ہاں ضمانت کے طور پر بھیجتے تھے۔

مملکتِ طلیطلہ کے ساتھ بھی عیسائیوں کا یہی رویہ تھا لیکن اس کے باوجود مملکت سرقسطہ اور طلیطلہ نہ صرف یہ کہ آپس میں لڑتی تھیں بلکہ ایک دوسرے کے خلاف مختلف عیسائی بادشاہوں سے مدد بھی حاصل کرتی تھیں۔ سلیمان کے مرنے کے بعد اس کے بیٹوں میں اقتدار کی جنگ چھڑ گئی۔ تین بھائیوں کو زیر کرنے کے بعد احمد بن ہود کی چوتھے بھائی یوسف کے ساتھ ٹھن گئی۔ اب یہ دونوں بھی سرقسطہ اور طلیطلہ کی طرح اپنی لڑائی کے لیے عیسائی بادشاہوں سے مدد حاصل کرنے لگے۔

سانحہ بربشتر

اسی دور میں یورپ نے عالمِ اسلام پر صلیبی جنگیں برپا کر دیں۔ چنانچہ فلسطین کی طرح اندلس میں بھی جنگوں کا باقاعدہ آغاز ہوا جو ہسپانویہ میں ’قبضۂ نو‘ یا ’ریکونکویسٹا‘ (Reconquista) کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اور ۱۰۶۴ء کے آغاز میں پوپ اسکندر دوم کے کہنے پر اور اس کی ذاتی فوج کے کمانڈر کی سربراہی میں فرانس کے اجڈ خانہ بدوش نورمانیوں نے سرقسطہ میں یوسف بن ہود کے حصے میں واقع سرحدی شہر بربشتر Berbastro پر حملہ کر دیا۔ طوائف الملوکی کے دور میں اندلس کو لگنے والے بڑے دھچکوں میں یہ پہلا دھچکا تھا۔ عیسائیوں نے چالیس دن تک بربشتر کا حصار جاری رکھا۔ اگرچہ اس دوران بھی وہاں کے غیور عوام فصیل سے نکل کر عیسائیوں کے ساتھ جھڑپیں کرتے رہے لیکن شہر کے اندر خوراک کی قلت کے سبب بے چینی پھیلنا شروع ہو گئی۔ اسی دوران ایک غدار نے شہر کو سیراب کرنے والی نہر کا زیرزمین راستہ بھی بتا دیا جس سے عیسائیوں نے شہر کا پانی بھی بند کر دیا۔ بھوک اور پیاس کی شدت سے مسلمان تسلیم ہونے پر مجبور ہوئے اور عیسائیوں نے انہیں امان دے دی۔ لیکن مسلمان پیاس بجھانے کے لیے جیسے ہی باہر نکلے عیسائیوں نے عہد شکنی کرتے ہوئے قتل و غارت شروع کر دی۔ خوب قتل کرنے کے بعد عیسائیوں نے دوبارہ اعلان کیا کہ جو واپس گھر میں داخل ہو گیا اسے امان حاصل ہے۔ چنانچہ مسلمان جیسے بھاگے بھاگے نکلے تھے اسی طرح بھاگے بھاگے گھروں کی طرف لوٹے۔ انہوں نے گھروں میں پہنچ کر چین کا سانس لیا ہی تھا کہ کمانڈر نے تمام

[1] Normans یورپ کا خانہ بدوش قبیلہ جس کا کردار جاہلیت کے بدوی قبیلوں کی طرح تھا۔ یعنی ان کی زندگی لوٹ مار پر گزرتی تھی۔

[2] تاريخ العرب وحضارتهم في الأندلس (ص:۲۴۹-۴۳۰)۔

گھروں کو مال و دولت اور گھر والوں سمیت اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ چنانچہ ہر سپاہی نے اپنی ملکیت سے اپنی مرضی کے مطابق برتاؤ کیا۔ یہاں تک کہ ہزاروں مردوں کو قتل کیا گیا، بچوں اور عورتوں کو غلام بنایا گیا اور بے شمار خواتین کی عصمت دری کی گئی۔

یوسف کے بس میں نہیں تھا کہ وہ بربشتر کا دفاع کر سکے، چنانچہ وہ تو بھاگ نکلا لیکن اس کا طاقتور بھائی احمد بن ہود بھی مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ ٹوٹتے دیکھ کر بھی آگے نہیں بڑھا کیونکہ یہ شہر اس کے بھائی کے حصے میں واقع تھا!! کئی ماہ بعد جب بربشتر کی ہولناک خبریں قرطبہ پہنچیں تو پورے اندلس کے عوام غم و غصہ سے مشتعل ہو گئے۔ تب جا کر احمد بن ہود کو ہوش آیا اور بربشتر کو عیسائیوں سے چھڑایا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہود کو جب غیرت آئی اور اس نے بربشتر کو کافروں سے چھڑایا تو واپس لوٹتے ہوئے اپنا لقب 'المقتدر باللہ' رکھا!!۔ آج کل ہمارے ملکوں کے حکمران بھی ملک کا بیڑہ غرق کرنے کے بعد 'ہیرو' قرار دیے جاتے ہیں۔

لیکن اس واقعے کے بعد بھی اس نے اپنے بھائی یوسف کے خلاف جنگیں نہ روکیں جب تک کہ ۱۰۷۹ء میں یوسف کو قیدی بنانے میں کامیاب نہ ہو گیا۔ اس پورے عرصے میں احمد بن ہود اپنے والد کی طرح مسلسل ہسپانوی بادشاہوں کو جزیہ بھی ادا کرتا رہا اور اپنی فوج میں عیسائیوں کو بھرتی بھی کرتا رہا۔ ان میں ایک مشہور عیسائی کمانڈر قنبیطور بھی تھا جسے احمد بن ہود نے 'السید' یعنی آقا کا لقب دے رکھا تھا۔ احمد بن ہود پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے اپنی فوج پر عیسائی کمانڈر مقرر کیا ہو۔ نہ صرف یہ بلکہ احمد بن ہود کا ایک مقرب وزیر ابو عامر بن غند شلب بھی عیسائی تھا۔

بنی ہود کی مملکت عیسائیوں کے ساتھ مدارات اور موالات کرتی رہی۔ عیسائیوں کو ہر قسم کی دینی، فکری اور معاشی آزادی حاصل تھی۔ یہاں تک کہ ایک فرانسیسی پادری کو اتنی شہ ملی کہ اس نے احمد بن ہود کو ایک خط میں دینِ اسلام پر نقد کرتے ہوئے کھلم کھلا عیسائی بننے کی دعوت دی اور خط کے ساتھ اپنے شاگرد بھی بھیجے تا کہ احمد بن ہود کو عیسائی دین سکھا سکیں لیکن ابن ہود الٹا نرمی سے پیش آیا۔ مسلمانوں کی مداہنت کے مقابلے میں سرقسطہ میں رہنے والے معاہد عیسائیوں نے ہر موقع پر ان تمام احسانات کو فراموش کرتے ہوئے اپنے ہم مذہبوں کی مدد کی۔

احمد بن ہود کے مرنے کے بعد باہمی لڑائی اور اغیار سے دوستی کی روش اس کے جانشینوں میں جاری رہی۔ یہاں تک کہ اس کا جانشین مؤتمن ان 'مسلم' امراء میں سے تھا جس نے اندلس کو دوبارہ متحد کرنے اور عیسائیوں کا زور توڑنے کے لیے شمالی افریقہ سے آنے والے مجاہدین کے خلاف لڑنے کے لیے اسی عیسائی کمانڈر آقائے قنبیطور کو آگے کیا۔[1]

سرقسطہ سے غرناطہ

بربشتر پر عیسائیوں کا بزور قبضہ کرنا اندلس میں اسلام کے زوال کا آغاز تھا اور شہر غرناطہ کو عیسائیوں کو از خود تسلیم کرنا زوال کی انتہا تھی۔ اندلس کی منقسم مسلم مملکتیں ایک ایک کر کے سقوط کرتی گئیں یہاں تک کہ ۱۲۵۲ء تک ہسپانوی بادشاہ فرنانڈو سوم نے اندلس کی جنوبی مملکت غرناطہ کے سوا تمام مسلم بادشاہتیں فتح کر لی تھیں۔ اس پورے دور میں اندلس کے غیور عوام کافروں کے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے لیکن حکمران اپنے ذاتی مفادات اور عیاشیوں کی خاطر ان کے سامنے بند باندھ دیتے تھے۔ یہ دور مسلم حکمرانوں کی غداری کی علامت بن گیا جنہوں نے اپنا اقتدار بچانے کے لیے کفار کے ساتھ اعلانیہ کام کیا اور عوام کو مستقبل کے بارے میں دھوکے میں رکھا۔ ان غدار حکمرانوں کی ایک بڑی مثال مملکت غرناطہ میں بنی نصر کے پہلے امیر ابو عبد اللہ محمد (الاول) بن یوسف الاحمر بن نصر ہے جو اپنے والد کی نسبت ابن الاحمر کے نام سے مشہور ہوا۔

۱۲۳۶ء میں ابن الاحمر بنی ہود کے تحت ایک چھوٹے سے علاقے کا والی تھا۔ لیکن اس نے بنی ہود کے ساتھ غداری کرتے ہوئے قرطبہ پر قبضے میں ہسپانوی بادشاہ فرڈیننڈ سوم کی مدد کی اور اس کے بدلے اندلس کی جنوبی مملکتوں پر قبضہ کر کے وہاں کا بادشاہ بن بیٹھا۔ البتہ ۱۲۴۴ء میں ہسپانوی بادشاہ کے پے در پے حملوں کے نتیجے میں خود اسے پہلے اپنے آبائی شہر ارجونہ سے ہاتھ دھونے پڑے اور دو سال بعد فرڈیننڈ کے سامنے گھٹنے ٹیکتے ہوئے ذلت آمیز معاہدہ قبول کرنا پڑا۔ معاہدے کے مطابق ۲۰ سالہ امن کے بدلے ابن الاحمر کو نہ صرف صوبہ جیان فرڈیننڈ کو دینا پڑا بلکہ سالانہ ڈیڑھ لاکھ دینار باج ادا کرنے پر بھی راضی ہوا اور سب سے بڑھ کر عیسائی بادشاہ کی فوجی مہمات میں ساتھ دینے کا بھی وعدہ کیا، چاہے وہ مسلمانوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ ۱۲۴۸ء میں ابن الاحمر نے مسلم مملکت اشبیلیہ پر حملے میں عیسائی بادشاہ کی فوجی مدد کی۔ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ جب وہ اس جنگ میں اپنے مسلمان بھائیوں پر عیسائیوں کو حکمران بنانے میں کامیاب ہو کر غرناطہ لوٹا تو اس نے اپنی مملکت کے لیے (لا غالب إلا اللہ) کا شعار اپنایا جسے آج تک قصر الحمراء پر ہر جگہ منقوش دیکھا جا سکتا ہے!! رفتہ رفتہ ابن الاحمر اپنے ماتحت علاقے ایک ایک کر کے کھوتا رہا یہاں تک کہ اس کے پاس صرف شہر غرناطہ اور اس کے چند مضافات رہ گئے۔

ابن الاحمر سے الصغیر تک

غرناطہ پر بنی نصر خاندان نے تقریباً ڈھائی سو سال حکومت کی اور اس عرصے میں کل ۲۳ امیر گزرے۔ اس پوری مدت میں غرناطہ کے امراء نے اپنی محدود آزادی کے بدلے عیسائیوں کی

[1] یہ تاریخ ۱۰۴۱ھ میں متوفی امام شہاب الدین مقری کی کتاب نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب (۴/ ۴۵۳) اور تاریخ اندلس کے معاصر مصری مؤرخ محمد بن عبد اللہ عنان کی کتاب دولۃ الاسلام فی الاندلس (۲/ ۲۷۴-۲۸۰، ۴۱۲) سے نقل کی گئی ہے۔

بالادستی قبول کرنے کی پالیسی جاری رکھی۔ اور عیسائی طاقتوں کی پالیسی یہ رہی کہ وہ بڑے حملے کے بجائے چھوٹے چھوٹے حملے کرتی رہیں اور ہر دفعہ قبضہ کرنے کے بعد امن کے بدلے بھاری باج وصول کرتیں۔ اس طرح مسلمانوں کی عسکری قوت کے ساتھ ساتھ اقتصادی قوت بھی ختم ہوتی گئی۔

۱۴۸۲ء میں ابن الاحمر کا پڑپوتا ابوعبد اللہ محمد (الثانی عشر) مسندِ اقتدار پر بیٹھا۔ ہسپانوی تاریخ میں وہ ابوعبد اللہ کے تصغیر و تحقیر کے صیغے 'بوعبدل' اور عربی تاریخ میں 'الصغیر' یعنی 'چھوٹے' کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس نے اپنے والد کے خلاف اس لیے بغاوت کی تھی کہ والد صاحب نے عیسائی بادشاہ کو مزید باج ادا کرنے سے انکار کیا تھا، جس کا مطلب جنگ تھا۔ اور جنگ آرام پسند اور پر تعیش حکمرانوں کو کہاں پسند آتی ہے۔ چنانچہ والد کی جگہ خود غرناطہ کا بادشاہ بن گیا لیکن مضحکہ خیز طور پر اگلے ہی سال اپنی کرسی کو بچانے کے لیے ہسپانویوں کے خلاف ایک جنگ میں شریک ہوا اور ان کے ہاتھوں گرفتار بھی ہو گیا۔ بادشاہ فرڈینینڈ[1] نے طے کیا کہ ابوعبد اللہ الصغیر کو مسلمانوں کے ہاں عیسائی قیدیوں کی رہائی اور ان سے مزید رقم وصول کرنے کے بدلے رہا کیا جائے۔ اتنا تاوان وصول کرنے کے باوجود ابوعبد اللہ کے اندر یہ شعور پیدا کیا کہ انہوں نے اسے رہا کر کے اس پر عظیم احسان کیا ہے تاکہ وہ مستقبل میں بھی ان کا ممنون رہے۔ الصغیر نے ہسپانویوں کی شرائط سے آگے بڑھتے ہوئے یہ بھی تسلیم کر لیا کہ اسلامی مملکتِ غرناطہ عیسائی بادشاہت کے تحت ایک ذیلی مملکت ہو گی! عیسائیوں کا یہ منصوبہ کامیاب ہوا اور مملکت غرناطہ نے اپنے بادشاہ کی رہائی کے لیے ۶۰ عیسائی قیدی بھی رہا کیے، پانچ سال تک ۱۲ ہزار ڈوبلا (یورپی دینار) بھی ادا کرتی رہی اور بوعبدل کے بیٹے سمیت غرناطہ کے دس معزز مسلمانوں کو عیسائیوں کے ہاں ضمانت کے طور پر نظر بند بھی کروا دیا۔ اس طرح بالآخر ابوعبد اللہ الصغیر کو تین سال بعد ۱۴۸۵ میں رہا کر دیا گیا۔

علماء اور سول نافرمانی

عوام اس معاہدے پر انتہائی مشتعل تھے اور امام ونشریسی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں قاضی القضاۃ ابن الازرق، مفتی المواق، اور قاضی ابوعبد اللہ محمد بن عبد البر رحمہم اللہ کے علاوہ غرناطہ کے دیگر علماء نے معاہدے کے خلاف فتویٰ جاری کیا جس میں یہ بھی ذکر تھا کہ ابوحسن کے بجائے (جو ابوعبد اللہ الصغیر کی غیر موجودگی میں غرناطہ کا کمانڈر تھا) الصغیر کی اطاعت کرنے کا کوئی شرعی جواز نہیں اور ایسی حالت میں الصغیر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف بغاوت ہے۔ چنانچہ غرناطہ میں 'سِول نافرمانی' شروع ہو گئی اور عیسائیوں کے پسندیدہ الصغیر کی حکمرانی خطرے میں پڑ گئی۔

الصغیر نے دنیا پرست تاجروں اور سرحدوں کے قریب بسنے والے دیہاتیوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے اطاعت کے بدلے 'امن' کی ضمانت دی جس سے غرناطہ میں اندرونی تنازع کھڑا ہو گیا۔ الصغیر نے عوام کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک وہ جو اپنے دنیوی مفادات کی خاطر عیسائیوں کے ساتھ امن اور مذاکرات کے خواہاں تھے اور دوسرا وہ جو مدافعانہ جہاد جاری رکھنے کے خواہاں تھے۔ الصغیر کی غداری کا پھل تب نظر آیا جب عیسائیوں نے رندہ شہر کا محاصرہ کیا اور عوام میں پھوٹ کے سبب مجاہدین کے امیر ابوحسن شہید ہو گئے۔

عوامی قیادت اور ایجنٹ حکمران

ابوحسن کی شہادت کے بعد الصغیر کا چچا اور اس کا ہم نام ابوعبد اللہ محمد بن سعد جو کہ اپنے لقب 'الزغل' سے مشہور تھا، غرناطہ اور مجاہدین کا امیر مقرر ہوا۔ ۱۴۸۶ء میں الصغیر عیسائی بادشاہوں کی خفیہ مدد سے شہر غرناطہ کے سپاہیوں کو الزغل کے خلاف لڑنے پر آمادہ کر سکا۔ صلیبی طاقتوں کے ساتھ مل کر مجاہدین کے خلاف سازشیں کرنا قوم و ملت کے مفاد میں انتہائی سنگین غلطی ہے مگر اسے آج تک مسلم حکمران دہراتے چلے آ رہے ہیں۔ اسلام میں قومی اور ملّی وحدت کا تصور اس کے عقیدے کے گرد گھومتا ہے اور جب مسلمانوں میں اور خصوصاً ان کے حکمرانوں میں اپنوں اور غیروں کا عقیدہ چند دنوں کے اقتدار اور خواہشات کی خاطر تبدیل ہو جائے تو قومی وحدت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور وہ اغیار کے لیے تر نوالہ بن جاتے ہیں۔

اس وقت کے سرکاری مشیر اور مصنف ہرنانڈو ڈی پلگر Hernando de Pulgar نے اپنی کتاب 'عظیم کپتان کے عظیم کارناموں کی مختصر روایت' میں لکھا ہے:

> ''عیسائی بادشاہ اور ملکہ نے اس کم عمر بادشاہ (ابوعبد اللہ الصغیر) کو پسند کیا اور اس کے ساتھ حسن سلوک اور امن کا رویہ اپنایا۔ یہ رویہ اس کے علاوہ اس کی مملکت کے ان رعایا کے ساتھ بھی برتا گیا جو اس کی تائید کرتے تھے، جیسے کہ (غرناطہ کے بڑے مسلم محلے) البیازین کے لوگ تھے۔ جو روٹی، تیل اور دیگر ضروریات کے لیے بار بار عیسائی سرزمین میں داخل ہوتے تھے۔ سرحدوں پر موجود عیسائی عوام اور محافظین ان تاجروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے تھے۔''

وہ مزید کہتا ہے:

> ''(ابوعبد اللہ الصغیر) ہسپانوی بادشاہ اور ملکہ کو عاجزانہ پیغام بھیجتا تھا کہ وہ سرحد پر موجود کمانڈروں اور گورنروں کو حکم دیں کہ وہ شہر غرناطہ کا محاصرہ مزید سخت کریں تاکہ البیازین میں وہ اپنے تشخص کو مزید قوی کر سکے۔ بوعبدل کی درخواست کے مطابق جب یہ احکامات سرحد تک پہنچے تو گونزالو فرنانڈز (جو غرناطہ فتح کرنے کے سبب 'عظیم کپتان' کے لقب سے مشہور ہوا) بڑی سعادت مندی سے البیازین میں اس کم عمر امیر (الصغیر) کو خوش کرتا اور

[1] ظاہر ہے کہ یہ فرڈینینڈ ابن الاحمر کے دور کا فرڈینینڈ نہیں بلکہ اس کی آل اولاد میں سے تھا۔

> اس کی خدمت بجالاتا۔ جبکہ البیازین کے عوام تذبذب کا شکار تھے کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ باقی شہر میں بوڑھے بادشاہ (ابو عبد اللہ الزغل) کا گروہ مضبوط ہو رہا ہے۔"

اس طرح الزغل کے سامنے بیک وقت دو محاذ کھل گئے اور اس کی قوت بٹ گئی۔ ایک طرف اس نے ہسپانویوں کے خلاف شہر کا دفاع کرنا تھا اور دوسری طرف الصغیر کے لشکر پر نظر رکھنی تھی کہ کہیں وہ بغاوت نہ کر دے۔

مالقہ کی جنگ اور الصغیر کی غداری

۱۴۸۷ء میں ہسپانویوں نے فیصلہ کیا کہ غرناطہ پر قبضہ کرنے سے پہلے وہ غرناطہ کی اہم بندرگاہ مالقہ کا محاصرہ کریں کیونکہ مالقہ کے ذریعے اہلِ غرناطہ سمندر پار شمالی افریقہ سے زندگی کی بنیادی ضروریات، جنگی ساز و سامان اور افرادی کمک حاصل کرتے تھے۔ امیر الزغل نے اس مشکل وقت میں اندرونی فتنے سے بچنے کے لیے الصغیر کو یہ پیش کش کی کہ وہ امارت چھوڑ کر اس کی قیادت میں لڑنے کے لیے تیار ہے لیکن الصغیر نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ امیر الزغل کے سامنے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ لشکرِ مجاہدین کے ساتھ مالقہ آزاد کرانے کے لیے روانہ ہو۔ ابھی لشکر شہر غرناطہ سے نکلا ہی تھا کہ الزغل کو خبر ملی کہ الصغیر نے غرناطہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ سادہ مطلب یہ تھا کہ تمہارا مالقہ کے لیے لڑنا بے معنی ہے جب تم سے مرکز ہی چھن گیا ہو۔ اس لیے الزغل شہر لوٹنے کے بجائے اپنا لشکر لے کر البَشَرات کے پہاڑی علاقے کی طرف بھاگ نکلا تاکہ وہاں اپنے آپ کو دوبارہ منظم کر سکے اور اسی اثناء ہسپانوی فوج مالقہ پہنچ گئی۔

مالقہ کے مجاہدین احمد الثغری کی قیادت میں ہتھیار ڈالنے یا مذاکرات کے حق میں نہیں تھے۔ درحقیقت انہوں نے مذاکرات کی پیش کش کو انتہائی حقارت سے مسترد کیا اور اپنی فوج کو شمالی افریقہ سے آنے والے بربر مجاہدین سے مضبوط کیا۔ جب عیسائی پہلی فصیل توڑنے میں کامیاب ہوئے تو مسلمان دوسری فصیل کے پیچھے چلے گئے اور ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ ہمت ہار چکے ہیں۔ انہیں صرف شہادت یا فتح کی طلب تھی۔ امیر الزغل کو جب مالقہ کے محاصرے کی خبر ملی تو اس نے ان کی مدد کے لیے استشہادیوں کا ایک دستہ بھیجا۔ عیسائی روایت کے مطابق: "انہیں یقین تھا کہ اگر وہ مالقہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تو یہ ایک عظیم افتخار ہو گا۔ اور اگر نہیں تو (شہادت کی صورت میں) ان کی روحیں محفوظ ہو جائیں گی۔ اس لیے انہوں نے تہیہ کر لیا کہ یا مریں گے یا شہر میں داخل ہوں گے"۔

جبکہ دوسری جانب الصغیر عیسائیوں کا ایجنٹ بنا رہا اور اس دستے کو روکنے کے لیے اپنی 'مسلم' قوت لے کر نکلا۔ 'مسلمان' بمقابلہ 'مسلمان' کے معرکے میں مجاہدین کو شکست ہوئی اور باقی ماندہ مجاہدین واپس پہاڑیوں کی طرف لوٹ گئے۔ ہرنانڈو پُلگر لکھتا ہے کہ بادشاہ فرڈینڈ اور ملکہ ازابیلا نے "اس چال کی قدر کرتے ہوئے ابو عبد اللہ الصغیر کو انعامات میں غرق کر دیا"۔ کیا آپ کو محسوس نہیں ہوتا کہ افغانستان پر صلیبی حملے کے دوران ایک طرف پاکستانی فوج اور دوسری طرف مجاہدین کی کہانی سن رہے ہوں۔ جہاں مشرف نے مجاہدین کو قتل کیا اور باقی کو پہاڑوں کی طرف پناہ لینے پر مجبور کیا۔

الزغل بھی پھسل گیا

ہسپانوی بادشاہ نے ایک اور خائن کمانڈر یحییٰ کو (جو کہ قولاً اور فعلاً مرتد ہو چکا تھا) امیر الزغل کی طرف بھیجا تاکہ اسے عام معافی اور جاگیر داری کے بدلے تسلیم ہو جانے پر قائل کر سکے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اس طرح امیر الزغل نے بھی مزاحمت چھوڑ دی اور اس کے بدلے بادشاہ فرڈینڈ نے اسے البَشَرات کا جاگیر دار بنا دیا۔ لیکن الزغل کو معلوم تھا کہ اگر وہ مزید مملکت غرناطہ میں رہا تو اس کا حال یا یحییٰ کی طرح واضح ارتداد ہو گا اور یا الصغیر کی طرح واضح غداری۔ مایوسی کے عالم میں اس نے اپنی جاگیر دوبارہ بادشاہ کے ہاتھ فروخت کر دی اور رقم اور اپنے ساتھیوں سمیت شمالی افریقہ ہجرت کر گیا۔

کئی روایات یہ بھی صراحت کرتی ہیں کہ الزغل نے صرف اپنے بھتیجے الصغیر سے انتقام کی خاطر البشرات کی جائیداد دوبارہ بادشاہ کو لوٹا دی۔ کیونکہ اس وقت شہر غرناطہ اور البشرات کے علاوہ مملکت غرناطہ کے تمام علاقے الصغیر کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ چنانچہ الزغل نے چاہا کہ البشرات کا علاقہ بھی عیسائیوں کو دے کر الصغیر کے تمام سہارے ختم کر دے اور غرناطہ اسی طرح برباد ہو جائے جیسے دیگر مسلم علاقے برباد ہوئے۔ سوچیے کہ ذاتی حقد و عناد نے کیسے ملک کو برباد کیا!!

غرناطہ تسلیم کرنے کا ڈرامہ

اگرچہ بڑے معرکے ختم ہو چکے تھے لیکن مجاہدین نے اپنی چھوٹی موٹی کارروائیاں جاری رکھیں۔ ان کارروائیوں کی روک تھام کے لیے ہسپانوی الصغیر سے مزید اقدامات اٹھانے کا مطالبہ کرتے رہے جیسے امریکہ پاکستان کو 'ڈو مور' کی ٹرٹی لگاتا رہتا ہے۔ البتہ واقعات نے بظاہر ایک عجیب رخ تب اختیار کیا جب الصغیر نے ان کارروائیوں کے بارے میں ہسپانویوں سے مذاکرات کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن الصغیر کے ماضی اور غرناطہ کے انجام کار سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ اس کی سوچی سمجھی چال تھی تاکہ وہ خفیہ معاہدے کی افواہوں کو ختم کر سکے اور عوام کی نظروں میں ایسا ہیرو نظر آئے جو ہسپانویوں کے سامنے جھکنے کے بجائے آخری دم تک لڑتا رہے گا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ جنگ کو ایسے مرحلے پر لے جائے کہ غرناطہ کے باشندے خود امن کی درخواست کرنے لگیں۔ اور تب الصغیر اپنی محبوب رعایا پر ترس کھاتے ہوئے تسلیم ہو جانے کو بادل نخواستہ قبول کر لے۔ اس دور کے ایک گمنام مصنف نے اپنی کتاب 'غرناطہ کے آخری دن' میں لکھا ہے:

> "بہت سے لوگوں کا دعویٰ ہے کہ امیر غرناطہ (بشمول اس کے وزراء اور کمانڈروں کے) اور عیسائی بادشاہ کے درمیان یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی تھی

کہ وہ ملک تسلیم کر دیں گے۔ لیکن وہ اپنے عوام سے ڈرتے تھے۔ اس لیے ان کی دل جوئی کرنے کے ساتھ ساتھ چالبازی سے کام لیتے تھے۔ جب عوام نے خود وہ کہنا شروع کر دیا جو اِنہوں نے چھپا رکھا تھا تو فوراً مسئلہ حل کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ اس مدت میں الصغیر جنگ سے اس لیے پہلو تہی اختیار کرتا رہا کہ یہ بات عوام کے ذہنوں میں ڈالی جا سکے۔ اور جب غرناطہ کی طرف سے تسلیم ہو جانے کی پیش کش عیسائی بادشاہ کو بھیجی گئی تو وہ پہلے سے ہی تیار بیٹھا تھا۔ عیسائی بادشاہ نے اہلِ غرناطہ کے تمام مطالبات تسلیم کرتے ہوئے غرناطہ کو اپنی تحویل میں لے لیا۔"

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج کل کے حکمرانوں نے الصغیر سے ماکرانہ سیاسی چالیں سیکھی ہیں۔

بالآخر تسلیمِ غرناطہ کے معاہدے پر دستخط ہو گئے اور ۱۴۹۲ء میں عیسائی فوجوں نے شہر کا کنٹرول سنبھال لیا۔ اس طرح اندلس پر اسلام کی حکمرانی تقریباً ۷۸۰ سال مسلسل برقرار رہنے کے بعد ختم ہو گئی۔ اندلس دنیا کا ایک اہم خطہ تھا جہاں ایک وسیع علاقے پر اسلام پھیلا لیکن ذاتی مفادات اور دنیاوی خواہشات کی خاطر اپنوں سے دشمنی اور غیروں سے دوستی نے وہاں اسلام کو صفحۂ ہستی سے ایسے مٹا دیا جیسے کہ کبھی تھا ہی نہیں! آیا ہند میں بھی ایسا ہونے جا رہا ہے؟

ہند اندلس کے آئینے میں

جیسے اندلس میں اموی خلافت کے سقوط کے بعد طوائف الملوکی پیدا ہوئی اسی طرح ہند میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ مستقل ریاستیں وجود میں آئیں۔ ان میں سب سے بڑی اور طاقتور ریاست حیدر آباد دکن کی 'مملکت آصفیہ' اور اس کے بعد سلطان حیدر علی اور شہید ٹیپو کی 'سلطنتِ میسور' تھیں۔ لیکن کیا جیسے اندلس میں اسلامی ریاستوں کی باہمی لڑائی سے عیسائیوں نے فائدہ اٹھا کر اسلام کا خاتمہ کیا اسی طرح ہند میں بھی ہونے جا رہا ہے؟ آیئے مغلیہ سلطنت کے زوال کے وقت مسلم ریاستوں کی باہمی جنگ اور اغیار سے دوستی کے انجام کار پر نظر ڈالیں۔

مملکت آصفیہ

ہندو مرہٹوں کے ہاتھوں دہلی میں مغلیہ سلطنت کی کمزوری کے وقت سلطنت کا وفادار وزیر میر قمر الدین مغل بادشاہوں کی اجازت سے دکن کے علاقے کا انتظام مضبوط کرتا رہا اور بعد میں مغل بادشاہ کی طرف سے نظام الملک آصف جاہ کے لقب سے جنوبی ہند کا صوبہ دار بن گیا۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ حیدر آباد دکن عملاً ایک مستقل مملکت بن گئی اور حقیقت میں نظام الملک آصف جاہ نے مغلیہ سلطنت کے بہت بڑے حصے کو مرہٹوں کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھا۔ لیکن اس کے انتقال کے بعد اس کے دوسرے بیٹے ناصر جنگ اور نواسے مظفر جنگ کی باہمی خانہ جنگی سے مملکت آصفیہ کو بڑا نقصان پہنچا۔ ان دونوں نے اقتدار کی کشمکش میں اندلس کے حکمرانوں کی طرح بیرونی طاقتوں کا سہارا لیا اور پہلی مرتبہ یورپی طاقتوں کو بڑے پیمانے پر براہِ راست برصغیر کی سیاست میں مداخلت کا موقع فراہم کیا۔ اس خانہ جنگی سے دوسرا نقصان یہ ہوا کہ شمالی سرکار، کرناٹک اور جنوب کے کئی علاقے جن میں میسور بھی شامل تھا، نظام کے اقتدار سے باہر نکل گئے جبکہ ریاست کے مشرقی اور شمالی حصوں پر مرہٹے قابض ہو گئے۔ اس طرح نظام الملک کے انتقال کے بعد ۱۵ سال کے اندر ہی ریاست کی حدود نصف رہ گئیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بنی ہود کے جانشینوں کی تاریخ ہند میں دہرائی جانے لگی۔

دوسری طرف ہمسایہ ریاست کرناٹک کے حسین دوست خان (چندا صاحب) نے کرناٹک کا نواب بننے کے لیے مظفر جنگ سے اتحاد کیا اور ناصر جنگ کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ اس کے نتیجے میں کرناٹک کی مشہور جنگیں واقع ہوئیں جن میں انگریز نے ناصر جنگ کی حمایت کی اور فرانس نے مظفر جنگ کی۔ ان جنگوں کے دوران ناصر جنگ بھی قتل کر دیا گیا اور مختصر عرصے کے لیے دکن کا نظام بننے کے بعد مظفر جنگ بھی قتل ہو گیا۔ اس وقت تک فرانسیسی حیدر آباد دکن کے اندرونی معاملات میں اتنے دخیل ہو چکے تھے کہ ان کے کمانڈر نے مظفر جنگ کی جگہ آصف جاہ کے تیسرے بیٹے صلابت جنگ کو نظام بنا دیا اور اس کا دیوان (یعنی کہ وزیر اعظم) 'راجہ داس' نامی ایک شخص؟ کو مقرر کیا۔ اگرچہ بعد میں دربار میں غیر مسلموں کی موجودگی سے پیدا ہونے والی بے چینی کے سبب ایک سید لشکر خان کو دیوان مقرر کر دیا گیا۔ صلابت خان نے فرانسیسی کمانڈر 'ڈی بسی' کو باقاعدہ اپنی فوج میں بھرتی کر لیا جیسا کہ بنی ہود نے عیسائی قنبیطور کو بھرتی کیا تھا اور اس سے بھی آگے بڑھ کر فرانس کو ریاست حیدر آباد دکن کا حامی قرار دے دیا۔

ابھی حالات کچھ سنبھلے ہی تھے کہ آصف جاہ کے سب سے بڑے بیٹے فیروز جنگ نے (جو کہ اس وقت مغل بادشاہ کے ہاں وزیر تھا) بادشاہ سے دکن کی صوبہ داری کا فرمان حاصل کیا اور ہندو مرہٹوں کو ساتھ ملا کر اپنے بھائی صلابت خان سے لڑنے نکلا۔ مرہٹوں کو جنگ پر قائل کرنے کے لیے اسے جنگ سے پہلے ہی مرہٹوں کو خان دیش کا علاقہ اور پانچ لاکھ روپے دینے پڑے۔ لیکن دکن کے علاقے میں ابھی داخل ہی ہوا تھا کہ نامعلوم حالات میں مر گیا اور صلابت خان اپنی جگہ پر برقرار رہا۔

صلابت خان کو لمبے عرصے کے لیے مقامی اور فرانسیسی فوج کو بھی بھاری رقم ادا کرنے میں دقت پیش آ رہی تھی جس کے سبب فوج میں بد دلی پھیل گئی تو دیوان سید لشکر خان نے سوچا کہ فرانسیسیوں کے خلاف انگریزوں سے مدد طلب کی جائے۔ جب ڈی بسی کو علم ہوا تو وہ لشکر لے کر دکن کے دار الحکومت اورنگ آباد کی طرف بڑھا۔ اس کا اورنگ آباد آنا ہی تھا کہ بزدل اور چاپلوس سید لشکر خان اور صلابت خان کو اپنے ہاتھیوں سے اتر کر اس کا استقبال کرنا پڑا اور آئندہ کے لیے مزید ذلت آمیز شرائط پر فرانسیسیوں سے معاہدہ کیا۔

آصف جاہ کے چوتھے بیٹے میر علی خان نے اپنے بھائی صلابت خان کے تحت عملی زندگی کا آغاز مرہٹوں کے خلاف نمایاں کامیابی سے کیا، جس پر مغل بادشاہ نے اسے صلابت خان کی جگہ دکن کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ یاد رہے کہ مرہٹوں کے خلاف میر علی خان کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھے کہ اس وقت مرہٹے احمد شاہ ابدالی کے حملوں کی وجہ سے ویسے ہی کمزور پڑ چکے تھے۔ بہر حال میر علی خان نے ۱۷۶۲ء میں صلابت خان کو معزول کر کے اسے قتل کر دیا اور خود آصف جاہ دوم کا لقب اختیار کرتے ہوئے حیدر آباد کا نظام بن گیا۔ جب تک میر علی خان نظام الملک بننے میں کامیاب ہوا اس وقت تک یورپ میں جنگوں کے سبب فرانسیسی انگریز آباد کاروں کے مقابلے میں اتنے کمزور پڑ چکے تھے کہ انگریزوں نے ہند میں فرانس کی تمام نو آبادیات پر قبضہ کر لیا۔ چنانچہ میر علی خان نے مناسب سمجھا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ فرانسیسیوں کے بجائے انگریزوں سے دوستی بڑھائی جائے۔ اور رفتہ رفتہ انگریزوں کی دوستی ان کی ماتحتی میں تبدیل ہو گئی۔ حیدر آباد پر میر علی خان کی ۴۰ سالہ طویل حکومت کے پیچھے ایک اہم سبب اپنوں سے غداری اور انگریزوں سے دوستی تھی۔ لیکن اقتدار کے آخری عرصے میں میر علی خان کو انہی مرہٹوں کے ہاتھوں شکست کھانی پڑی جن کے خلاف کامیابی کے سبب اسے اقتدار ملا تھا۔ اور ہر جانے کے طور پر اسے مرہٹوں کو ریاست کے سابقہ دار الحکومت اورنگ آباد سمیت اپنے تین بڑے شہر اور ان کے علاوہ ۳۰ لاکھ روپے دینے پڑے۔

سلطنت میسور

جس وقت آصف جاہ دوم نظام الملک بنا تقریباً اسی وقت اس کے جنوب میں مملکت میسور میں بھی سیاسی تبدیلیاں آ رہی تھیں۔ طویل عرصے سے مغل سلطنت کی باج گزار رہنے کے سبب ریاست میسور میں مسلمانوں کا اثر و نفوذ بڑھ گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب مملکت کے ہندو راجہ نے فوج کے سپہ سالار حیدر علی کو ۱۷۶۱ء میں قتل کرنے کی کوشش کی تو جواب میں حیدر علی نے مملکت کے اطراف میں اپنی فوج جمع کر کے میسور کے دار الحکومت سرنگاپٹم پر قبضہ کر لیا اور ہندو راجہ کو سلطنت کے معاملات سے بے دخل کر کے خود براہ راست مغلیہ سلطنت کے تحت خود مختار سلطان بن گیا۔ حیدر علی کو اپنے ۲۰ سالہ دورِ حکومت میں مرہٹوں اور انگریزوں کے علاوہ مسلم ہمسائے نظام دکن سے بھی مقابلہ کرنا پڑا۔ اگرچہ ان لڑائیوں میں اس کو ناکامیاں بھی ہوئیں، لیکن اس کے باوجود اس نے مالابار کے ساحل سے لے کر دریائے کرشنا تک ایک بہت بڑی ریاست قائم کر لی اور انگریزوں کو کئی بار زبردست شکست دی۔

آصف جاہ دوم کی غداری

آصف جاہ دوم کو حیدر علی کی ابھرتی ہوئی شخصیت سے ڈر تھا، اس لیے اس نے حیدر علی کے خلاف ہندو مرہٹوں اور عیسائی انگریزوں سے اتحاد کیا۔ ۱۷۶۶ء میں انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی نے حیدر آباد دکن کے مشرق میں 'شمالی سرکار' کے اہم ساحلی علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کیا لیکن آصف جاہ دوم نے ان کے مقابلے کے بجائے ان سے مذاکرات کیے اور تین چار ساحلی علاقے دینے کے بدلے ان سے حیدر علی کے خلاف لڑنے کے لیے انگریز فوجی دستے حاصل کیے۔

دوسری طرف نظام نے حیدر علی کے خلاف مرہٹوں کے ساتھ بھی اتحاد کیا جنھوں نے منصوبے کے مطابق پہل کرتے ہوئے سلطنتِ میسور پر حملہ کر دیا۔ حیدر علی نے حملہ رکوانے کے لیے مرہٹوں سے مذاکرات کیے اور انہیں ۳۰ لاکھ روپے کے بدلے واپس جانے پر راضی کیا۔ لیکن جیسے ہی مرہٹے واپس جا رہے تھے آصف جاہ دوم انگریز دستوں کی مدد سے میسور پر حملے کے لیے بڑھ رہا تھا۔ چنانچہ حیدر علی نے نظام سے بھی مذاکرات کیے اور واپس جانے کے بدلے ۱۸ لاکھ روپے دیے۔ لیکن اس سے بڑھ کر یہ کیا کہ اسے قائل کیا کہ برصغیر میں انگریزوں کے بڑھتے ہوئے خطرے کو روکنے کے لیے وہ دونوں مل کر لڑیں گے۔

نظام کے ساتھ آئے ہوئے برطانوی کرنل سمتھ کو اس اتحاد کے بارے میں معلوم ہوا تو اس نے پیش بندی کے طور پر مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ حیدر علی نے جنوبی ہند میں انگریزوں کے مرکز مدراس کی طرف بڑھتے ہوئے راستے میں آنے والی انگریزوں کی وفادار ریاست کرناٹک پر حملہ کیا جو ساحلی شہر مدراس کو تینوں اطراف سے گھیرنے کے سبب انگریزوں کے لیے ایک دفاعی حصار تھی۔ اس طرح ۱۷۶۷ء میں پہلی انگریز میسور جنگ چھڑ گئی۔ ایک طرف میسور کے ساتھ حیدر آباد دکن کی ریاست تھی اور دوسری طرف انگریزوں کے ساتھ کرناٹک کی ریاست اور مرہٹے تھے۔ انگریزوں نے آصف جاہ دوم کو دوبارہ اپنے ساتھ ملانا چاہا لیکن پہلے اس نے انکار کر دیا۔ البتہ جب ابتدائی معرکوں میں اسے حیدر علی کی ناکامی نظر آئی تو اپنا رخ بدل کر انگریزوں کے ساتھ خفیہ مذاکرات شروع کر دیے اور ۵۰ ہزار کے بدلے اگلے سال انگریزوں کو شمالی سرکار کے مزید علاقے دے کر امن کا معاہدہ کر لیا۔ واضح نظر آتا ہے کہ آصف جاہ پہلے ہی حیدر علی سے مخلص نہیں تھا۔ اسے صرف اپنا خزانہ بھرنے کی فکر تھی۔ البتہ حیدر علی اپنی جنگی حکمت عملی کے بل بوتے پر اکیلا مدراس پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جس سے انگریز بوکھلا گئے اور ۱۷۶۹ء میں اس کے ساتھ معاہدہ کرنے پر مجبور ہوئے۔

دوسری انگریز میسور جنگ

حیدر علی کی نظر میں برصغیر کو سب سے بڑا خطرہ انگریزوں کی جانب سے لاحق تھا اسی لیے وہ نظام دکن اور مرہٹوں کی توجہ اصل دشمن کی طرف مبذول کراتا رہا اور دونوں کو انگریز کے خلاف اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہوا۔ دوسری جانب انگریزوں کے مقابلے کے لیے حیدر علی نے مدراس کے جنوب میں فرانسیسیوں کے ساحلی علاقے 'ماہی' کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ چونکہ وہاں سے حیدر علی کو فوجی کمک ملتی تھی اور انگریزوں کو خبردار کیا کہ یہ علاقہ اب اس کے دائرۂ اختیار میں ہے۔ لیکن برطانیہ نے پہلی میسور جنگ کے اختتام پر طے ہونے والے

معاہدے کو ایک سال سے بھی کم مدت میں توڑتے ہوئے ۱۷۸۰ء میں ماہی پر حملہ کر دیا اور اس طرح دوسری انگریز میسور جنگ شروع ہو گئی۔ ابھی میسور کی دوسری جنگ جاری تھی کہ ۱۷۸۲ء میں حیدر علی کا اچانک انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا ٹیپو سلطان ۳۲ سال کی عمر میں سلطان بن گیا۔ وہ ایک تجربہ کار سپہ سالار تھا اور اپنے والد کے زمانے میں میسور کی تمام لڑائیوں میں شریک رہ چکا تھا۔ حیدر علی کے انتقال کے بعد سلطان ٹیپو نے تنہا جنگ جاری رکھی کیونکہ مرہٹے اور نظام دکن انگریزوں کی سازش کا شکار ہو کر اتحاد سے علیحدہ ہو چکے تھے۔ اگر مرہٹے اور نظام انگریز کے خلاف ان جنگوں میں غداری نہ کرتے اور عین وقت پر ساتھ نہ چھوڑتے تو کم از کم جنوبی ہند سے انگریزی اقتدار کا خاتمہ ہو سکتا تھا۔ ان جنگوں میں ٹیپو سلطان نے ہند کی تاریخ میں انگریزوں کو سب سے بڑے نقصان سے دوچار کیا یہاں تک کہ ۱۷۸۴ء میں انگریز انتہائی ذلت آمیز معاہدہ کرنے پر مجبور ہوئے۔ انگریزوں کے ساتھ براہ راست جنگ ہونے کے باوجود نظام اور مرہٹے جنگ کے بعد بھی چند وقتی مفادات کے بدلے انگریزوں کی خاطر سلطنت میسور کے ساتھ مسلسل جھگڑتے رہے۔

ٹیپو سلطان اور 'سلطنت خداداد میسور'

۱۷۸۶ء میں ٹیپو سلطان نے سلطنت میسور میں مزید اصلاحات لاتے ہوئے ہندو راجے کو یکسر معزول کر کے سلطنت کا نام 'سلطنت خداداد میسور' رکھ دیا۔ مسلم سلاطین کے تحت میسور جس نقطۂ عروج پر پہنچا وہ اس سے پہلے اپنی پوری تاریخ میں کبھی نہیں پہنچا تھا۔ اگرچہ حیدر علی اَن پڑھ تھا لیکن سیاست، جنگ اور انتظام کا ماہر تھا۔ جبکہ اس کا بیٹا ٹیپو سلطان پڑھا لکھا بھی تھا اور انتہائی دیندار بھی۔ دونوں باپ بیٹے نے انتہائی مؤثر فوجی اصلاحات نافذ کیں، صنعت و تجارت کو فروغ دیا اور انتظامیہ کو از سر نو منظم کیا۔ یہ کارنامے اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں کوئی دوسرا حکمران انجام نہیں دے سکا۔ ٹیپو سلطان نے اپنی ریاست کے عوام کی اخلاقی و معاشرتی خرابیاں دور کرنے کے لیے اصلاحات نافذ کیں۔ شراب اور نشہ آور چیزوں پر پابندی لگائی، شادی بیاہ کے موقع پر ہونے والی فضول رسومات بند کرائیں اور غیر شرعی پیری مریدی پر بھی پابندی لگائی۔

ٹیپو سلطان نے ریاست سے جاگیرداری کا نظام ختم کر کے زمینیں کاشتکاروں میں تقسیم کر دیں جس سے کسانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ ٹیپو سلطان نے کوشش کی کہ ہر چیز ریاست میں تیار ہو اور باہر سے منگوانا نہ پڑے۔ اس مقصد کے لیے اس نے کئی کارخانے قائم کیے یہاں تک کہ اپنے والد حیدر علی کی مایہ ناز ایجاد 'میسوری راکٹ' سمیت دیگر ہتھیار بھی ریاست میں تیار ہونے لگے۔ بعد میں انگریزوں نے میسوری راکٹ کے طرز پر Congreve راکٹ بنا کر یورپ میں فرانس کے خلاف استعمال کیا اور یوں راکٹ عالمی سطح پر متعارف ہوا۔

ٹیپو سلطان کی اصلاحات سے اگرچہ مفاد پرستوں کو نقصان پہنچا اور بہت سے لوگ سلطان کے خلاف بھی ہوئے لیکن عوام کی خوشحالی میں اضافہ ہوا اور ترقی کی رفتار تیز ہو گئی۔ میسور کی خوشحالی کا اعتراف اس زمانے کے ایک انگریز نے ان الفاظ میں کیا:

> "میسور ہندوستان کا سب سے سر سبز علاقہ ہے۔ یہاں ٹیپو کی حکمرانی ہے۔ میسور کے باشندے ہندوستان میں سب سے زیادہ خوشحال ہیں۔ اس کے برعکس انگریز مقبوضات صفحۂ عالم پر بدنما دھبّوں کی حیثیت رکھتے ہیں، جہاں رعایا قانونی شکنجوں میں جکڑی ہوئی پریشان حال ہے۔"[1]

جنگی قابلیت کے علاوہ ٹیپو سلطان کے تحت میسور کی یہ ترقی بھی انگریزوں کو بہت ناگوار گزری۔ اس لیے انہیں ٹیپو جنوبی ہند پر اپنے اقتدار کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ نظر آنے لگا۔

بنگال اور شمالی ہند میں انگریزوں کو مسلمانوں کی طرف سے کسی سخت مقابلے کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ان کی منظم افواج اور برتر اسلحے کے آگے کوئی نہ ٹھہر سکا لیکن جنوبی ہند میں یہ صورت حال نہیں تھی۔ یہاں حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے قدم قدم پر انگریزوں کی جارحانہ کارروائیوں کا مقابلہ کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اورنگ زیب عالمگیر کے انتقال کے بعد اسلامی ہند میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان جیسی حیرت انگیز صلاحیت رکھنے والا کوئی تیسرا حکمران نظر نہیں آتا جنہوں نے دورِ زوال میں بے مثل سیاسی قابلیت، تدبر اور بہادری سے میدان جنگ میں کئی بار انگریزوں کو شکست دی۔

میسور کے فرانس کے ساتھ تعلقات

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے دور میں سلطنت میسور کے فرانس کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔ لیکن ان تعلقات کی نوعیت آصف جاہ دوم کے انگریز کے ساتھ تعلقات سے بالکل مختلف تھی۔ فرانسیسیوں سے روابط کی ایک وجہ یورپ میں برطانیہ اور فرانس کی باہمی جنگیں تھیں جن کے اثرات ہند میں بھی دکھائی دے رہے تھے۔ ہند کے مشرق اور شمال میں انگریز کے غلبے کو دیکھتے ہوئے اور صلابت خان کے قتل کے بعد فرانس مجبور تھا کہ وہ جنوب میں کسی مضبوط ریاست سے اتحاد کرے اور میسور اس کے لیے سب سے زیادہ موزوں تھی کیونکہ حیدر علی فرانس کے ساتھ تعلقات استوار ہونے سے پہلے ہی انگریزوں کے خلاف لڑ رہا تھا۔ دوسری طرف انگریز کے خلاف لڑنے کے لیے سلطنت میسور کو بھی جدید جنگی مہارتوں اور ہتھیاروں کی ضرورت تھی جو فرانس فراہم کرنے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ لیکن اس حوالے سے بھی میسور نے فرانس پر کلی انحصار نہیں کیا بلکہ اپنی مملکت میں ہی اسلحے کے مقامی کارخانے بنا ڈالے۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کو ہند میں فرانسیسیوں کی کمزوری

---

[1] کمپنی کی حکومت از باری صفحہ ۲۲۷، مطبوعہ نیا ادارہ لاہور ۱۹۶۹ء۔ از وکی پیڈیا۔

صاف نظر آ رہی تھی اس لیے وہ انگریزوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو سب سے بڑا خطرہ سمجھتے تھے۔ صلابت خان کے بر خلاف ان دونوں نے فرانس کو اپنی حکومت پر اثر انداز ہونے کا موقع دینے کے بجائے الٹا کمزور دشمن کو مشترکہ طاقتور دشمن کے خلاف استعمال کیا۔ ذہن میں رہے کہ دوسری انگریز میسور جنگ کے عین درمیان ۱۷۸۳ء میں فرانس جنگ سے نکل گیا تھا کیونکہ اس وقت یورپ میں اس کا برطانیہ سے معاہدہ ہو چکا تھا لیکن پھر بھی ۱۷۸۴ء تک ٹیپو سلطان انگریزوں سے اکیلا لڑتا رہا اور انگریزوں کو ہند میں سب سے ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔

تیسری انگریز میسور جنگ میں جب نظام نے الٹا انگریز کا ساتھ دیا، ٹیپو سلطان نے ہمسایہ اسلامی مملکت ارکال کی سلطانہ ’علی راجہ بی بی جنومابی‘ اور ’ماپیلا‘ کے مسلمانوں سے مدد حاصل کی جبکہ جنوب میں واقع انگریزوں کی اتحادی ہندو ریاست ٹراونکور پر حملہ کیا۔ اور چوتھی انگریز میسور جنگ میں سلطان ٹیپو کرناٹک کے نواب اور مغل سلطنت کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہوا۔ اس پورے منظر نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام کے بر خلاف حیدر علی اور ٹیپو نے کبھی بھی اپنی ہمسایہ اسلامی سلطنتوں کو بنیادی دشمن نہیں بنایا، بلکہ ان کی جنگ کا محور و مرکز انگریز اور ہندو رہے تھے۔ دشمنوں کا یہ چناؤ وقت کی بہترین حکمت عملی اور اسلام سے وفاداری تھی۔ دوستی اور دشمنی کا یہ معیار نظام الملک آصف جاہ دوم کے نام ٹیپو سلطان کے خط میں بھی واضح طور پر نظر آتا ہے۔ جس میں ٹیپو سلطان لکھتے ہیں:

> ”میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ مرہٹوں کے ساتھ مل کر اپنے ہی ملک کے باشندوں کو تباہ کرنے، ملک کو کھوکھلا کرنے اور اس کے معاشی اور ثقافتی حالات کو تباہ و تاراج کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ معلوم ہو کہ آپ دونوں کی ملی بھگت کی وجہ سے میرا ملک اور وطن پامال اور میری رعایا کو شکستہ حال کیا جا رہا ہے۔ میں نے آپ کو رازداری میں یہ بھی سمجھایا تھا کہ اگر آپ اور میں دونوں مل کر ہم خیال بن جاتے ہیں تو مرہٹوں کی کیا مجال کہ وہ ہماری ریاستوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہی ہے کہ اپنی عیاری اور چالاکی کی وجہ سے انگریز آپ کو مجھ سے ملنے نہیں دیتے اور آپ کے دل میں کدورت بھرتے چلے آ رہے ہیں۔ اور تعجب ہے کہ آپ اس بات کو سمجھ نہیں رہے ہیں۔ وہ آپ کو اکسا رہے ہیں کہ آپ مرہٹوں کے ساتھ مل کر میرے خلاف فوج کشی کرتے رہیں۔“

انگریزوں کے خلاف جہاد

انگریزوں اور میسور کے درمیان دوسری انگریز میسور جنگ کو چھ سال ہوئے تھے کہ انگریزوں نے حسب معمول معاہدے کو بالائے طاق رکھ کر نظام حیدر آباد اور مرہٹوں کے ساتھ مل کر میسور پر حملہ کر دیا اور اس طرح ۱۷۹۰ء میں انگریز میسور کی تیسری جنگ کا آغاز ہوا۔ یاد رہے کہ جہاں سلطنت میسور انگریزوں کے خلاف مسلسل تناؤ کی کیفیت میں تھی، نظام انگریزوں کے سامنے مسلسل بچھے جا رہا تھا یہاں تک کہ ۱۷۸۸ء میں اس نے تیسری دفعہ آخری شمالی سرکار بھی انگریزوں کو دو فوجی بٹالین کے بدلے دے دی۔ نظام کی یہ حرکت انگریز کے لیے تیسری میسور جنگ سے پہلے ہی بڑی کامیابی تھی جس کے نتیجے میں انہوں نے مشرق کے علاوہ میسور کی شمالی سرحد، حیدر آباد دکن میں اپنی فوج تعینات کر دی اور نظام کی حمایت بھی یقینی بنالی۔ اس سہ فریقی قوت کا مقابلہ ٹیپو سلطان کے بس میں نہیں تھا اس لیے دو سال مقابلہ کرنے کے بعد وہ صلح کرنے پر مجبور ہوا جس میں اسے اپنی نصف ریاست سے دستبردار ہونا پڑا۔

جنگ میں یہ ناکامی ٹیپو سلطان کے لیے بڑی تکلیف دہ ثابت ہوئی، یہاں تک کہ اس نے ہر قسم کا عیش و آرام ترک کر دیا اور اپنی پوری توجہ انگریزوں کے خطرے سے نپٹنے پر مرکوز کر دی۔ نظام دکن اور مرہٹوں کی طرف سے وہ مایوس ہو چکا تھا اس لیے اس نے افغانستان، ایران اور یہاں تک کہ عثمانی خلافت تک اپنے سفیر بھیجے اور انگریزوں کے خلاف متحدہ اسلامی محاذ بنانا چاہا۔ لیکن افغانستان کے بادشاہ زمان شاہ کے علاوہ اور کوئی ٹیپو سے تعاون کرنے کی حالت میں نہیں تھا۔ شاہ افغانستان بھی پشاور سے آگے نہ بڑھ سکا کیونکہ انگریزوں نے ایران کو بھڑکا کر افغانستان پر حملہ کرا دیا اور زمان شاہ کو واپس کابل جانا پڑا۔ جبکہ عثمانی سلطان سلیم ثالث مصر سے فرانس کا قبضہ ختم کرانے میں برطانیہ کی مدد وصول کرنے کے باعث انگریزوں کے خلاف ٹیپو سلطان کی مدد نہ کر سکا۔

انگریزوں نے ٹیپو سلطان کے سامنے امن قائم کرنے کے لیے فوجی امداد کے نظام Subsidiary System کے تحت ایسی شرائط پیش کیں جن کو کوئی باعزت حکمران قبول نہیں کر سکتا تھا۔ اگرچہ نواب اودھ اور نظام دکن ان شرائط کو تسلیم کرکے انگریزوں کی بالادستی قبول کر چکے تھے جس کے بعد حیدر آباد کی آصف جاہی مملکت اپنے قیام کے ۴۷ سال بعد انگریزوں کی ماتحت ریاست بن گئی تھی۔ مگر ٹیپو کے انکار پر ۱۷۹۹ء میں انگریزوں نے میسور کی چوتھی جنگ چھیڑ دی۔ اگرچہ میسور کے دار الحکومت سرنگاپٹم کی شکست یقینی ہو چکی تھی لیکن ٹیپو نے محاصرہ کرنے والے انگریزوں کے خلاف بھرپور مزاحمت کی اور قلعے کو بند کروا دیا۔ اس نازک موقع پر ٹیپو کے وزیر اعظم میر صادق، درباری غلام علی، اور فوجی سردار پورنیا نے اندرونِ خانہ انگریزوں سے ساز باز کر لی۔ میر صادق نے انگریزوں کو سرنگاپٹم کے قلعے کا نقشہ فراہم کیا اور پورنیا اپنے دستوں کو تنخواہ دینے کے بہانے فوج کو دار الحکومت سے پیچھے لے گیا۔ اس طرح انگریز قلعے میں داخل ہو گئے اور قلعے کے اندر زبردست جنگ چھڑ گئی۔ لیکن بارود کے ذخیرے میں آگ لگ جانے کے باعث مزاحمت کمزور پڑ گئی۔ اس موقع پر ایک فرانسیسی افسر نے ٹیپو کو جان بچانے کے لیے بھاگ جانے کا مشورہ دیا تو ٹیپو نے اپنا مشہور جملہ کہا:

> ”شیر کی ایک دن کی زندگی، گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔“

جب ٹیپو سلطان براہ راست مقابلہ کرنے کے لیے قلعے کے دروازے سے باہر نکلا تو میر صادق نے پیچھے سے دروازہ بند کرا دیا اور سلطان کی موجودگی کی اطلاع انگریزوں کو دے دی جس کے

نتیجے میں انگریز قلعے کے تمام اطراف سے سمٹ کر دروازے پر گولیاں برسانے لگے۔ اس سخت حالت میں بھی ٹیپو سلطان نے بہادری سے لڑتے ہوئے کئی انگریزوں کو جہنم واصل کیا اور بالآخر ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو جام شہادت نوش کیا۔

مجاہد ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت سے میسور کی اسلامی ریاست ختم ہو گئی اور انگریزوں نے مملکت میسور پر دوبارہ ہندو شاہی خاندان کے ایک فرد کو اعزازی راجہ مقرر کیا اور انتظامات خود اپنے ہاتھ میں رکھ لیے۔ سراج الدولہ، واجد علی شاہ اور بہادر شاہ ظفر کے مقابلے میں ٹیپو سلطان کی موت کتنی شاندار تھی۔ جب انگریز جنرل کو سلطان کی شہادت کی اطلاع ملی تو وہ چیخ اٹھا کہ: ''اب ہندوستان ہمارا ہے''۔ انگریزوں نے گرجوں کے گھنٹے بجا کر اور مذہبی رسوم ادا کر کے سلطان کی موت پر مسرت کا اظہار کیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے ملازمین کو انعام و اکرام سے نوازا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اب ہندوستان میں برطانوی اقتدار مستحکم ہو گیا اور اس کو اب کوئی خطرہ نہیں۔

۱۹۴۷ میں تقسیم ہند کے وقت میسور کے ودیار راجے نے ریاست میسور کا انڈیا سے الحاق کر دیا۔ ۱۹۵۶ میں بھارتی حکومت نے لسانی بنیادوں پر مدراس، حیدر آباد اور بمبئی کے کئی علاقوں کو میسور میں شامل کر دیا اور ۱۹۷۰ میں اس وسیع ریاست کا نام بدل کر کرناٹکا رکھ دیا اور یوں سلطنت میسور اپنوں کی غداری کے سبب صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔

ہند میں مسلمانوں کا زوال

اسلامی سلطنت میسور نے نظام آصف جاہ دوم کے ساتھ متحدہ محاذ بنا کر انگریزوں کو نکالنے کا جو منصوبہ تیار کیا تھا اگر نظام اس میں تعاون کرتا تو شاید آج برصغیر کی تاریخ مختلف ہوتی۔ ۱۷۹۸ میں نظام نے ذلت آمیز شرائط کو مانتے ہوئے انگریزوں کے فوجی امدادی نظام کو قبول کرتے ہوئے ان کی بالادستی قبول کی۔ پھر ٹیپو سلطان کی شہادت سے انگریزوں کا سب سے طاقتور حریف ختم ہونے کے بعد آصف جاہ دوم ان کے مقابلے میں بالکل ہی بے بس ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کی رہی سہی آزادی ۱۸۰۰ء میں ختم کر دی گئی اور حیدر آباد برطانوی ہند کی ایک محکوم ریاست بن گئی۔

۱۷۶۱ میں جب سلطان حیدر علی اور نظام آصف جاہ اول اپنی اپنی ریاستوں کے حکمران بنے اس وقت پانی پت کی جنگ میں احمد شاہ ابدالی نے مغلیہ سلطنت کو مرہٹوں سے بچانے کے لیے دہلی پر حملہ کیا تھا جس میں فتح حاصل کرنے کے بعد احمد شاہ کمزور مغل بادشاہ شاہ عالم دوم کو مقرر کر کے واپس چلا گیا۔ احمد شاہ کے جانے کے بعد مغلیہ سلطنت کی آخری امید ریاست حیدر آباد سے وابستہ تھی لیکن حیدر آباد دکن خود انگریزوں کے سامنے بچھا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ پہلی میسور جنگ کے بعد آصف جاہ دوم اتنا کمزور ہو گیا کہ ۱۷۷۲ میں مرہٹے دوبارہ دہلی پر قابض ہو گئے۔ اور دوسری میسور جنگ ختم ہوتے ہی ۱۷۸۴ میں مرہٹوں نے ریاست حیدر آباد کے بجائے اپنے آپ کو مغلیہ سلطنت کا حامی قرار دے دیا۔ ۱۸۱۸ میں انگریز نے مرہٹوں کو شکست دی اور اب ہندو مرہٹوں کی جگہ عیسائی انگریز مغلیہ سلطنت کے حامی بن گئے۔ بعد میں انگریزوں نے ہند پر استعماری حکومت کا اعلان کر دیا جس کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر ہلچل پیدا ہوئی اور ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی برپا ہوئی۔ جنگ آزادی میں مسلمانوں کی شکست پر آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو جلاوطن کر کے ہندوستان ایسٹ انڈیا کمپنی کے بجائے براہ راست برطانوی بادشاہ کے راج میں چلا گیا۔ یہاں تک کہ تحریک آزادی ہند کے نتیجے میں ہندوستان ۱۹۴۷ میں ہندو اور مسلم کے اکثریتی علاقوں کی بنا پر دو علیحدہ ریاستوں میں تقسیم ہو گیا۔

تقسیم ہند کے وقت حیدر آباد کے نظام آصف جاہ ہفتم عثمان علی خان نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ نہ انڈیا کے ساتھ الحاق کرے گا اور نہ پاکستان کے ساتھ۔ لیکن یہ انڈیا کو منظور نہیں تھا جبکہ پاکستان میں نہ اتنا دم خم تھا اور نہ ہی سیاسی ارادہ تھا کہ حیدر آباد اور اس کے مسلم عوام کے بارے میں کچھ سوچے۔ انڈیا سے لاحق خطرے کے تناظر میں نظام نے اقوام متحدہ اور برطانیہ کی طرف رجوع کیا، لیکن یہ کچھ ایسا ہی کھیل تھا جیسے غرناطہ کے ابو عبد اللہ الصغیر نے کھیلا۔ انڈیا نے ۱۳ ستمبر ۱۹۴۸ کو ریاست میں فوجی آپریشن شروع کر دیا جس کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر ہندو مسلم فسادات پھیل گئے۔ انڈین حکومت کی رپورٹ کے مطابق ۲۷ سے ۴۰ ہزار افراد ہلاک ہوئے لیکن دیگر آزاد ذرائع کے مطابق ہلاکتیں ۲ لاکھ سے زیادہ تھیں جن میں اکثریت مسلمان تھی۔ یہ انڈین فوج اور مقامی ہندوؤں کی طرف سے مسلم خواتین کی عصمت دری کے علاوہ تھا جس سے بربشتر پر فرانسیسی حملے کی یاد آتی ہے۔ لیکن مشرق و مغرب میں ہمسایہ پاکستان احمد بن ہود کی طرح تماشائی بنا رہا۔ نظام نے اگرچہ اقوام متحدہ کو اس ناجائز حملے سے آگاہ کیا تھا لیکن کسی طرف سے کوئی خاطر خواہ جواب نہ ملنے پر ۱۷ ستمبر کو انڈیا کے سامنے تسلیم ہو گیا۔ ابتدائی طور پر ریاست کو بعینہ ہندی اتحاد میں شامل کر لیا گیا لیکن ۱۹۵۶ء میں اسے لسانی بنیادوں پر توڑ کر پڑوسی ریاستوں آندھرا پردیش، کرناٹکا اور مہاراشٹر میں تقسیم کر کے صفحۂ ہستی سے ختم کر دیا گیا۔

کل اندلس اور آج ہند

تقسیم ہند کے بعد

یہ نہ سمجھیے کہ اندلس اور ہند کا ماضی دوبارہ نہیں دہرایا گیا اور نہ دہرایا جا سکتا ہے۔ بلکہ کئی دفعہ ماضی کی نسبت زیادہ شدت سے دہرایا گیا۔ برصغیر کی استعماری طاقتوں سے نام نہاد آزادی کے بعد بھی مسلمانوں نے اپنے ماضی سے سبق نہ سیکھا اور دور جدید میں بھی دوستی اور دشمنی کا معیار عقیدہ 'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' کے بجائے ذاتی خواہشات، وقتی مفادات اور کفریہ نظریات کو بنائے رکھا۔ ہند کے تقسیم ہوتے ہی مسلمان گویا تین بھائیوں میں تقسیم ہو گئے۔ 'مشرقی' بنگلہ

دیش، 'وسطی' انڈیا اور 'مغربی' پاکستان [1]۔ اگرچہ مشرقی اور مغربی بھائی نے ۱۹۷۱ میں باقاعدہ طور پر آپس میں زمین تقسیم کر لی لیکن اس کی ابتدا تقسیم ہند کے محض دو سال بعد یعنی ۱۹۴۹ میں ہی شروع ہو گئی تھی جب 'مشرقی پاکستان عوامی مسلم لیگ' بنگالی قومیت کی بنیاد پر 'پاکستان مسلم لیگ' سے علیحدہ ہو گئی۔ اور وسطی بھائی کا یہ خیال تھا کہ وہ 'سیکولر' نظریے کو اپنا کر ہندو اکثریت علاقے میں اپنا دین بچانے میں کامیاب رہے گا۔ اگرچہ ان میں بہت سے ایسے بھی تھے کہ وسائل نہ ہونے کے سبب ہجرت نہ کر سکے۔ سیکولرزم کو قبول کرنے کے بعد وسطی بھائی کی آل اولاد میں سے بعض 'مذہبی سیکولر' بن گئے اور بعض مکمل 'لادین سیکولر' بن گئے۔

مشرقی اور مغربی بھائیوں کے درمیان جھگڑا 'علاقائی' اور 'لسانی' حقوق سے شروع ہوا، لیکن جلد ہی اس جھگڑے نے 'مذہب' کی بنیاد پر قائم ہونے والے 'دو قومی نظریے' میں دراڑ پیدا کر کے 'وطن' اور 'زبان' کی بنیاد پر 'دو قومی نظریہ' اپنا لیا، جو کہ مغرب میں انقلابِ فرانس کے بعد جدید ریاستوں کے وجود کا منبع ہے۔ جبکہ اسلام میں انسانوں کی تقسیم 'عقیدے' اور 'تقوی' کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ پھر ان دونوں بھائیوں نے محض داخلی اختلافات پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ بنی ہود اور دکن کے نظام کی طرح ایک دوسرے کے خلاف بیرونی کفریہ طاقتوں کا سہارا بھی لیا۔ چنانچہ مشرقی بھائی نے اشتراکیت کی جانب مائل ہو کر اپنے ہمسائے اور ہم فکر ہندو انڈیا سے مدد لینا شروع کی۔ جبکہ مغربی بھائی نے سرمایہ دارانہ نظام کو پسند کیا اور براہ راست صلیبی امریکہ کے ساتھ تعلقات استوار کیے یہاں تک کہ بنی ہود، بنی نصر اور آلِ نظام دکن کی طرح اس سے مشترکہ فوجی معاہدے بھی طے کر لیے۔

پھر یہ تنازعہ نظریاتی جنگ سے بڑھ کر شخصی مفادات اور اقتدار کی جنگ بن گئی۔ خصوصاً جب مغربی پاکستان میں سرمایہ دارانہ نظام کے حامی جنرل ایوب کو اشتراکیت کے حامی ذوالفقار علی بھٹو نے سیاسی چالوں، سازشوں اور اسٹیبلشمنٹ کی حمایت سے اقتدار سے الگ ہونے پر مجبور کر دیا، جب کہ مشرقی پاکستان میں تو پہلے ہی اشتراکیت کے حامی شیخ مجیب الرحمن کا اقتدار تھا، تو پھر ان دونوں اشتراکی بھائیوں نے جنگ کیوں کی؟ دونوں کہنے کو غریب عوام کے حقوق کے لیے اٹھے تھے۔ واضح نظر آتا ہے کہ ان دونوں بھائیوں کے درمیان قومیت اور لسانیت یا سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظریات کے اختلافات کے بجائے اقتدار کا نشہ غالب تھا۔

لیکن دور جدید کے بھائی باہمی افتراق اور اغیار سے اتفاق میں اندلس اور ہند کے اسلاف سے بہت آگے نکل گئے۔ مشرقی بھائی نے 'ہم مذہب' مغربی بھائی کے خلاف علاقائی لسانی اور قومی تعصب کو اتنا بڑھایا کہ اسے فکر اپنے ساتھ 'ہم مذہب' کے بجائے 'ہم وطن' ہندوؤں کو ملانے کی پڑ گئی۔ اور اس کی خاطر ۱۹۵۳ میں 'پاکستان عوامی مسلم لیگ' سے 'پاکستان' کے ساتھ ساتھ 'مسلم' کا لاحقہ بھی ہٹا کر 'عوامی لیگ' بنا دی۔ جبکہ مغربی بھائی اور اس کی محافظ 'پاک' فوج نے تمام حدوں کو توڑتے ہوئے مشرقی 'ہم مذہب' بھائیوں پر ایسی جنگ مسلط کی جس میں صرف ظلم و غارت گری کو ہی نہیں بلکہ جنسی استحصال تک کو روا رکھا گویا کہ وہ کبھی 'مسلمان' ہی نہ تھے!! 'ڈھاکہ' کے واقعات اتنے بھیانک ہیں جن کے سامنے 'بربشتر' میں عیسائیوں کے اور 'حیدر آباد' میں ہندوؤں کے ظلم کا کوئی مقابلہ نہیں۔ بالآخر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مشرقی بھائی کھلم کھلا ہندو ہمسائے کی گود میں بیٹھ گیا اور مغربی بھائی نے اس اتحاد کے خلاف عیسائی امریکہ سے مدد طلب کر لی!!

جدید دور میں بھائیوں کے جھگڑے ماضی کے جھگڑوں سے اس لیے بھی زیادہ شدید تھے کہ ماضی میں بھائیوں کے جھگڑے عوام کو نظریاتی اور فکری بنیادوں پر تقسیم کر کے نہیں کیے جاتے تھے بلکہ وہ صرف ذاتی نوعیت کے ہوتے تھے۔ اس لیے ماضی میں عوام اور عوام کا اسلام حکمرانوں کے باہمی جھگڑوں میں محفوظ رہتا تھا۔ جبکہ جدید دور میں ان جھگڑوں کی بنیاد ہی عوام میں نظریاتی اور فکری اختلافات کو پروان چڑھا کر ڈالی جاتی ہے جس سے نہ عوام محفوظ رہتے ہیں اور نہ ان کا دین اور وطن۔ حقیقت میں جدید کفریہ نظریات اپنی ساخت میں محض نظریات ہی نہیں بلکہ مکمل 'مذہب' کے مشابہ ہیں جن کا دین اسلام سے جوڑ مشکل سے ہی کیا جا سکتا ہے۔

مزید بر آں ماضی میں تنازعے اول تو محلاتی سازشوں تک محدود رہتے تھے جہاں مدمخالف کے صرف ایک شخص کو قتل یا قید کرنے سے معاملہ حل ہو جاتا تھا۔ اور اگر جنگیں لڑی بھی جاتی تھیں تو میدان جنگ میں مسلح افواج کے درمیان جبکہ عوام اور وطن کے نجی اور قومی املاک سے تعرض نہ کیا جاتا تھا۔ لیکن چونکہ جدید دور میں یہ تنازعے شخصی اور انفرادی دائرے سے بڑھ کر عوامی بنا دیے گئے اس لیے اب مسئلہ ایک دو کے قتل سے حل نہیں ہوتا اور نہ ہی آپس میں برابر مسلح قوتوں کے درمیان ہوتا ہے۔ اس لیے ایسی جنگیں شروع ہو گئیں جہاں ایک طرف مسلح فوج ہے اور دوسری طرف نہتے عوام اور املاک۔ اور ۱۹۷۱ میں مردوں کو چھوڑ کر پاک دامن خواتین کی عصمت دری سے بھی گریز نہ کیا گیا!! کیا اسفل سافلین کے اس مرتبے سے کوئی اسفل مرتبہ ہو سکتا ہے!! کیا بنی ہود کے بھائیوں نے آپس میں یہ حد پار کی یا دکن کے نظام اور سلطان میسور نے۔

تقسیم پاکستان کے بعد

وسطی بھائی ۱۹۴۷ میں پہلے ہی جدا ہو چکا تھا اور اب ۱۹۷۱ میں مشرقی بھائی اور مغربی بھائی بھی آپس میں جدا ہو گئے۔ لیکن زمین اور اقتدار کو آپس میں تقسیم کرنے کے بعد اور اپنے جدا جدا ملک میں خوشی خوشی رہنے کے باوجود ان تینوں بھائیوں کی دوریاں ختم نہ ہوئیں۔ کیونکہ ان تینوں نے یہ دوریاں ماضی کی طرح محض ذاتی مفادات کے تحت نہیں اپنائیں بلکہ آپس میں

[1] ذہن میں رہے کہ ۲۰۱۷ کے اندازے کے مطابق مغربی ہند 'پاکستان' میں مسلمانوں کی آبادی ۱۸ کروڑ ۹۰ لاکھ تھی، وسطی ہند 'انڈیا' میں ۱۸ کروڑ ۴۰ لاکھ اور مغربی ہند 'بنگلا دیش' میں ۱۴ کروڑ ۱۰ لاکھ تھی۔

ملانے والے 'مذہب' کے بجائے اپنے عوام میں 'مذہب' کے علاوہ قومی، لسانی اور اقتصادی نظریات پھیلا دیے۔

وسطی بھائی کا تو حال یہ ہے کہ اسی کی سرزمین پر ہندو اکثریت نے کشمیری مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے اور ان کا علاقہ ان کے لیے ایک بڑے فوجی کیمپ میں تبدیل کر دیا۔ لیکن یہ بھائی وہاں جا کر لڑنا تو چھوڑیے ان کے لیے آواز بھی نہیں اٹھا سکتے کہ کہیں ان کے 'سیکولر' نظریہ پر زد نہ پڑ جائے جو انہیں اپنے 'مذہب' سے زیادہ عزیز ہے۔ ظاہر ہے کہ تقسیمِ ہند سے پہلے اسلامی سلطنتوں کے تحت اسلام کے بل بوتے پر حقوق حاصل تھے اور تقسیم ہند کے بعد اب سیکولرزم کے بل بوتے پر۔ یہ تو چھوڑیے اب تو وسطی بھائی کے آل اولاد یہ فرما رہے ہیں کہ اگر گجرات میں مسلمانوں پر زیادتی ہوتی ہے تو دہلی والے جز بز نہ ہوں۔ اور اگر اتر پردیش میں مسلمانوں کو کوئی مسئلہ در پیش ہے تو کیرالا کے مسلمانوں کو کیا پڑی ہے کہ شور مچائیں۔ ہر کوئی اپنی مقامی حکومت کی طرف رجوع کرے تاکہ ہندو اکثریت کی بھارت ماتا پر آنچ نہ آئے، جو سب کی ماں ہے انہیں کھلاتی پلاتی ہے۔ ہاں اگر ماں اپنے سگے بیٹے کی خاطر سوتیلے بیٹے کو قتل بھی کر دے تو اس کی مرضی! ماں کا مرتبہ تو کم نہیں ہونا چاہیے نا ورنہ پورا خاندان ٹوٹ جائے گا۔

مغربی بھائی کے انڈیا میں خطۂ کشمیر سے کئی مفادات وابستہ تھے جن میں اہم ترین پانی ہے، اس لیے اسے یہاں کے 'مذہبی' بھائی یاد آ گئے اور اپنے مفادات کی خاطر ان کا نام لے کر ۱۹۶۵ اور ۱۹۹۹ میں جنگیں لڑیں۔ اندلس کے ابن ہود اور ابن الاحمر نے فتح حاصل کرنے کے بعد المقتدر باللہ اور الغالب باللہ کا لقب اپنایا اور یہاں جنگیں ہارنے کے باوجود فوج 'ہیرو' بن گئی! رہے کشمیر کے علاوہ وسطی بھائی کی آل اولاد تو وہ مغربی بھائی کو اگر کبھی یاد بھی آ جائے تو زبانی جمع خرچ کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہیں۔ اور اگر کچھ کہہ دے تو وسطی بھائی الٹا شور مچاتے ہیں کہ ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کریں، ہمیں مرنے دیں لیکن افسوس تک نہ کریں! جبکہ مشرقی بھائی تو مغربی بھائی سے علیحدہ ہی وسطی بھائی کے حکمرانوں کے سبب ہوا تھا اب یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے محسن کے احسانات فراموش کرے اور ان کے داخلی 'مذہبی' معاملات میں دخیل ہو؟

وسطی ہند کا کون سا علاقہ ہے جہاں مسلمانوں پر ظلم نہ ڈھائے گئے ہوں اور اب تو ہندوؤں نے کھلم کھلا صرف مسلمانوں کے خلاف ہی نہیں بلکہ دین اسلام کے خلاف جنگ چھیڑ دی ہے۔ مساجد منہدم کی جا رہی ہیں، اذان اور حجاب جیسے شعائر پر پابندی لگائی جا رہی ہے، یہاں تک کہ پیغمبر پاک ﷺ کی گستاخی کی جانے لگی ہے لیکن مشرقی اور مغربی بھائی ایسے خاموش ہیں جیسے یہ ایک دوسرے کے مسلم بھائی تو چھوڑیے ہمسائے بھی نہیں ہیں جن کے اسلام میں بے شمار حقوق مقرر کیے گئے ہیں!

یہ تینوں بھائی صرف آپس میں ہی نہیں کٹے رہے بلکہ اپنی سرحدات کے مشرق اور مغرب میں دیگر اسلامی بھائیوں کے ساتھ بھی ان کا کردار ویسا ہی ہے جیسا کہ ان کا آپس میں ہے۔ مشرقی بھائی اپنے مشرق میں 'ہم مذہب' اراکان کے روہنگیا پر برمی بدھوں کے مظالم دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہاں کے مسلمان جان بچا کر بھاگ کر آ رہے تھے۔ لیکن اسے اتنی ہمت کہاں کہ وہ برمی بدھوں کو دھمکی دیتا، اسے بس یہ فکر دامن گیر رہی کہ ان مسلمان مہاجرین کا بوجھ وہ کیسے سنبھالے اور آج تک برمی بدھوں سے عاجزانہ التجائیں کر رہا ہے کہ انہیں کسی طریقے سے واپس لے لیں۔ اور جب تک ایسا نہیں ہوتا انہیں آباد کرنے کے لیے طوفانوں کی زد میں رہنے والی خلیج بنگال کے وسط میں حال ہی میں ابھرنے والے جزیرے پر کیمپ بنانے پر فخر کر رہا ہے۔

جبکہ دوستی اور دشمنی کے الٹے پیمانے میں مغربی بھائی حسب سابق مشرقی بھائی سے اس وقت سبقت لے گیا جب اس کے مغرب میں واقع 'ہم مذہب' افغانی بھائیوں کے خلاف صلیبی امریکہ نے حملہ کیا تو وہ اتنا بھی نہ کر سکا کہ انہیں راہداری دینے سے انکار کرے اور الٹا اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف صلیبیوں کا اتحادی بن گیا۔ بالکل ویسے ہی جیسے ابن الاحمر نے اشبیلیہ کی مملکت کے خلاف ہسپانوی صلیبیوں کا ساتھ دیا اور نظام آصف جاہ دوم نے سلطنتِ خداداد میسور کے خلاف صلیبی انگریزوں کا ساتھ دیا۔ مغربی بھائی نے عیسائیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل کو ہی آسان نہیں بنایا، بلکہ جو مسلمان وہاں سے بھاگ کر پناہ لینے آیا اسے یا قتل کیا اور یا گرفتار کر کے عیسائیوں کی تحویل میں دیا!

مغربی بھائی اپنے ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ زیادتی کرتا ہے تو مشرقی بھائی کو پروا نہیں ہوتی اور مغربی بھائی ایسا کرتا ہے تو مشرقی بھائی لاتعلق نظر آتا ہے۔ جبکہ وسطی بھائی نے تو اپنے وطن میں ہی مسلمانوں سے رشتے کاٹ لیے ہیں ہمسایوں کا کیا پوچھے گا۔ انڈیا میں ہندو جتنے بھی مظالم ڈھائیں نہ یہ بھائی مشرقی اور مغربی بھائیوں کو پکارتا ہے اور نہ یہ دونوں بھائی اس سے کچھ واسطہ رکھتے ہیں!! یہاں تک کہ ہندوؤں نے اب اندلس کے عیسائیوں کی طرح اپنے ملک سے مسلمانوں کے وجود کو صاف کرنے کی ٹھان لی ہے۔ لیکن مغربی اور مشرقی ہند کے مسلمان ویسے ہی سو رہے ہیں جیسے اندلس کے دور میں عثمانی خلافت اور مغرب اسلامی کی مسلم سلطنتیں ان سے لاتعلق تھیں، یہاں تک کہ اندلس میں دم توڑتے مسلمان کی آخری چیخ پر بھی کسی نے کان نہ دھرے۔ تو کیا ہند کے مشرق و مغرب کے مسلمان بھی ایسی حالت کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے؟ حکمران کو تو چھوڑیے غیور مسلم عوام کو کیا ہو گیا!! اور یہ نہ سمجھیے کہ انڈیا کے ہندو اپنے ملک سے مسلمانوں کا صفایا کرنے کی حد پر رک جائیں گے، بلکہ اس کے بعد ان کا اگلا حملہ مشرقی بھائی پر ہو گا جہاں آج بھی مسلمان انڈیا کی بڑھتی ہوئی دخل اندازی سے پریشان ہیں۔ اور کچھ بعید نہیں کہ کشمیر کے بہانے وہ مغربی بھائی سے بھی مناسب وقت پر لڑنے کے لیے میدان میں اتر آئے کیونکہ اس کی نظر میں پاکستان کے قبضے میں موجود کشمیر بھی

اصل میں اسی کا حصہ ہے۔ یہ نہیں تو کشمیر میں کسی بھی جہادی کارروائی کے بعد پاکستان کے شہروں کو نشانہ بنائے!

اندلسی مؤرخ ابن حیان قرطبی نے بربشتر کے واقعے کو قریب سے جانا اور اپنی تاریخ میں درج کیا۔ واقعہ پر ان کا تبصرہ آج 'تمام' مسلمانانِ ہند کے لیے اسی طرح کارگر ہے جیسا کہ اس وقت اندلس کے مسلمانوں کے لیے تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

”اس واقعے سے ہمارے اسلاف نے ہمیں بخوبی خبر دار کیا تھا۔ لیکن ہم اپنی باہمی ناچاقی کی بیماری پر پردہ ڈالتے رہے یہاں تک کہ گھاٹی کے دہانے پر پہنچ گئے۔ ہمارے ضمیر مر گئے۔ جہل غالب ہو گیا۔ اپنے اقتدار پر عجب میں مبتلا ہوئے۔ اپنے خالق کے فرمان اور پیغمبر ﷺ کی وصیت سے منہ پھیرا اور سرحدی دشمنوں سے غافل ہو گئے۔ یہاں تک کہ دشمن نے ہمیں آلیا اور عین ہمارے گھروں کے اندر گھس گیا اور قتل و غارت شروع کی۔ جب کہ ہمارے اردگرد لوگوں نے چپ سادھ لی اور حسبِ سابق اپنی دنیا میں منہمک رہے۔ جب اہلیانِ بربشتر کا ذکر ہماری مسجدوں اور محفلوں میں ہوتا ہے یا ان کے لیے کوئی دعا کرتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں تھے۔ یا جو اُن کے ساتھ ہوا ہمارے ساتھ نہیں ہو گا۔ یہ تو چھوڑیے کہ ہم ان کی مدد کے لیے پہنچتے یا بدلہ لینے کے لیے لڑتے، ہم نے ان کے لیے دعا میں بھی کنجوسی کی!!“[1]

کیا یہی کچھ حال ہمارا نہیں ہے؟ کشمیر میں مسلمانوں پر کیا گزری، برما میں کیا گزری اور انڈیا کے اندر کیا حالت ہے۔ لیکن پاکستان اور بنگلہ دیش میں کیسی بے حسی ہے۔ جیسے یہاں کے حکمران بربشتر کے موقعے پر احمد بن ہود بن گئے ہوں۔ اور لگتا نہیں کہ انہیں احمد بن ہود کی طرح مسلم علماء اور عوام کبھی غیرت دلائیں گے اور دلانا چاہیں بھی تو بھی وہ غیرت میں نہیں آئیں گے۔

جب بربشتر کا واقعہ ہوا تو اندلس کے ایک مشہور کاتب اور ادیب ابن عبد البر نے مسلمانوں کو جہاد پر ابھارنے کے لیے اہلیانِ بربشتر کی زبانی ایک تحریضی خط لکھا جو کہ آج ہم سے مخاطب ہے:

”ہم آپ کو تحریض دلاتے ہوئے آپ کی مدد کے انتظار میں لکھ رہے ہیں۔ ہماری آنکھیں اشکبار ہیں، کلیجے منہ کو آرہے ہیں، ذہن بوجھل ہیں اور دل جل رہے ہیں کہ کفر نے اپنے پر پھیلا دیے...... شرک دانت دکھا رہا ہے...... دشمن نے ہمیں ایسے گھیر لیا جیسے پھانسی کا پھندا گردن کے گرد...... صبح و شام ہمارے خلاف لڑتے ہیں......

اے مسلمانو! تم اپنے دینی بھائیوں کی حالت تو ذرا دیکھو! ان کے مال اور اہل و عیال پر غلبہ ہو چکا ہے...... تلواروں نے اپنا کام کیا ہے...... نیزوں نے اپنا تماشا دکھایا ہے۔ زخموں نے چور کر دیا، یہاں تک کہ موت نے انہیں آلیا۔ بچوں، عورتوں اور حتیٰ کہ مردوں کا شور و غوغا اور آہ و بکا اتنی بڑھ گئی کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی...... ان کا خون ایسے بہہ رہا ہے جیسے وادیوں میں سیلاب...... ان کے سامنے ان کے سر اڑائے جا رہے ہیں لیکن کوئی ناصر و مدد گار نہیں۔

اے مسلمانو! تمہارا کیا خیال ہے...... جب عورتوں اور بچوں کو ہر طرف ننگے بدن بالوں سے گھسیٹے ہوئے ہانکا جا رہا ہو...... کبھی پیٹھ کے بل اور کبھی پیٹ کے بل، اور بوڑھے رسیوں میں باندھے ہوئے...... زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے...... وہ رحم مانگیں تو رحم نہیں کیا جاتا۔ کھانا اور پانی مانگیں تو ترستی آنکھوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا...... ان کے ذہنوں نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے یہاں تک کہ وہم و گمان کا بھی انہیں ادراک نہیں......“[2]

قرآنی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حق اور باطل، حزب اللہ اور حزب الشیطان اور دشمن اور دوست کے درمیان فرق کو واضح بیان کیا ہے۔ اور اس تفریق کی اساس 'ایمان' اور 'عقیدہ' یعنی کہ 'دین' بتائی ہے نہ کہ رنگ، نسل، قوم، وطن یا زبان جیسا کہ آج کی دنیا میں رائج ہے۔ پھر مسلمانوں کو اپنے ہم مذہب، رحمان پر ایمان رکھنے والوں کی نصرت اور موالات کا حکم دیا ہے اور اللہ سے بغاوت کرنے اور شیطان کی بندگی کرنے والوں سے تبریٰ کا حکم دیا ہے۔

اسلام کے مقابل 'الکفر ملة واحدة' ایسا عقیدہ ہے جس پر تاریخ بھی گواہ ہے۔ آج بھی جہاں انسانی حقوق اور اقوام متحدہ کے چارٹر کی بالادستی کا راگ الاپا جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جب بھی اہلِ ایمان اور اہلِ کفر کے بیچ کوئی تنازع پیدا ہوا، کہیں بھی اہل اسلام پر مظالم ڈھائے گئے وہاں عالم کفر، کفار کے ساتھ کھڑا ہوا اور عملاً کفار کو مضبوط کیا جبکہ مسلمانوں کے ساتھ اجنبیوں سا ہی نہیں بلکہ انتہائی ہتک آمیز اور ظالمانہ سلوک کیا۔ فلسطین، کشمیر اور مشرقی ترکستان واضح مثالیں ہیں۔

مسلمانوں کو اقوام متحدہ، مغربی طاقتیں یا ان کے نظریات پر عمل نہیں بچائے گا۔ اگر مسلمان بچ سکتے ہیں تو صرف اللہ کے دین پر عمل کر کے۔ اور اللہ کا دین بتاتا ہے کہ مسلمان ایک جسم کی مانند بن جائیں اور کفار سے برأت کریں، مسلمانوں کی مدد و نصرت فرض ہے، اس فرض پر جب بھی عمل نہیں ہوا، مسلمان مٹ گئے، مغلوب ہوئے یا کفار کے غلام بن گئے۔

[1] دولة الاسلام فی الاندلس ۲/ ۲۷۴-۲۸۰، ۴۱۲۔ باختصار و تصرف۔

[2] تاریخ ناتمام از عکرمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ، ص ۲۲۔

جب یہ آیتیں آج تلاوت کی جاتی ہیں تو سمجھی نہیں جاتیں اور جب فقہ کی کتابوں سے یہ حکم بیان کیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ تو پرانے حالات کے موافق تھا آج کل کے لیے کار گر نہیں! تو آیا مذکورہ بالا تاریخی حقائق اور معاصر صورت حال کو بھی لوگ نظر انداز کر دیں گے جس سے قرآنی حقیقت کی تائید ہوتی ہے!!

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا○

اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ کے پاس اپنے خلاف (یعنی اپنے مستحق عذاب ہونے کی) ایک کھلی کھلی وجہ پیدا کر دو؟ (النساء: ۱۴۴)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ○

اے ایمان والو! اپنے سے باہر کے کسی شخص کو راز دار نہ بناؤ، یہ لوگ تمہاری بدخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ، بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے اور جو کچھ (عداوت) ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے پتے کی باتیں تمہیں کھول کھول کر بتادی ہیں، بشرطیکہ تم سمجھ سے کام لو۔ (آل عمران: ۱۱۸)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ

اے ایمان والو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ایسا دوست مت بناؤ کہ ان کو محبت کے پیغام بھیجنے لگو، حالانکہ تمہارے پاس جو حق آیا ہے، انہوں نے اس کو جھٹلایا ہے۔ (الممتحنۃ: ۱)

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ

اگر تم ان کے ہاتھ آجاؤ تو وہ تمہارے دشمن بن جائیں گے اور اپنے ہاتھ اور زبانیں پھیلا پھیلا کر تمہارے ساتھ برائی کریں گے، اور ان کی خواہش یہ ہے کہ تم کافر بن جاؤ۔ (الممتحنۃ: ۲)

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ

تمہارے لیے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ہمارا تم سے اور اللہ کے سوا تم جن جن کی عبادت کرتے ہو، ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض پیدا ہو گیا ہے جب تک تم صرف ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔ (الممتحنۃ: ۴)۔

غرناطہ کے لال قلعے سے دہلی کے لال قلعے تک ہمارے لیے ایک ہی سبق ہے۔ اپنے دوست اور دشمن کو پہچانو اس سے قبل کہ تم کو حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے!!

اقبال نے 'ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت' میں کہا:

باطل دوئی پسند ہے، حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

☆☆☆☆☆

بقیہ: کرسمس سے دیوالی تک 'اجتہاد' درکار ہے!

بڑے بڑے دیندار اور اصحابِ جبہ و دستار آج اپنا دین بیچنے جا رہے ہیں۔ ہمارے نبیؐ نے شاید ایسے ہی کسی دور کی بابت یہ کہا ہو گا کہ جس میں: الْقَابِضُ عَلَى دِيْنِهٖ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ ...... اپنے دین کو تھام کر رکھنے والا گویا جلتے انگاروں کو تھام کر بیٹھا ہے!

آیئے اپنا فرض پورا کیجیے۔ بے علم کو اِس فتنہ سے آگاہ کیجیے۔ جاہل کو پڑھایئے۔ غافل کو جگایئے۔ ظالم کو روکیے۔ اور دین فروشوں کو معاشرے میں مسترد کروایے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: روہنگیا کا جہاد

- آیا برما کی حکومت کا روہنگیا کو شہریت دینے سے انکار کرنا افغانستان کو اقوامِ عالم کی رکنیت دینے سے انکار کرنا (جدید کفری عالمی نظام) کے ایک ہی موقف کی دو علیحدہ تصویریں نہیں؟

ان سوالات کا جواب دیتے دیتے بہت وقت لگ جاتا ہے۔ اور پھر انصاف حاصل کرنے کے لیے (ظالم اور امتیازی رویہ) برتنے والے (اقوام متحدہ) کے ادارے کی طرف کیسے رجوع کیا جائے جو خود یہ مسائل پیدا کرنے والا ہے۔ قارئین کے سامنے آخر میں ان بیسیوں سوالوں کے بجائے صرف ایک ہی سوال رکھتا ہوں:

آیا امارت اسلامیہ کی طرح اپنی قوت اور زور کے بل بوتے پر اپنے حقوق کے لیے انتہائی حکمت کے ساتھ لڑنا مختصر اور درست راستہ نہیں؟

☆☆☆☆☆

کرسمس سے دیوالی تک 'اجتہاد' درکار ہے!

شیخ حامد کمال الدین

بھیانک حقیقتوں کو خوبصورت الفاظ میں چھپانا کوئی اِس تہذیبِ سامری سے سیکھے۔ ایک سے ایک بڑھ کر الفاظ اور تعبیرات جو آپ کو مسحور کرتے چلے جاتے ہیں، جس پر 'ابلاغ' اور سے اور رنگ بکھیرتا اور روشنیاں انڈیلتا چلا جاتا ہے۔ 'روشنیوں' کے اِس سیلاب میں قریباً ہر آدمی بہہ جانے کو ہے۔ الفاظ کی اِس شیشہ گری کے پیچھے البتہ جو "کہانی" ہے وہ انتہائی بھیانک ہے۔ آپ صریح لفظوں میں سننا چاہیں تو یہاں آپ کے ایمان کا سودا مطلوب ہے۔ آپ کی اس امت کو بھی تاریخ کے اُسی بھاڑ میں جھونکنے کا 'ہدف' درپیش ہے جس میں پہلی امتوں نے برضا و رغبت اپنا آپ جھونک لیا اور وہ کُوڑا بالآخر تاریخ کی راکھ بن گیا یا زیادہ سے زیادہ ایک تہذیبِ فاسد کی مشینوں اور گراریوں کو چلانے میں کام آتا ہے۔

اس 'پروسیجر' کے لیے جو اصل ٹیکنیکل لفظ مستعمل ہے وہ تو ہے **اسلام کا "ری فارم"** بحقِ سالمیت واستحکامِ عالم! یعنی اُس اسلام اور مسلمان سے اب دنیا کی جان چھڑاؤ جس نے اس کی ناک میں دم کر کے رکھا تھا، جس نے روم وفارس و ہند کو زیروزبر کر ڈالا تھا، جو چودہ صدیوں تک دنیا میں شرک کو موت کا پیغام سناتا رہا اور دور دراز تک ملکوں کے ملک صاف کراتا، بت کدے گراتا اور صنم کدے خاک میں ملاتا رہا ہے اور ایک خالص آسمانی نقشے پر دنیا کی تہذیبی ساخت کرتا رہا ہے، یعنی وہ اسلام اور مسلمان جو "بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر بندوں کے پروردگار کی بندگی میں، بندوں کو ادیان کے ظلم وجہل سے نکال کر اسلام کے عدل میں، اور دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت میں لے آنے کے اُس خدائی آسمانی مشن پر گامزن رہا ہے۔ اُس اسلام اور مسلمان کا محض مغلوب ہو جانا آج اُن کی نظر میں کافی نہیں، کیونکہ اس طرح تو یہ 'خطرہ' جوں کا توں رہا، کیا معلوم آج کا مغلوب کل کا غالب اور آج کا غالب کل کا مغلوب ہو اور قدیم سے چلی آنی والی اِس کہانی میں کسی بھی لحظہ کوئی نیا موڑ آ جائے، لہٰذا پیرس اور مین ہیٹن کے نائٹ کلب اِس دنیا میں اُس مطلق بے فکری کا حظ کیونکر اٹھا سکتے ہیں جب تک کہ دنیا کا یہ سینار یو بدل جانے کا اندیشہ ہی ہمیشہ کے لیے ختم نہ کر دیا جائے، لہٰذا اُس 'اسلام اور مسلمان' کا محض مغلوب ہونا اور پابندِ سلاسل ہونا کافی نہیں، بلکہ اب یہ کہانی دنیا میں ختم ہی ہو جانی چاہیے، اب **یہاں 'اسلام اور مسلمان' ہی اور قسم کا چاہیے جو یہ سبق پڑھائے کہ شرک کو موت کا پیغام سنانا ظلم اور جہالت ہے اور شرک کے ساتھ ہاتھ ملانا اور عبادتِ غیر اللہ کے ساتھ سازگاری اختیار کرنا شریعتِ آسمانی کا اصل الاصول**! ری فارم آف اسلام! یعنی اسلام کی 'تشکیلِ نو' یا پھر اسلام میں عصری تقاضوں کے مطابق کچھ 'ہلکی پھلکی' اصلاحات! جس کے لیے اگر ہم اپنی ٹھیٹ شرعی اصطلاح استعمال کریں تو کہیں گے: اسلامی احکام کی کھلم کھلا تحریف۔ جبکہ تکلفات کے عادی طبقے اس کو ایک 'نئے اجتہاد' کا نام دیں گے۔ یعنی کل تین طبقے ہوئے:

أ. باہر کے لوگ اس کو 'اسلام کے ری فارم' کے تحت بیان کریں گے؛ کیمبرج، ہارورڈ، یا آکسفورڈ کا ایک پروفیسر اِس کے لیے یہی لفظ بولے گا۔ البتہ 'ملک کے اندر'، ایسے ناشائستہ الفاظ اور اسلوب اپنانا 'دانشمندی' کے زمرے میں نہ آئے گا!

ب. ہم اہل شرع اس کو "اسلام میں تحریف" کا نام دیں گے۔ ہمارے نزدیک یہ اسلام کو اس کی تاریخی پٹڑی سے ہٹا دینے کی ایک ایسی صریح کوشش ہے کہ دینِ محمد ﷺ پر اس سے بڑھ کر تباہ کن حملہ بنی یہود اپنی پوری تاریخ میں نہ کر پائے ہوں گے۔

ج. جبکہ بیچ کی مخلوق عین اسی چیز کو 'اجتہاد' یا 'ارتقاء' سے تعبیر کرے گی۔

مختصر یہ کہ کچھ نئے عالمی تقاضوں پر 'کما حقہ' پورا اترنے کے لیے...... یہاں آپ کو اسلام میں کچھ ایسی اشیاء کے لیے "گنجائش" نکالنا ہو گی جن سے "اسلام" کے نام پر آپ کبھی واقف نہیں رہے تھے!

یعنی ایسی اشیاء جن کا اسلام میں کبھی دستور ہی نہیں تھا۔ ایک بالکل نئی ریت جو آج چلائی جا رہی ہے اور میڈیا کی اندھی طاقت کو کام میں لا کر اس وقت عام کرائی جا رہی ہے۔ حضرات و خواتین! یہ جو 'ری فارم آف اسلام' المعروف 'اجتہاد' اور 'ارتقاء' کا عمل ہے اور جو کہ استشراق کے شاگردوں کے دم سے ہمارے یہاں زوروشور سے ترقی کر رہا ہے...... اس کی نشاندہی کرنا ان شاء اللہ ہمارا کام رہا۔ اِس کے لیے شرعِ محمد ﷺ کے اندر 'گنجائش' کتنی ہے اور کس شدومد کے ساتھ اپنے یہاں اِس کی پذیرائی کرائی جانا ہے، یہ طے کرنا البتہ آپ پر ہے اور آپ کے ایمان پر!

بنیادی طور پر یہ ایک طویل موضوع ہے اور اس کے بے شمار جوانب، مگر اختصار کے ساتھ یہاں ہمارا موضوعِ سخن عالمی تحریکِ یکجہتیٔ ادیان interfaith harmony اور اس سے پھوٹنے والے کچھ مباحث ہوں گے۔

حضرات! 'گلوبلائزیشن' کی زبان میں "زمانہ" آپ سے اب کن نئی نئی اشیاء کی فرمائش کرنے لگا ہے، یہ آپ سے واضح ہے۔ اور اگر آپ 'زمانے' کے یہ اشارے سمجھ کر نہیں دیتے تو

'ترقی' کے خواب تو رہے ایک طرف، اور 'پتھر کا دور' بھی ایک طرف، اس تیز رفتار دنیا میں اب آپ کی بقاء ہی ممکن نہیں۔

سیدھی بات ہے، اِس گلوبل ولیج کا اپنا ایک دستور ہے، جو وہ آپ سے پوچھ کر نہیں بناتا اور نہ آپ سے پوچھنا اُس پر فرض ہے۔ البتہ جب وہ بن جائے تو اس پر پورا اترنا آپ پر فرض ہے۔ اِس کے 'فرض' ہونے کی دلیل آپ اپنی قومی لغت سے لینا چاہیں تو دستیاب ہے۔ اور اگر اس پر 'اسلام' کو زحمت دینا چاہیں تو اب وہ حاضر ہے! صاف صاف، اِس گلوبل بستی کا ایک دستور ہے اور اِس کی 'شہریت' اِس کے دستور کو ماننے کے ساتھ مشروط۔ دنیا کا ہر مذہب، ہر دھرم، ہر فلسفہ آج اس بات کا پابند کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اِس عالمی دستور کے موافق کرے۔ وہ یہ کام کس طرح کرے، یہ اُس کا داخلی مسئلہ ہے۔ اِسی کا نام 'مذاہب کا ریفارم' ہے۔ ایک مذہب 'گلوبلائزیشن' کا دیا ہوا یہ ہدف کس طرح پورا کرے، تحریفِ لفظی کا سہارا لے یا تحریفِ معنوی سے ہی گزارا کرے، یہ اُس کا اپنا دردِ سر ہے۔ آپ کو اس سلسلے میں تعلیم وابلاغ کی صورت کچھ سہولیات میسر ضرور ہیں جن سے کام لے کر آپ عالمی فری میسن کا دیا ہوا یہ ہدف سر کر سکتے ہیں، مگر یہ آپ کا استحقاق بہرحال نہیں؛ اِس جہانی مطالبے پر پورا اتر کر دکھانا آپ کا اپنا بوجھ ہے۔ ہر مذہب اِس 'باربر' سے اپنی حجامت کرا کر اچھا خاصا ہلکا پھلکا ہو چکا...... اور ان کا خیال ہے کہ صرف ہم باقی رہ گئے ہیں جن کے ہاں زیادہ سے زیادہ ''فسق وفجور'' ہی آسکا ہے ان کا مذہب ابھی تک اِس 'اصلاح' کے عمل سے نہیں گزارا جاسکا ہے؛ وہ آج بھی اُسی طرح شرک کی مذمت کرتا اور اہل شرک سے براءت کا سبق دیتا ہے جس طرح آج سے چودہ سال پہلے دیتا تھا اور اپنی کسی ایک بات میں تبدیلی لانے پر تیار نہیں!

ہمارا 'فسق وفجور' کبھی اُن کو بے حد عزیز تھا۔ مگر اس سے اب اُن کا دل بھر چکا، اب یہ شدید ناکافی ہے۔ وہ کام جو 'فسق وفجور' کے تحت ہوتے تھے اب وہ کام ''دینداری'' ہی کے تحت ہونے چاہییں۔ 'کرسمس کیک' اب بسم اللہ پڑھ کر کاٹا جانا چاہیے! (معاذاللہ ثم معاذاللہ) 'خدا کے بیٹے' کی سالگرہ کی تقریب میں اب تلاوتِ کلامِ پاک کی کارروائی کے ساتھ شریک ہونا چاہیے! شرک کے شعائر میں اب ''اسلام'' کی نمائندگی ہونی چاہیے! اِس پر آسمان گر پڑے یا زمین شق ہو جائے، مگر کچھ شقی دلوں کو جنبش نہ ہو پائے گی اور وہ برابر اس پر 'اجتہاد اجتہاد' کے نعرے الاپتے رہیں گے۔ آج کرسمس، کل دیوالی اور پرسوں نہ جانے کیا! سوائے دورِ اکبری کے، بھلا کب ہماری ملت کے لوگ اہل شرک کی ان تقریبات کو رونق بخشنے آنے کے روادار ہوئے ہوں گے؟ صحابہؓ جو کہ آدھی دنیا میں پھیل گئے تھے اور ہر مذہب ہر ملت کے لوگوں کے ساتھ پرامن بقائے باہمی کی اعلیٰ ترین مثال خود اپنے ہاتھوں قائم کر گئے اور جبکہ یہ ملتیں اُس وقت بھی اپنے یہ تہوار مناتی ہی رہی تھیں...... اِس معاملہ میں اُن صحابہؓ کا بھی تو کوئی دستور رہا ہو گا، اور اُن کے متبعین فقہاء ومحدثین نے بھی تو نسل در نسل صحابہؓ کے اس دستور کو چلایا ہو گا!

حضرات وخواتین! کوئی ہماری اِس گفتگو سے یہ نہ سمجھ لے کہ ہم محض ایک مسئلہ کرسمس کے پیچھے پڑ گئے ہیں...... مسلم 'جبہ ودستار' کو کرسمس تقریبات میں رونق افروز کرانا آج اِس ایک بھیانک کہانی کا محض عنوان ہے۔ یہ محض ایک علامتی اہمیت symbolic significance کی حامل چیز ہے۔ اِس کے پیچھے جو اصل کہانی ہے اُس کا نام ہے ''تقاربِ ادیان''۔ یعنی ادیان کے فرق کو زیادہ سے زیادہ حاشیائی اور غیر مؤثر کرانا اور دنیا کو عملاً ایک ملت بنانا۔ وقت کے نبیؐ پر ایمان لانے اور کفر کرنے والوں کو ایک سطح پہ لا کر اور بھائی بھائی بنا کر دکھانا۔ اِس کے پیچھے ابلیس کی ٹکسال سے نکلے ہوئے بہت سے عقیدے بیک وقت بول رہے ہیں جن میں سے ایک ''ہیومن ازم'' ہے۔ یعنی آدمی کی پہچان، آدمی کی ولاء، آدمی کی دوستی، آدمی کی وابستگی اور آدمی کی برادری، اور آدمی کو پابند کرنے والی شریعت آدمی کی ''انسانیت'' ہے جس کا کل تعلق اِس زمین سے ہے نہ کہ آسمان سے اترنے والی کوئی حقیقت جو کسی خدائی شریعت اور کسی 'مافوق الفطری' چیز پر قائم ہو۔ اس کی رو سے انبیاء پر اتری ہوئی کسی چیز پر آدمی کا ایمان لانا یا اس سے کفر کرنا وہ چیز ہے ہی نہیں جو ''انسان'' کو ملتوں میں تقسیم کر دے۔ لہٰذا اِن لکیروں کو جو ''انسان'' کو تقسیم کر دینے کا سبب چلی آئی ہیں اور جو کہ ''ادیان'' کے نام پر کھینچ ڈالی گئی ہیں، مٹا دینا اِس عقیدہ ہیومن ازم کا اَوجب الواجبات ہے۔ اِس پوری کہانی سے جو شخص ذرہ بھر باخبر ہے، وہ جانتا ہے کہ 'مولوی اور پادری' کا یہ فوٹو سیشن، معاذاللہ ثم معاذاللہ 'قرآن اور صلیب کی یہ دوستی' اور کرسمس کیک پر کھلتی چلی جانے والی یہ باچھیں اپنی دلالت میں آج کتنی بڑی اور کتنی بھیانک حقیقت کا بیان ہیں۔ ذرا اِس پہلو سے دیکھیں تو آپ اتفاق کریں گے کہ یہ 'ایک مسئلے' کے پیچھے پڑنا نہیں بلکہ ایک ممکنہ تباہی کی نشاندہی ہے۔

حضرات! اِس سے بڑا ظلم کوئی ہے ہی نہیں کہ اس کو 'اجتہاد' کا نام دیا جائے۔ ذرا نگاہ اٹھا کر اُس طوفان کو دیکھیے جو آپ کا سب کچھ تہ وبالا کر دینے والا ہے بلکہ کر چکا ہے۔ فی الحال ہماری یہ گفتگو ''تقاربِ ادیان'' کے حوالے سے ہے، مگر یہ طوفان اپنے دوش پر بہت کچھ لا رہا ہے۔ یوں سمجھیے یہ دجالی 'گلوبلائزیشن' ایک بڑے دیوہیکل عمل کا نام ہے۔ اِس دیو کا کوئی لقمہ چھوٹا نہیں ہوتا۔ اِس کا پیٹ بھرنے کے لیے فی الوقت جس ''اجتہاد'' کی ضرورت ہے اُس کو پورا کرنے سے بڑوں بڑوں کی سانس پھولتی ہے۔ ناواقف طبقہ گو یہی خیال کرتا ہے کہ کسی چھوٹی موٹی تواضع سے اس کا پیٹ بھرا جائے گا، اور اپنے اُن مدارس اور مساجد میں جہاں صدیوں سے قال اللہ وقال الرسول کے دل پذیر نغمے گونجتے ہیں 'پادریوں اور بشپوں' کے اعزاز میں ایک آدھ 'بین المذاہب ہم آہنگی' اسٹیج سجا کر اور چند مسکراہٹوں کا تبادلہ کر کے مسئلہ اختتام کو پہنچے گا۔ مگر واقفانِ حال جانتے ہیں کہ ایک سیاہ منحوس چیز کی یہ کچھ نہایت معمولی اور ناقابل ذکر شروعات ہیں؛ جس کا انجام...... خدا جانے! منہ پر آنا تو ناممکن ہے، بس سوچیے اور جھرجھری لیجیے۔

(باقی صفحہ نمبر 61 پر)

خوارج ’دولتِ اسلامیہ‘

مجاہدینِ اسلام کو درپیش ایک اہم فتنہ...... اس کی حقیقت، خطرناکی اور اس سے تعامل کا درست انداز

شہید عالمِ ربّانی، استاد احمد فاروق رحمہ اللہ علیہ

حضرت الاستاذ، استاد احمد فاروق شہید نے زیرِ نظر تحریر جولائی ۲۰۱۴ء میں تحریر فرمائی تھی۔ اس زمانے میں اس تحریر کو القاعدہ برِّ صغیر کے اندرونی حلقے ہی کے لیے مخصوص رکھا گیا تھا۔ مجاہدینِ امت اور ان کے حامی و انصار کے لیے بالخصوص اور بالعموم مسلمانانِ امت کے فائدے کے مدِّ نظر اس تحریر کو مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ آج داعشی خوارج کے فتنے و فساد کا پورا زور ارضِ خراسان میں ’امارتِ اسلامیہ افغانستان‘ کے خلاف ہے۔ طلبائے علمِ دین کے مدارس میں دھماکے، شیخ مجیب الرحمٰن انصاری، شیخ رحیم اللہ حقانی اور شیخ سردار ولی جیسے علمائے حق کا قتل، مجاہدین پر حملے، عوام المسلمین کا قتل و اغوا اور جن غیر مسلموں کو امارتِ اسلامی نے امان دے رکھی ہے کا قتل اس فسادی گروہ کے لیے ’طرۂ امتیاز‘ ہے۔ حضرت الاستاذ شہید کی ساڑھے آٹھ سال قبل لکھی گئی تحریر آج بھی اس ضال و مضل طائفے پر صد فیصد منطبق ہوتی ہے، نیز اس تحریر میں ان قلبی بیماریوں کی نشاندہی بھی ہے جو افراد اور جماعتوں کو حقیقتاً ’داعش‘ تو نہیں لیکن فکراً ’داعشی‘ بنا دیتی ہیں۔ (ادارہ)

یہ امت، امتِ وسط ہے...... ایسی امت جو افراط و تفریط دونوں سے بچتے ہوئے عدل کی درمیانی شاہراہ کو مضبوطی سے تھامے رکھتی ہے۔ یہ اس دین کی امتیازی خصوصیت ہے اور اس خصوصیت سے انحراف ہی دین سے انحراف کا سبب بنتا ہے۔ جتنے فرقے اور گروہ پہلے گمراہ ہوئے وہ اہلِ سنت کی اسی راہِ اعتدال کو چھوڑ جانے کے سبب گمراہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ اسلام کی اس راہِ اعتدال کا حسن و جمال واضح کرنے کے لیے اور اس کو پوری طرح نکھار کر دنیا کے سامنے لانے کے لیے وقتاً فوقتاً ایسے امتحان بھیجے جاتے رہیں جو اس راہ سے ہٹنے والوں کی کجی و فساد اور اس پر جمے رہنے والوں کی بھلائی اور خیر سامنے لے آئیں۔ چنانچہ آج ۱۳ سال کی مسلسل قربانیوں اور ہجرتوں، اسیری اور شہادتوں سے پر ایک کٹھن راستہ پار کرنے کے بعد جب مجاہدینِ اسلام تاریخ ساز فتح کے دہانے پر کھڑے ہیں[1] اور شیطان کو اپنی دو سو سالہ محنت برباد ہوتی نظر آ رہی ہے، تو ایسے میں اللہ کی مشیت تھی کہ مجاہدین کو ایک بار پھر چھانٹی کے عمل سے گزارا جائے...... نیک و بد، مصلح و مفسد، ابرار و اشرار کو الگ کر دیا جائے...... اور اہلِ سنت والجماعت کی صاف ستھری، روشن، پاکیزہ۔ چمکتی دمکتی شاہراہ کے خدوخال اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ واضح کر دیے جائیں۔ پھر اسی طائفۂ منصورہ پر...... اس چنیدہ گروہ پر...... صالحین کی اس جماعت پر اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت اترے گی اور اسی کے ہاتھ امت کی آزادی، یہود و نصاریٰ اور ان کے آلۂ کاروں کی شکست اور خلافت کے قیام کے مبارک اہداف پورے ہوں گے، باذن اللہ! آج سرزمینِ شام میں مجاہدین کی صفوں میں جو فتنہ جاری ہے اور جس کے مہیب سائے دیگر محاذوں پر بھی پڑ رہے ہیں...... یہ اسی چھانٹی کے عمل کا حصہ اور اسی تکوینی سنت کا تسلسل ہے۔ اللہ ہمیں اس فتنے سے محفوظ فرمائے اور اندھیری راتوں، گھٹاٹوپ اندھیروں اور تند و تیز ہواؤں میں بھی شاہراہِ ایمان پر جمائے رکھے، آمین!

عزیز بھائیو! نہایت دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ امت کی تاریخ کے اس نازک موڑ پر ’دولہ اسلامیہ فی العراق والشام‘ نامی جماعت کی قیادت اپنے بانیوں کی پاکیزہ راہ کو چھوڑ کر صریح گمراہی اور انحراف کے رستے پر چل نکلی...... اور یہ گمراہی اس قدر بڑھی کہ تمام مصلحین کی کوششیں ناکام ہو گئیں...... معاملات سدھارنے کے سارے رستے مسدود کر دیے گئے...... اور ہر آنے والے دن کے ساتھ فساد بڑھتا چلا گیا۔ اگر ہم دولہ اسلامیہ نامی جماعت کے منہج کی بڑی بڑی خرابیوں کا ذکر کرنا چاہیں تو ہم درج ذیل امور کی نشاندہی کریں گے:

- امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد (حفظہ اللہ)[2] کی قیادت میں متحد مجاہدینِ عالم کے سامنے امیر المؤمنین کی شخصیت اور ان کے منہج کو متنازع بنانا اور امیر المؤمنین کے بالمقابل نئے امراء کی بیعت کی طرف دعوت دینا۔
- تکفیر کے مسائل میں غلو کرنا، غیر علماء کو ان مسائل میں آراء دینے اور فتوے لگانے کی کھلی چھوٹ دینا، نہ صرف عام مسلمانوں بلکہ دیگر جہادی جماعتوں اور جہادی قائدین تک کی تکفیر سے نہ جھجکنا اور ہر دم مسلمانوں کے ایسے افعال کی کھوج میں رہنا جو ان کو کافر قرار دینے کا بہانہ بن سکیں۔
- خونِ مسلم کے معاملات میں شدید لاپروائی برتنا، مختلف شیطانی حیلوں بہانوں سے مسلمانوں کا خون بہانے کے جواز تراشنا اور عملاً بھی ہزاروں مسلمانوں کا خون بہا ڈالنا۔ واضح رہے کہ اب تک شام میں مجاہدین کے مابین جاری لڑائی میں چار ہزار سے زائد مسلمانوں کی جانیں جا چکی ہیں، اور اس خونِ ناحق کی بنیادی ذمہ دار دولہ اسلامیہ نامی جماعت ہے۔ اللہ ہمیں خونِ مسلم کی ہر چھینٹ سے محفوظ فرمائیں، آمین!
- اپنی جماعت کو ’دولتِ اسلامیہ‘ اور اپنی جماعت کے امیر کو ’خلیفۂ مسلمین‘ سمجھتے ہوئے دیگر جہادی جماعتوں کو اور خود اپنی جماعت سے نکلنے والوں کو باغی قرار دینا اور ان سے جنگ کرنے اور ان کا خون بہانے کو اپنے لیے جائز سمجھنا۔

[1] یاد رہے کہ یہ تحریر ۲۰۱۴ء میں قلم بند کی گئی تھی۔ (ادارہ)

[2] دمِ تحریر، امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کی رحلت کی خبر عام نہیں ہوئی تھی۔ (ادارہ)

- جہاد کے میدانوں میں سبقت لے جانے اور دہائیوں تک دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے والے اکابرین اور قائدین کی نصیحتوں کو نہ صرف نظر انداز کرنا، بلکہ ان کی تحقیر و تذلیل کرنا، ان کی شخصیت پہ رکیک حملے کر کے انہیں لوگوں کی نگاہوں سے گرانے کی سعی کرنا اور یوں جہادی تحریک کو اپنی حکیم قیادت سے کاٹ دینا تاکہ وہ اس سر کٹے جسم کی مانند ہو جائے...... جلد ہی کسی گڑھے میں گر کر ہلاک ہونا جس کا مقدر ہو۔
- تمام معروف و معتبر علمائے جہاد کے فتاویٰ اور نصائح سے روگردانی کرنا، ان کی رہنمائی سے آزاد بلکہ ان کے فتاویٰ کے برعکس عمل کرنے کی روایت ڈالنا، ان کے خلاف زبان درازی کرنا، ان پر طعن و تشنیع کرنا اور نازک ترین مسائل میں فتوے دینے کا منصب جہلاء، یا خواہش پرست مفتیوں یا نیم خواندہ قسم کے طلبائے علم کے ہاتھ میں دینا جن کے شتر بے مہار فتووں سے ناحق خون بہے، جہاد کے مقاصد ضائع ہوئے اور امتِ مسلمہ مجاہدین سے متنفر ہوئی۔
- امتِ مسلمہ اور بالخصوص عام عوام، دینی جماعتوں اور علمائے کرام سے موالات و خیر خواہی کا تعلق رکھنے کی بجائے ان کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھنا، خود کو ساری امت سے افضل جاننا، امت کو محض گمراہوں، فاسقوں، کافروں اور مشرکوں کا ایک ملغوبہ سمجھنا اور ہر ایسے عمل کو محمود و مطلوب جاننا جس سے امت متنفر ہو اور ہر ایسے عمل کو عقیدے کی کمزوری جاننا جس سے امت کی تائید و ہمدردی حاصل ہو۔
- تنظیمی تعصبات میں مبتلا ہو کر مجاہدین کی وحدت کو توڑنا، تنظیم کو ولاء و براء کا پیمانہ بنانا، تنظیم کو دین کی خدمت کا وسیلہ سمجھنے کی بجائے خود مقصود بنا لینا، ہر حق و ناحق میں اپنی تنظیم اور اپنے امیر ہی کا ساتھ دینا اور یہ بھول جانا کہ یہ تنظیمیں محض ایک عارضی مرحلہ ہیں جس کے بعد ان شاء اللہ سب تنظیمیں مٹ کر ایک امت اور ایک خلافت میں ضم ہو جائیں گی۔
- ایک رب، ایک کتاب اور ایک نبی ﷺ پر متحد اور کفار کے خلاف جہاد پر متفق مجاہدین کو مسلکی اور فروعی اختلافات میں الجھا کر ان کی وحدت توڑنا، مجاہدین کی دعوت کا رخ نفاذِ شریعت کی دعوت کی بجائے باہمی مناظرہ بازیوں کی طرف پھیرنا اور ان کے قتال کا رخ کفار و مرتدین سے لڑنے کی بجائے اس طرف پھیر دینا کہ وہ ایک مسلک کو دوسرے مسلک پر فتح دلانے ہی کو اپنا جہاد سمجھنے لگیں۔
- شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ اور دیگر قائدینِ جہاد نے مجاہدین کے لیے جو ترجیحات مقرر کیں (خصوصاً امت کی آزادی اور خلافت کے قیام تک یہود، امریکہ اور ان کا ساتھ دینے میں پیش پیش مقامی حکمرانوں کے خلاف جنگ پر توجہ مرکوز رکھنا) مجاہدین کو ان ترجیحات سے ہٹانا، ان کو اپنی اساسی جنگ سے فارغ ہونے سے قبل نئے معرکوں میں الجھانا اور دہائیوں سے مصروفِ جہاد تحریک کو منزل کے اس قدر قریب پہنچ جانے کے بعد کسی اور پٹڑی پر چڑھا دینا! نتیجتاً مجاہدین کی قوت منتشر ہوئی، ان کی توانائیاں بکھر گئیں اور دشمن کے لیے اپنے نظام کی حفاظت آسان ہو گئی۔
- شریعت کا نعرہ لے کر کھڑے ہونے کے باوجود خود مجاہدین کی اپنی صفوں میں شریعت نافذ کرنے اور میدانِ جہاد کے داخلی تنازعات میں شریعت کا فیصلہ ماننے سے انکار کرنا اور اپنے عمل سے یہ ثابت کرنا کہ شریعت کا وہی فیصلہ قبول ہے جو ہوائے نفس کے موافق ہو اور جس سے مفادات پر ضرب نہ پڑے۔ چنانچہ مختلف علمائے حق، متعدد جہادی جماعتوں اور بہت سے دیگر مخلصین کی جانب سے اس جماعت کو بار بار شریعت کے فیصلے اور شریعت کے مطابق تحکیم کی طرف بلایا گیا مگر انہوں نے تاحال کسی ایک بھی پیش کش کو قبول نہیں کیا حالانکہ تمام دیگر اہم فریق خود کو شرعی فیصلے کے لیے پیش کر چکے ہیں۔
- ادب اور اخلاق سے عاری ہونا اور نہ کسی حق گو عالم، نہ کسی پابندِ شرع امیر، نہ کسی سفید ریش بزرگ اور نہ ہی دین کی خاطر سبقت لے جانے اور قربانیاں دینے والی شخصیات کا احترام کرنا۔ پھر یہی نہیں، بلکہ ان کا احترام کرنے، اسلامی اخلاق وآداب اختیار کرنے اور اہلِ ایمان کے ساتھ عاجزی، نرمی، بردباری، سچائی، اخلاص، صاف گوئی، حسنِ ظن، حیاء اور ادب سے پیش آنے کو بھی عیب سمجھنا۔ یہ بے ادبی اور بد اخلاقی اس گروہ کا امتیازی وصف بن چکی ہے...... اور احادیثِ نبویہ ﷺ اس بات پر شاہد ہیں کہ مسلمانوں میں سے سب سے برے وہی ہیں جو سب سے برے اخلاق والے ہیں!
- خیر کی بجائے شر پھیلانا اور صلاح کی بجائے فساد کا طالب ہونا! پس آپ دیکھیں گے کہ یہ گروہ جہاد کی مضبوطی کی فکر کرنے اور کفار کے خلاف جہادی منصوبے بنانے سے زیادہ مجاہدین کے عیوب کی تلاش میں رہتا ہے، غیبت، بہتان اور سوئے ظن کی مجالس جماتا ہے، نت نئے فتنے ایجاد کرنا اور نت نئے شوشے چھوڑ کر مجاہدین کی توجہ و توانائی منتشر کرنا اس کا محبوب مشغلہ ہے، معصوم اور سادہ لوح مجاہد ساتھیوں کی ذہنی یکسوئی خراب کرنا، انہیں قائدینِ جہاد سے متنفر کرنا، ان کے سامنے حالات کی ایک بھیانک اور مایوس کن تصویر پیش کرنا، ان کے حوصلے توڑنا، افواہیں پھیلانا، دلوں میں شبہات ڈالنا ان کا وطیرہ ہے...... ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ پاک نے ان کے لیے جہاد میں یہی حصہ لکھ دیا ہے!

میرے عزیز بھائیو! اگرچہ اس گروہ پر مزید بھی بات کرنا ممکن ہے، لیکن جماعتِ دولہ اسلامیہ کے منہج کی بنیادی گمراہی واضح کرنے کے لیے ان شاء اللہ مذکورہ بالا نکات کافی ہیں۔ انہی صریح اور بھیانک گمراہیوں کے سبب تمام معروف علمائے جہاد اس بات پر مجبور ہوئے کہ وہ دولہ کی قیادت کے گمراہ ہونے کا کھل کر اعلان کریں۔ چنانچہ افغانستان اور مختلف جہادی محاذوں پر

وقت گزارنے والے، برطانیہ میں سالہا سال قید رہنے والے اور اب اردن کی جیل میں قید معروف مجاہد عالمِ دین، فقیہ اور مفسر شیخ ابو قتادہ فلسطینی (فک اللہ اسرہ)[1] نے اپنی ایک تازہ تحریر میں صراحت سے لکھا:

”میں یہ خط شدید رنج والم کی کیفیت میں لکھ رہا ہوں اور اگر اللہ نے علماء سے یہ عہد نہ لیا ہوتا کہ وہ خلقِ خدا کے سامنے حق بات بیان کریں تو میں کبھی یہ باتیں نہ لکھتا۔ میں نے اپنے آپ کو یہ بات کہنے سے بہت روکا مگر مجھے یہ خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں میں حق بات چھپانے کا مرتکب نہ ہو جاؤں...... پس اب میں صراحت کے ساتھ کہنے پر مجبور ہوں کہ مجھ پر یہ بات بالکل یقینی طور پر واضح ہو چکی ہے اور مجھے کسی قسم کا شک نہیں کہ 'دولتِ اسلامیہ عراق و شام' کی قیادت، خصوصاً اس کی عسکری قیادت اور اس کے وہ شرعی ذمہ داران جو اس کو فتاویٰ دیتے ہیں، یہ (حدیثِ مبارکہ کے الفاظ میں) 'اہلِ جہنم کے کتے ہیں' اور ان میں خوارج کی یہ صفت پوری طرح پائی جاتی ہے کہ 'یہ اہلِ اسلام کو قتل کرتے ہیں اور مشرکین کو چھوڑ دیتے ہیں'۔“ (رسالة إلى أهل الجهاد ومحبيه للشيخ أبي قتادة الفلسطيني فک الله أسره)

اسی طرح عالمِ عرب کے معروف عالمِ دین، درجنوں کتب کے مصنف، بارہا جیلیں کاٹنے والے حق گو مجاہد، شیخ زرقاویؒ کے جیل کے ساتھی، شیخ ابو محمد مقدسی نے بھی کھل کر دولہ کے خلاف متعدد تحریرات لکھیں اور اپنی تازہ ترین تحریر میں جو محض چند دن قبل سامنے آئی ہے، کھل کر لکھا کہ:

”دولہ اسلامیہ نامی جماعت کے بارے میں یہ بات دلائل سے ثابت ہو چکی ہے کہ اس نے ناحق خون بہائے، اس نے مجاہدین کے قائدین اور ان کے علماء کے احکامات کی نافرمانی کی اور ان کی نصیحتیں اور اصلاح کی سب کوششیں رد کیں، ان کے بعض افراد بلکہ ان کی شرعی لجنہ کے اراکین تک میں غلو کا مرض گھس آیا اور ان میں سے بعض نے تو کھل کر اعتراف کیا کہ ان کی صفوں میں خوارج موجود ہیں...... پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس جماعت نے ہمارے اکابرین، ہمارے علماء اور مشائخ پر زبان درازی کی، خصوصا ہمارے بھائی اور ہمارے محبوب شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ کے خلاف بدزبانی کی اور ان کے احکامات ماننے سے انکار کیا اور اپنی اس معصیت و سرکشی کو جائز ثابت کرنے کے لیے یہ دعویٰ کیا کہ القاعدہ درست منہج سے ہٹ گئی ہے۔ پھر اس کے لیے القاعدہ کے قائدین کے بیانات میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسی عبارتیں سامنے لائے جن میں شرعاً کوئی بھی قابلِ گرفت بات نہیں تھی...... پس اب مزید تاخیر و انتظار ممکن نہیں رہا، بلکہ اب خاموش رہنا دراصل منکر کو برداشت کرنے اور باطل کے سامنے چپ رہنے کے مترادف ہے...... چنانچہ میں اعلان کرتا ہوں کہ 'دولتِ اسلامیہ فی العراق والشام' نامی تنظیم راہِ حق سے منحرف، مجاہدین کے خلاف سرکشی کرنے والی، غلو میں مبتلا اور خونِ مسلم کو بہانے کی مرتکب جماعت ہے......!“ (في بيان حال الدولة الإسلاميه في العراق والشام والموقف الواجب تجاهها، للشيخ أبي محمد المقدسي)

اسی طرح مصر سے تعلق رکھنے والے مجاہد عالمِ دین شیخ ہانی سباعی حفظہ اللہ نے فرمایا ہے:

”اس جماعت کے ترجمان ابو محمد عدنانی نے حروری خارجی فرقے کے رستے پر چلتے ہوئے بودی تاویلات اور باطل شبہات کا سہارا لے کر مجاہدین کا خون حلال قرار دیا اور اپنی تنظیم سے تعلق نہ رکھنے والے تمام مجاہدین کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔ البتہ ان میں اور پرانے دور کے خارجیوں میں بہت فرق ہے کیونکہ نہ تو یہ اُن جیسی شجاعت، نہ ان جیسی فصاحت و بلاغت، نہ ہی ان جیسے اخلاق کے حامل ہیں، البتہ انہوں نے خارجیوں کی بدترین صفت اختیار کر لی ہے، یعنی مسلمانوں کا خون حلال سمجھنے کی صفت! بلکہ یہ تو قرامطہ، اسماعیلیہ اور حشاشین کے رستے پر چل نکلے ہیں جنہوں نے عالمِ اسلامی میں دہشت و فساد پھیلایا اور خلفاء، سلاطین ، علماء اور صلاح الدین ایوبی جیسے ابطال کو قتل کیا۔“ (بيان براءة ومفاصلة ليهلک من هلک عن بينة للشيخين الدكتور طارق عبدالحليم والدكتور هاني السباعي)

ان کے علاوہ شیخ عبد اللہ محیسنی، شیخ سامی عریدی، شیخ ایاد قنیبی اور بہت سے دیگر علمائے جہاد نے بھی کھل کر واضح کیا ہے کہ دولہ اسلامیہ نامی جماعت کی قیادت واضح طور پر گمراہ منہج اختیار کر چکی ہے اور اس جماعت سے الگ ہونا اور راہِ حق پر گامزن جہادی جماعتوں کے ساتھ شامل ہونا فرض ہے۔ نیز انہوں نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ افراط کا جواب تفریط سے نہ دیا جائے کیونکہ دونوں راہیں ہی گمراہی ہیں، بلکہ تمام امور میں راہِ اعتدال پر جمار ہا جائے۔

عزیز بھائیو! آج خراسان کے محاذ پر بھی چند لوگ انہی گمراہ عقائد و نظریات کے حامل اور اسی فسادی منہج پر عمل پیرا ہیں...... بلکہ بعض تو اس کے سرگرم داعی بھی ہیں...... اور بعض دیگر جزوی طور پر اس گمراہی سے متاثر ہیں۔ یہاں ان کا بنیادی معرکہ القاعدہ سے نہیں، بلکہ امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ کے بالمقابل ایک نیا امیر، نئی امارت اور نئی دعوت کھڑا کرنا ان

[1] شیخ ابو قتادہ حفظہ اللہ دمِ تحریر گرفتار تھے اور اب الحمد للہ بخیر وعافیت طواغیت کے قید خانوں سے رہائی پا چکے ہیں۔ (ادارہ)

کا بنیادی مقصود ہے۔ پس ہر مجاہد کو اس گروہ کو، اس کی صفات وعلامات کو اور اس کے منہج کی بنیادی خرابیوں کو (جن کا ذکر سطورِ بالا میں کیا جا چکا ہے) اچھی طرح پہچان لینا چاہیے تاکہ جس ایمان کو بچانے ہم گھروں سے نکلے تھے اس ایمان کی حفاظت کر سکیں، شبہات پھیلانے والے 'مرجفین' کی مذموم کوششوں کے باوجود راہِ جہاد پر جمے رہ سکیں، اپنی بندوقوں اور زبانوں کا رخ کفار و مرتدین ہی کی طرف رکھ پائیں اور دوسرے مجاہد بھائیوں کو بھی اس خطرناک فتنے سے بچانے میں مدد کر پائیں۔

نیز یہ بھی بخوبی سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ایک بدعتی فکر ہے اور اس فکر کے حامل دین میں غلو کی اس خطرناک بدعت میں مبتلا ہیں جس سے نبیِ اکرم ﷺ نے بہت سی احادیث میں خبر دار فرمایا اور جسے آپ ﷺ نے سابقہ امتوں کی ہلاکت کا سبب قرار دیا۔ واضح رہے کہ اہلِ بدعت میں سے جو لوگ اس بدعت کی طرف باقاعدہ دعوت دیتے ہوں اور دیگر مسلمانوں کو اس کی طرف بلاتے ہوں ان سے تعامل کے حوالے سے شریعت نے کچھ واضح ہدایات دی ہیں۔ ان میں سے سب سے نمایاں اور متفق علیہ ہدایات یہ ہیں کہ

بدعت کے داعیوں کے ساتھ نہ تو بیٹھا جائے، نہ ان کے قریب رہا جائے، نہ ان کو سلام کیا جائے، نہ ان سے بات کی جائے، نہ ان کی بات سنی جائے، نہ ان کی کتب پڑھی جائیں، نہ ان کی دعوت قبول کی جائے، نہ ان کا کھانا کھایا جائے، نہ ان کی عیادت کے لیے جایا جائے اور نہ ان کو احترام دیا جائے۔

البتہ ایسے اہلِ علم جو ان کے دلائل رد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں وہ اگر ان کی اصلاح کرنے یا ان کا باطل ہونا واضح کرنے کے لیے ان کے ساتھ بیٹھیں تو حرج نہیں۔ اس حوالے سے مزید تفصیلی احکام کتبِ عقائد و کتبِ فقہ میں 'ھجر المبتدع' کے عنوان تلے موجود و معروف ہیں اور امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی مجموع الفتاویٰ میں اس پر نہایت خوبصورت اور تفصیلی بحث کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان و جہاد پر خاتمہ نصیب فرمائیں، ہماری زبانوں و بندوقوں کا رخ کفار ہی کی طرف رکھیں اور ہمیں فتنوں میں گرنے سے بچا لیں، آمین!

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

☆☆☆☆☆

بقیہ: تنویر الاسلام شہید

مختلف سمتوں میں پھیل جاتے ہیں تنویر الاسلام بھائی اور حافظ عبد الرحمن ایک سمت بھاگتے ہیں مگر اس طرف قریب میں کوئی اوٹ نہیں یہ دونوں بھائی قریب ہی موجود کھنڈرات کی ایک دیوار کے ساتھ لگ جاتے ہیں۔ فضاء میں موجود طیارہ ایک اور میزائل فائر کرتا ہے، اس کا ہدف اس مرتبہ تنویر الاسلام اور عبد الرحمن بھائی ہوتے ہیں۔ میزائل پھٹتے ہی دونوں رب کے پیارے سوئے بہشت روانہ ہو جاتے ہیں۔ (نحسبہ کذالک واللہ حسیبہ ولا نزکی احداً)

اللہ پاک آپ دونوں سمیت امت کے ہر ہر شہید کی شہادت کو قبول فرمائیں اور امت مسلمہ کو غموں سے نجات دلائیں ہمیں بھی اپنے راستے کی مقبول شہادت عطا فرمائیں، آمین!

☆☆☆☆☆

بقیہ: سلطانیٔ جمہور

ان کی مصروفیات ایک بار پھر بحال ہو گئی ہیں، مگر تمام تر مصروفیات میں بھی وہ تینوں بھائی اب اپنے گھر والوں کو وقت دینا نہیں بھولتے۔ عثمان صاحب ہر شام چائے کے وقت گھر کی تمام بیٹیوں کو اکٹھا کر کے ان کے ساتھ مختلف دینی و دنیاوی موضوعات پر گفتگو کرتے ہیں۔ اکثر ہی ان کی اس محفل میں صولت بیگم، فائزہ بیگم اور بینش بھی خاموش سامع کی حیثیت سے شریک ہو جاتی ہیں۔

عبد اللہ بخیر و عافیت گھر واپس آ چکا ہے اور ماں کی آغوش میں خوش و مطمئن اور محفوظ و مامون ہے۔ ارشد کینیڈا لوٹ چکا ہے۔ انہیں اگرچہ ابھی ایک طویل قانونی جنگ کا سامنا ہے، مگر وہ پر امید ہیں کہ اس میں فتح انہی کی ہو گی۔

ہاشمی ہاؤس آج بھی قرضوں کے پہاڑ تلے دبا ہوا ہے۔ معاشی و اقتصادی سہارے پہلے کی نسبت بہت کم ہیں...... مگر کام کرنے کی ہمت و حوصلہ اور اپنا پرانا مقام و جگہ حاصل کرنے کا عزم و ارادہ جوان ہے۔ گزشتہ دو سال کے عرصے میں انہوں نے بہت سی غلطیاں کی ہیں اور بہت سے اسباق حاصل کیے ہیں، ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اپنی غلطیوں پر پشیمان ہیں، مگر تلافی کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے کیے کا بھگتان بھگتنا چاہتے ہیں۔ اپنی غلطیوں کو سدھار کر آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ سو اگر صبح کا بھولا شام کو گھر واپس آ جائے، تو اسے بھولا نہیں کہتے۔

آج ہاشمی ہاؤس میں جمہوریت کی حکومت نہیں...... اللہ والوں کی حکومت ہے۔ اور اب اہالیانِ ہاشمی ہاؤس کو راستہ بہ سمتِ منزل سیدھا، صاف اور واضح نظر آ رہا ہے۔

(ختم شد)

☆☆☆☆☆

جمہوری عدالتیں اور اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کرنا

حضرت الامیر، مولانا عاصم عمر شہید رحمۃ اللہ علیہ

اب تک کی بحث سے اتنی بات سمجھ آچکی کہ اس آیت ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ”جو اللہ تعالیٰ کی شریعت سے فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں“، اس کافر ہونے کی تفصیل اسلافِ امت نے بیان کی ہے، جو خوارج سے ہٹ کر اور آج کے جدید مرجئہ سے بچ کر اہل سنت والجماعت کا راستہ ہے۔ اب اس کو ہم مزید تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ شریعت میں کفر کی دو اقسام بیان کی گئی ہیں۔

أ. کفرِ اکبر: اس کو کفرِ حقیقی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایسا کفر ہے جو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

ب. کفرِ اصغر: اس کو کفرِ مجازی بھی کہتے ہیں۔ اس کو علما ”کفر دون کفر“ بھی کہتے ہیں۔ یہ ایسا کفر ہے جو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی شریعت سے فیصلہ نہیں کرتے، ان کے بارے میں سلف صالحین کی بیان کردہ تفسیر کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین وفقہا، مفسرین اور محدثین رحمہم اللہ نے اس آیت کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ:

’اگر کوئی قرآن کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کو واجب نہ سمجھے تو یہ کفرِ اکبر میں مبتلا ہے۔ لہٰذا وہ ایسا کافر ہے جو دائرۂ اسلام سے مکمل خارج ہو چکا۔ لیکن اگر کوئی قرآن کے قانون سے فیصلہ کرنے کو واجب سمجھتا ہے، لیکن عملاً اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا، البتہ اپنے اس عمل کو گناہ سمجھتا ہے تو یہ کفرِ اصغر ہے جو ملت سے خارج نہیں کرتا، ایسا شخص فاسق ہے۔‘

اس بات کو امام صدر الدین ابن العز حنفیؒ (۷۳۱ھ تا ۷۹۲ھ) نے ”شرح عقیدۃ الطحاویۃ“ میں مزید تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ کتاب علمائے عرب میں بھی مقبول ہے۔ یاد رہے کہ ”عقیدۃ الطحاویۃ“ عقیدے کی مشہور کتاب ہے جو تمام بڑے مدارس میں پڑھائی جاتی ہے، اور امام طحاویؒ احناف کے چوٹی کے اماموں میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں:

”یہاں اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھنا ضروری ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے علاوہ سے فیصلہ کرنا، کبھی ایسا کفر ہوتا ہے جو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور کبھی گناہِ کبیرہ یا صغیرہ ہوتا ہے اور کبھی کفرِ مجازی یا کفرِ اصغر ہوتا ہے۔ اس بات کا تعلق حاکم کی حالت سے ہے۔

اگر حاکم (یا ریاست) یہ نظریہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنا واجب نہیں ہے، (اور اس کا یہ نظریہ ہے کہ) وہ اس فیصلہ کرنے میں بااختیار ہے (چاہے اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرے چاہے اس کے علاوہ سے) یا حاکم (یا ریاست) اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کو اہمیت نہ دے، اگرچہ وہ اس بات کا یقین رکھتا ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے، تو یہ تمام صورتیں کفرِ اکبر (یعنی ایسا کفر جو مرتد بنا دیتا ہے) کی ہیں۔

اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کو واجب سمجھتا ہے، اور اس فیصلہ میں اس کو اللہ تعالیٰ کے قانون کا علم بھی تھا، پھر اس قانون سے فیصلہ کرنے سے روگردانی کر جاتا ہے، اس اعتراف کے ساتھ کہ اس عمل سے وہ عذاب کا مستحق ٹھہرے گا، تو ایسا حاکم (یا ریاست) گناہ گار ہے۔ اس کو ایسا کافر کہا جائے گا جو کفرِ مجازی یا کفرِ اصغر میں مبتلا ہے۔ اور اگر اس فیصلے میں اللہ تعالیٰ کے قانون سے ناواقف ہو، لیکن اس قانون کو جاننے کی جدوجہد کی اور حتی الامکان کوشش کی، پھر فیصلے میں غلطی کر گیا تو یہ ’غلطی کرنے والا‘ کہلائے گا۔ اس کو اس کے اجتہاد کی نیکی ملے گی اور اس کی خطا معاف ہے۔“[1]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ”منہاج السنۃ“ میں فرماتے ہیں:

”اور اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت سے فیصلے کے واجب ہونے کا نظریہ نہ رکھے تو ایسا شخص کافر ہے، چنانچہ شریعت کے علاوہ کسی (نظام) کو عدل وانصاف سمجھتے ہوئے لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کو قانونی (حلال) سمجھے، وہ کافر ہے۔“[2]

امام ابن قیم رحمہ اللہ (۶۹۱ھ۔۷۵۱ھ بمطابق ۱۲۹۲ء۔۱۳۵۰ء) نے بھی ”مدارج السالکین“ میں یہی تفصیل بیان کی ہے جو امام ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:

”اور صحیح بات یہ ہے کہ قرآن کے علاوہ فیصلہ کرنے میں دو قسم کا کفر ہو سکتا ہے، (ایک) چھوٹا کفر (دوسرا) بڑا کفر، اس کا دارومدار حاکم کی حالت پر ہے۔“[3]

---

[1] شرح الطحاوية في العقيدة السلفية؛الجزء۲:باب الاقرار بالربوبية أمر فطرى والشرك أمر...صدر الدين على بن على بن محمد بى العز الحنفى

[2] منهاج السنة النبوية ؛الجزء۵،ص۱۲

[3] مدارج السالکین؛ص:۲۵۹

آگے وہی تحقیق ہے جو امام ابی العز حنفی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔

امام ابو جعفر نحاس رحمہ اللہ (۳۸۸ھ) کی تحقیق لکھی جا چکی ہے کہ فرمایا:

”میں کہتا ہوں کہ فقہا کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص یہ بات کہے کہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنا واجب نہیں تو وہ کافر ہو گیا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ایک قانون کو رد کر دیا۔“[1]

امام ابو بکر جصاص حنفی رحمہ اللہ نے ”احکام القرآن“ میں ایک اور نکتہ بیان فرمایا ہے، جو آج ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے جو غیر اسلامی آئین کو اسلامی ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اور غیر اسلامی آئین سے فیصلہ کرتی عدالتوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اسلامی آئین کی رو سے فیصلے کرتی ہے۔ فرماتے ہیں:

”فَإِنْ كَانَ الْمُرَادُ جُحُودَ حُكْمِ اللهِ أَوِالْحُكْمُ بِغَيْرِهِ مَعَ الْإِخْبَارِ بِأَنَّهُ حُكْمُ اللهِ ،فَهَذَا كُفْرٌيُخْرِجُ عَنْ الْمِلَّةِ وَفَاعِلُهُ مُرْتَدٌّ۔“

”اور اگر (اس آیت میں کفر سے) مراد اللہ کے قانون سے فیصلہ کرنے کا انکار یا قرآن کے علاوہ سے فیصلہ کر کے یہ کہنا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قانون سے فیصلہ کیا گیا ہے، تو یہ (دونوں صورتیں) ایسا کفر ہے جو ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اور ایسا کرنے والا مرتد ہے۔“[2]

جمہوری عدالتیں اور جج

جمہوری نظام کی عدالتیں صرف اسی قانون کے تحت فیصلہ دینے کو واجب سمجھتی ہیں جو قانون اس نظام کے تحت آئین کا حصہ قرار دیا گیا ہو۔ اس کے علاوہ وہ کسی بھی قانون کے مطابق فیصلے کو حرام یعنی غیر آئینی سمجھتی ہیں۔ اس قدر حرام سمجھتی ہیں کہ وہ اس قانون کے علاوہ کسی اور قانون (خواہ اللہ ہی کا ہو) کو پڑھنا بھی وقت کا ضیاع سمجھتی ہیں۔ ان کے کالجوں میں وہی کفریہ قانون پڑھایا جاتا ہے اور اسی پر مقدمہ لڑنے اور جج بننے کی سند عطا کی جاتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے قانون کا کوئی کتنا ہی بڑا عالم و مفتی کیوں نہ ہو، وہ ان کے نزدیک اس قابل ہی نہیں کہ اس کو وکالت یا جج کی سند عطا کی جائے۔ بلکہ یہ لوگ علما کو حقیر اور جاہل سمجھتے ہیں۔ اس سے ان کے عقیدے کا اندازہ کرنے میں اہلِ علم کو کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیے کہ ان کا ایمان کس قانون پر ہے، اللہ تعالیٰ کے قانون پر یا اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پر؟

چلیے اگر کسی کو ضد ہے کہ وہ بغیر دلیل کے اپنی ضد پر ڈٹ کر ان کو پہلے ذمے (کفرِ اکبر والے) میں شامل نہیں کرتا، تو ہم پوچھتے ہیں کہ وہ ان کو دوسرے زمرے میں کس طرح شامل کر سکتا ہے جب کہ امام ابن ابی العز حنفیؒ کفرِ اصغر والی صورت میں یہ شرط بیان کر رہے ہیں کہ

”اللہ تعالیٰ کے قانون کے علاوہ فیصلہ کرنے والا یہ یقین رکھتا ہو کہ ایسا کرنے سے وہ عذاب کا مستحق ہو گا“؟

آپ ذرا جمہوری نظام کے تحت چلنے والی عدالتوں اور ججوں کا حال ملاحظہ فرمائیے کہ وہ کس دھڑلے سے اللہ تعالیٰ کے قانون کے علاوہ فیصلے کرتے چلے آ رہے ہیں، اور اپنے آپ کو عذاب کا مستحق سمجھنا تو دور کی بات، خود کو منصف، قاضی اور اللہ کا ولی شمار کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک حرام بلکہ کفر کرنے کو اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ سمجھنا تمام علمائے امت کے نزدیک ایسا کفر ہے جو دین سے خارج کر دیتا ہے۔ اور امام صاحب کے نزدیک بھی یہ لوگ دوسرے زمرے میں داخل نہیں سمجھے جائیں گے۔

علمائے حق سے چند گزارشات

کیا موجودہ پارلیمنٹ، عدالتیں اور ان کے جج یہ نظریہ نہیں رکھتے کہ:

تمام مقدمات (خصوصاً سود، زنا، چوری وغیرہ) میں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ سنانا ان پر واجب نہیں ہے، بلکہ ان پر واجب اس قانون کے مطابق فیصلہ سنانا ہے جو پارلیمنٹ میں منظور ہو کر آئین کا حصہ بنا دیا گیا۔

امام صدر الدین ابن ابی العز حنفی اور امام ابن قیم رحمہما اللہ اس وقت کفرِ اکبر کا حکم بیان کر رہے ہیں جب کہ حاکم یہ نظریہ رکھتا ہو کہ اس کا اختیار ہے، چاہے وہ قرآن سے فیصلہ کرے چاہے غیر قرآن سے۔ جب کہ یہاں صورت حال یہ ہے کہ حاکم غیر قرآن سے فیصلہ کرنے کو ہی اپنے اوپر فرض کیے بیٹھے ہیں۔ بلکہ وہ حلف ہی اس کا اٹھاتا ہے کہ وہ اسی آئین کے مطابق فیصلہ کرے گا جو غیر اللہ (پارلیمنٹ) کی جانب سے منظور ہو گا۔

کیا موجودہ نظام قرآن سے فیصلہ کرنے کو اہمیت دیتا ہے؟ بلکہ یہ تو قرآن کے قانون (سنگ ساری، کوڑے، ہاتھ کاٹنا، قصاص، سود کی ممانعت وغیرہ) کے نفاذ کو قوت سے روکتا ہے، اس کو ناقابلِ عمل سمجھتا ہے۔ قرآن و سنت اور فقہ کی بجائے ان کے لاء کالجوں میں وہی قانون پڑھایا جاتا ہے جو انگریزوں نے بنایا ہے۔

کیا اس عدالتی نظام میں کوئی اپنے آپ کو گناہ گار سمجھتا ہے؟

کیا غیر قرآن سے فیصلہ کرتی عدالتوں کو اسلامی آئین سے فیصلہ کرنے والی عدالت کہہ کر ان کو اسلامی قرار نہیں دیا جا رہا؟

[1] معانی القرآن

[2] احكام القرآن للجصاص:الجزء٦،باب الحكم بين أهل الكتاب

سو علمائے حق سے درخواست ہے کہ وہ امام صدرالدین ابن ابی العز حنفیؒ کی یہ عبارت ان نام نہاد اہلِ علم کو اچھی طرح سمجھائیں:

فانه ان اعتقد أن الحكم بما أنزل الله غير واجب، وأنه مخير فيه، أو استهان به مع تيقنه أنه حكم [الله] فهذا كفر أكبر...

''اگر حاکم (یا ریاست) یہ نظریہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنا واجب نہیں ہے، (اور اس کا یہ نظریہ ہے کہ) وہ اس فیصلہ کرنے میں بااختیار ہے (چاہے اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرے چاہے اس کے علاوہ سے) یا حاکم (یا ریاست) اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کو اہمیت نہ دے، اگرچہ وہ اس بات کا یقین رکھتا ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے، تو یہ تمام صورتیں کفرِ اکبر (یعنی ایسا کفر جو مرتد بنا دیتا ہے) کی ہیں۔''

اس عبارت میں بیان کی گئی ہر ایک بات الگ الگ، مستقل، کفرِ اکبر ہے۔ جب کہ اس باطل نظام میں یہ تمام کفرِ اکبر جمع ہیں۔

سو کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے اپنی عدالتوں کی بنیاد، مرجع و مأخذ اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر انسانوں کو بنالیا ہے۔ یہ عدالتیں اسی کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہیں، اسی پر عدلیہ میں حلف لیا جاتا ہے اور ساری عمر اسی حلف کی پاس داری و وفاداری میں گزاردی جاتی ہے؟ اسی کے بدلے اجر (تنخواہ، پرموشن) اور اس کے خلاف کرنے پر عذاب (نوکری کا خاتمہ) کا یقین... یہ سب کیا ہے؟

نیز امام صاحبؒ کی عبارت کے یہ الفاظ بھی نہایت غور طلب اور مدعا میں واضح ہیں کہ ''مع تيقنه أنه حكم الله'' کہ حاکم اگرچہ یہ یقین رکھتا ہو کہ یہ آیات واحکامات اللہ تعالیٰ ہی نے نازل کیے ہیں لیکن اگر اس کے باوجود فیصلہ اس کے مطابق نہ دے تو بھی کفرِ اکبر کا مرتکب ہے! اسلام کے ساتھ دوسرا دین قبول نہیں۔

اگر علما یہ کہتے ہیں کہ موجودہ جمہوری عدالتی نظام اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون پر ایمان رکھتا ہے لہٰذا ان پر کفرِ اکبر کا حکم نہیں لگ سکتا، تو ان علما سے درخواست ہے کہ جن مفسرین کی تفسیر پیچھے بیان کی گئی ہے اس کو دوبارہ پڑھیں اور پھر دیکھیں کہ کیا موجودہ جمہوری نظام میں وہی باتیں نہیں پائی جاتیں جن کو اسلافِ امت نے کفرِ اکبر کہا ہے؟ نیز یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ کیا صرف زبان سے قرآن کو حق تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے؟ ایک طبقہ زبان سے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ قرآن پر ایمان رکھتا ہے لیکن جس چیز کو قرآن نے کفر کہا، اس کو کفر نہیں مانتا، تو کیا یہ مسلمان ہو سکتا ہے؟ کیا یہ خود اپنے قول کی تردید نہیں کر رہا؟ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ قرآن کی ساری آیات پر پکا ایمان رکھتا ہے لیکن کسی خاص بت کو سجدے کرنے، اس کو مقدس ماننے، اس کی تعظیم کرنے اور اس کے لیے جینے مرنے کی قسم کھانے کو کفر تسلیم نہ کرے تو کیا دنیا کا کوئی سرکاری عالم اس کو کفر سے بچا سکتا ہے؟

کیا ایسا ممکن ہے کہ کوئی شخص زبان سے کلمۂ طیبہ بھی پڑھتا ہو اور اس کے ساتھ اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو بھی مانتا ہو؟ تو کیا اس کو مسلمان کہا جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ کوئی بھی شخص ایک وقت میں دو دینوں کا اقرار کرے، یا اسلام کے مقابلے میں کسی بھی دین کو اختیار کرے، یا دوسرے کسی بھی دین کو اچھا سمجھے، وہ مسلمان نہیں ہو سکتا اور اس کا زبان سے اقرار معتبر نہیں ہوگا۔ جب کہ یہاں تو اس جمہوریت کی محافظ قوتیں (خصوصاً پارلیمنٹ، عدلیہ، فوج اور پولیس) اس دین جمہوریت کی حفاظت و وفاداری کا حلف اٹھاتی ہیں، اس کا زبان سے اقرار بھی کرتی ہیں اور ان کا عمل بھی اس کی تصدیق کر رہا ہے۔ جب کہ اسلام کے بارے میں ان کا عمل بغض و عناد ظاہر کر رہا ہے۔ یا کم از کم اسلامی شریعت کے نفاذ میں اس کی مخالفت اور اس کے نفاذ کو روکنے کے لیے ریاستی طاقت کا استعمال اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ اس آئین کا مخالف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، اور جو کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے دین کا مخالف ہے اس کا حکم علمائے حق سے پوچھا جا سکتا ہے۔

چلیے ہم اور پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور سرکاری علما ہی کی بات مان لیتے ہیں کہ اس نظام کی محافظ قوتیں نفاذِ شریعت کے بارے میں بغض و عناد نہیں رکھتیں۔ لیکن اتنا تو آپ بھی مان لیجیے کہ ان کے دلوں میں اس جمہوریت کی محبت و تعظیم اس حد تک ہے کہ انہوں نے اس جمہوریت کو اللہ کے برابر قرار دے دیا۔ جس کو حرام (غیر قانونی) کر دیا جائے اس کو غیر قانونی (حرام) مان لیا جاتا ہے، جس کو حلال و قانونی کر دیا جائے وہ حلال ہو جاتا ہے۔ اس کی تعظیم، اس کا احترام، اس سے وفاداری اور اس کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے تمام کام انجام دینے کی قسمیں کھانا...... یہ بغیر محبت کے کیسے ہو سکتا ہے؟

آئیے دیکھتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اس محبت و تعظیم کے بارے میں کیا کہا گیا ہے جو غیر اللہ کو اللہ کے برابر کر دے۔

غیر اللہ کو اللہ کے برابر درجہ دینا:

قرآن کریم نے ایسا کرنے والوں کے بارے میں فرمایا:

إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ (الشعراء:۹۸)

''جب ہم تم کو رب العالمین کے برابر کرتے تھے''

یہ اہلِ جہنم کے آپس میں جھگڑے کا بیان ہے جو وہ جہنم میں جانے کے بعد اپنے قائدین سے کریں گے!

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر یوں فرماتے ہیں:

”جہنمی اپنے قائدین سے جھگڑا کریں گے اور کہیں گے، تمہارے حکم کی ہم نے اس طرح فرماں برداری کی جس طرح رب العالمین کے حکم کی فرماں برداری کی جاتی ہے، اور ہم نے رب العالمین کے ساتھ تمہاری عبادت کی۔[1]“

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”عبادت میں یہ جہنمی، ان (قائدین) کا حق ثابت کیا کرتے تھے“[2]

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فصل:وأماالشرک فھو نوعان: أکبروأصغر۔فالأکبر لا یغفرہ اللہ الا بالتوبة منه،وھو أن یتخذ من دون اللہ ندایحبه کما یحب اللہ وھوالشرک الذی تضمن تسویة آلھة المشرکین برب العالمین...الی أن قال...فذکرالھه ومعبودہ من دون اللہ

”شرک کی دو قسمیں ہیں: شرکِ اکبر، شرکِ اصغر

شرکِ اکبر: جس کو اللہ تعالیٰ بغیر توبہ کے معاف نہیں کریں گے، وہ یہ ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو شریک بنا لے، اس سے ایسی محبت کرے جیسے اللہ تعالیٰ سے محبت۔ اس شرک کے ضمن میں وہ شرک آتا ہے جو مشرکین اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر قرار دیتے تھے، اسی لیے جہنم میں وہ اپنے معبودوں سے کہیں گے: {إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ} ”اللہ کی قسم! ہم صریح گمراہی میں تھے جب ہم تمہیں رب العالمین کے برابر درجہ دیتے تھے“۔ یہ (اللہ تعالیٰ کے برابر بنانا) ان کے اس اقرار کے باوجود تھا کہ اللہ تعالیٰ تنہا ہی ہر چیز کے خالق و مالک اور رب ہیں۔ اس اقرار کے باوجود کہ ان کے معبود نہ کچھ پیدا کر سکتے ہیں، نہ کسی کو رزق دے سکتے ہیں، نہ کسی کو مار سکتے ہیں، نہ کسی کو زندہ کر سکتے ہیں۔ اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر کرنا صرف ان معبودوں کی محبت اور عظمت کی وجہ سے تھا... مشرکین اپنے معبودوں سے اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبت کرتے ہیں... اگر ان کے معبودوں کی توہین کی جائے تو یہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح غضب ناک ہو جاتے ہیں، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی توہین کی جائے تو اتنا غصہ نہیں ہوتے“[3]۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”دنیا میں اکثر مشرکین اسی قسم کے شرک میں مبتلا رہے ہیں“۔

جمہوریت دراصل اسی شرک کی دعوت دیتی ہے۔ اگر آپ کسی جرنیل یا جج سے پوچھیں کہ اس دنیا کا خالق و مالک، رب اور رازق کون ہے؟ تو یقیناً اس کا جواب یہی ہو گا کہ اللہ! لیکن جب اسے کہا جائے کہ پھر اس جمہوری عدلیہ اور آئین ساز اسمبلی کو اللہ تعالیٰ کے برابر بلکہ اللہ تعالیٰ سے بڑا کیوں ثابت کرتے ہو؟ قرآن کے قانون کو اس وقت تک فیصلے کے قابل کیوں نہیں سمجھتے جب تک کہ غیر اللہ (پارلیمنٹ) کی جانب سے اس کو منظوری نہ مل جائے؟ اسی طرح فوج و پولیس سے پوچھا جائے کہ تم اللہ تعالیٰ کی حدود (مثلاً کوڑے مارنا، سنگسار کرنے) کا مذاق اڑانے پر غضب ناک نہیں ہوتے، لیکن اگر جمہوری آئین کی رِٹ کو چیلنج کیا جائے تو تم بپھرے ہوئے شیر کی طرح غرّانے لگ جاتے ہو اور تمہاری ساری قوت اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی ہے؟ پھر تم اپنے ہی ہم وطنوں اور کلمہ گو مسلمانوں کو ڈنڈوں، آنسو گیس اور طیاروں اور توپوں سے مارنے لگ جاتے ہو!

اے علمائے حق! اگر یہ آئین ساز اور عدلیہ اب بھی شرکِ اکبر میں مبتلا نہیں تو پھر شرکِ اکبر کس کو کہتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصف (فیصلہ کرنے والا) بنائے بغیر ایمان مکمل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىَ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيماً (النساء:٦٥)

”سو قسم ہے تیرے رب کی! وہ مومن نہ ہوں گے، یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے کے بارے میں دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور قبول کریں خوشی سے“۔

امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے احکامات میں سے کسی ایک کا رد کر دے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات میں سے کسی ایک کا رد کرے، وہ اسلام سے خارج ہے، خواہ شک کی بنا پر رد کرے یا قبول نہ کرے یا قبول کرنے سے رک جائے، اور یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس مسلک کے صحیح ہونے کو ثابت کرتی ہے جس کے تحت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو مرتد قرار دے کر ان کو قتل کیا اور ان کی اولاد کو غلام بنایا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا کہ جو کوئی بھی اپنے فیصلے اور قانون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد نہ کرے وہ اہلِ ایمان میں سے نہیں ہے“[4]۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر

[2] بیضاوی؛ تفسیر آیت ہذا

[3] ”مدارج السالکین“ صفحہ ٢٦٠

[4] احکام القرآن للجصاص (ج٣، ص١٨١)

امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں کو بھی رد کرنے والوں کے ساتھ بیان فرمارہے ہیں جو اس کو قبول کرنے سے رک جائیں۔ سو جو ۶۵ سال سے نفاذِ شریعت سے رکے ہوئے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

> ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم (فیصلہ کرنے والا) بنائے بغیر ایمان ممکن نہیں۔ یعنی منافق لوگ کیسے بے ہودہ خیال میں ہیں اور کیسے بے ہودہ حیلوں سے کام نکالنا چاہتے ہیں، ان کو خوب سمجھ لینا چاہیے۔ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جب تک یہ لوگ تم کو اے رسول! اپنے تمام چھوٹے بڑے، مالی جانی نزاعات میں منصف اور حاکم نہ جان لیں گے کہ تمہارے فیصلے اور حکم سے ان کے جی میں کچھ تنگی اور ناخوشی نہ آنے پائے اور تمہارے ہر ایک حکم کو خوشی کے ساتھ دل سے قبول کرلیں گے، اس وقت تک ان کو ہر گز ایمان نصیب نہیں ہو سکتا، اب جو کرنا ہو سوچ سمجھ کر کریں“۔[1]

کیا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ربیع الاول کے مہینے میں نبی مانتے ہیں؟ سیرت النبی کی بڑی بڑی محفلیں، نعتیہ پروگرامات اور علمی مناظرے... لیکن جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے معاملات میں حکم اور جج بنانے کا وقت آتا ہے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے قانون سے فیصلے کرانے چلے جاتے ہیں اور اسی قانون کے تقدس، وفاداری اور پاسداری کی قسمیں کھاتے ہیں۔ نبی پر یہ کیسا ایمان ہے؟ محسنِ انسانیت کے احسانوں کا بدلہ چکانے کا یہ کون سا انداز ہے؟ ختم نبوت پر یہ کیسا ایمان ہے؟ کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی شریعت کو عدالتوں سے نکال کر، نظام زندگی سے نکال کر، قادیانی اور اس کے آقاؤں کی عدالتوں پر ایمان ہے؟ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کا بنایا طرز زندگی دنیا میں رائج ہے؟ اے غلامان مصطفی! سوچیے! کبھی تو سوچیے... دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیے... یہ کیسی وفا ہے؟ یہ کیسی محبت ہے؟ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر میدان اور شعبہ میں نبی مانے بغیر اس امت کی کشتی منزل پر نہیں پہنچ سکتی! یہ ذلت جو اس امت پر دو سو سال سے مسلط ہے، اس وقت تک نہیں دور ہو سکتی جب تک کہ ہماری زندگیاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے لیے داؤ پر نہ لگا دی جائیں۔ نیز شریعت کے کسی بھی حکم کو تسلیم نہ کرنا، اس کی ادائیگی کو ممنوع قرار دینا، شریعت کی نظر میں دین سے پھر جانے کے زمرے میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُواْ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُواْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلاَلاً بَعِيداً (النساء: ٦٠)

”کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس کتاب پر جو آپ پر نازل کی گئی اور اس پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی، وہ یہ چاہتے ہیں کہ اپنے مقدمے طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ ان کو یہ حکم کیا گیا ہے کہ وہ ان (طاغوتوں) کا انکار کریں، اور شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ وہ ان کو بہت دور تک گمراہ کر کے رکھ دے“۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر طبری، امام قرطبی اور ابواللیث سمرقندی رحمہم اللہ نے یہ روایات نقل کی ہیں:

> ”شعبیؒ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک منافق اور یہودی کے مابین کوئی تنازع ہوا، تو یہودی نے اس منافق کو فیصلے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کو کہا، کیونکہ یہودی کو معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رشوت نہیں لیتے ہیں۔ اور منافق نے اس یہودی کو کہا کہ فیصلہ تمہارے حکام (یعنی یہودیوں) سے چل کر کرتے ہیں، کیونکہ اس کو علم تھا کہ یہودی حکام فیصلے کرنے میں رشوت لیتے ہیں۔ چنانچہ جب ان دونوں میں اس بات پر اختلاف ہوا تو دونوں قبیلہ جہینہ کے ایک کاہن کے فیصلہ کرانے پر متفق ہوگئے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی“۔
>
> ”عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک منافق جس کا نام بشر تھا اور یہودی جس کا نام زفر تھا، میں کسی بات پر تنازع ہوا، تو یہودی نے کہا کہ ہمارے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو اور منافق نے کہا کہ نہیں کعب بن اشرف سے چل کر فیصلہ کراتے ہیں۔ اور یہی (کعب بن اشرف) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے طاغوت کا نام دیا ہے، یعنی سرکشی کرنے والا۔ لیکن یہودی فیصلے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کہیں اور جانے پر تیار نہیں ہوا۔ جب منافق نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ اس یہودی کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ چنانچہ (تنازع کی تفصیل سننے کے بعد) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ جب یہ دونوں باہر نکلے تو منافق نے کہا کہ میں اس فیصلے پر راضی نہیں ہوں، تم میرے ساتھ ابو بکر کے پاس چلو۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ جب یہ دونوں باہر نکلے تو منافق نے کہا کہ میں اس فیصلے پر راضی نہیں ہوں، اس لیے تم میرے ساتھ عمر کے پاس چلو۔ چنانچہ یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو یہودی نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، پر یہ راضی نہیں ہوا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق سے دریافت کیا کہ کیا ایسا

[1] تفسیر عثمانی

ہی ہے؟ منافق نے کہا، جی ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، دونوں ٹھہرو میں آتا ہوں۔ چنانچہ آپؓ اندر گئے اور تلوار لی، پھر آکر منافق کو تلوار کے وار سے ٹھنڈا کر دیا، اور فرمایا میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہ ہونے والے کا اسی طرح فیصلہ کرتا ہوں۔ یہودی وہاں سے بھاگ گیا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! تم فاروق ہو۔ اور جبریل علیہ السلام آئے اور فرمایا بلاشبہ عمر نے حق اور باطل کو الگ الگ کر دیا ہے"۔

اس واقعہ سے واضح معلوم ہوا کہ جو شخص کلمے کا دعویٰ بھی کرتا ہو، اس کے باوجود قرآن و سنت کے فیصلے پر راضی نہ ہو تو اس کی سزا قتل ہے۔

چنانچہ قرآن و سنت کے مطابق فیصلے کرانے کے لیے جب دعوت دی جائے تو مومنین کی شان قرآن نے یہ بیان کی ہے:

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (النور:۵۱)

"بلاشبہ مومنین کا قول، جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی جانب فیصلے کے لیے بلایا جائے، یہی ہوتا ہے کہ وہ یہ کہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے مان لیا، اور وہی کامیاب ہیں"۔

جب کہ منافقین کی پہچان قرآن نے یہ بتائی ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا (النساء:۶۱)

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس (کتاب) کی جانب جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب تو آپ منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ آپ سے پہلو تہی کرتے ہیں"۔

حکم بغیر ما أنزل اللہ کو ایک بار کرنے اور اس کو عادت بنا لینے میں فرق، اس کو بطور آئین (شریعت) نافذ کر دینا!

یہاں ذیل میں بیان کیے گئے اس فرق کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ:

- ملک میں نفاذ شریعت کے ہوتے ہوئے صرف ایک معاملے میں قرآن سے ہٹ کر فیصلہ کرنا۔
- ملک میں نفاذ شریعت کے ہوتے ہوئے قرآن سے ہٹ کر فیصلہ کرنے کی عادت بنالینا۔
- ملک میں نفاذ شریعت کی بجائے کوئی اور نظام رائج کرنا اور عدالتوں کا اس نظام کے تحت حلف اٹھانا اور فیصلے کرنا۔

کفرِ اکبر اور کفرِ اصغر کی بحث و تفریق ایسی ریاست، حاکم اور جج کے بارے میں ہے جو ملک میں نفاذِ شریعت کے ہوتے ہوئے صرف ایک معاملے میں قرآن سے ہٹ کر فیصلہ کرے، یعنی یہ تفریق اس جرم کی پہلی صورت سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا یہ بات سمجھنے کی ہے کہ دوسری صورت کے کفر ہونے میں تو کسی درباری مولوی کو بھی شک نہیں رہا ہے۔

جب کہ تیسری صورت کفرِ اکبر کی گندی ترین شکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس سے بڑا کفر تو بنی اسرائیل کے یہود نے بھی نہیں کیا تھا۔ ان کے فیصلوں کے مرجع و ماٰخذ (Authority) بھی وحی (یعنی ان کی تورات) تھی، جب کہ جدید ابلیسی جمہوریت کا تو مرجع و ماٰخذ ہی اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مقابلے میں غیر اللہ (پارلیمنٹ) کی شریعت ہے۔ سو ایسے کفر کو اسلام ثابت کرنا اپنے ایمان کو غارت کرنے والی بات ہے، اور ایسے کفر کو عوام کے سامنے بیان نہ کرنا بدترین کتمانِ حق ہے۔

تنبیہ: الغرض اس آیت کی تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کفر دون کفر (کفرِ اصغر) کا سہارا لے کر آج کی عدالتوں کو اس کا مصداق ثابت کرنا صریح خیانت اور عبداللہ بن عباسؓ کی ذات پر بہتان ہے۔ کیونکہ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کفر دون کفر کو مطلقاً نہیں استعمال کیا ہے بلکہ خوارج کے رد میں بیان کیا ہے۔

قرآن کے علاوہ سے فیصلہ کرتی عدالتوں کو اسلامی ثابت کرنا:

سو اس بحث کو سمجھ لینے کے بعد ہم تمام مسلمان بھائیوں سے درخواست کریں گے کہ وہ موجودہ عدالتی نظام 'جو شریعت کے علاوہ سے فیصلہ کرتی چلی آرہی ہیں' کے بارے میں یہ نہ کہا کریں کہ یہ عدالتیں تو ۷۳ کے آئین کے مطابق فیصلہ کرتی ہیں، اور ۷۳ کا آئین اسلامی ہے، لہٰذا یہ عدالتیں اسلامی آئین سے فیصلہ کرتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر اتنا بڑا بہتان ہے کہ جس سے آسمان ٹوٹ کر گر جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

امام ابو بکر جصاص حنفیؒ نے "احکام القرآن" میں اس نکتے کو بیان فرمایا ہے جو ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے جو غیر اسلامی آئین کو اسلامی ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اور غیر اسلامی آئین سے فیصلہ کرتی عدالتوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اسلامی آئین کی رو سے فیصلے کرتی ہیں۔ فرماتے ہیں:

”...فان كان المراد جحود حكم الله او الحكم بغيره م الاخبار بانه حكم الله فهذا كفر يخرج عن الملة وفاعله مرتد“۔[1]

”اور اگر (اس آیت میں کفر سے) مراد اللہ تعالیٰ کے قانون سے فیصلہ کرنے کا انکار یا قرآن کے علاوہ فیصلہ کرکے یہ کہنا کہ یہ اللہ کے قانون سے فیصلہ کیا گیا ہے، تو یہ (دونوں صورتیں) ایسا کفر ہے جو ملتِ اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اور ایسا کرنے والا مرتد ہے“۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”اور (یاد رکھو) جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے (بلکہ غیر حکمِ شرعی کو قصداً حکمِ شرعی بتلا کر اس کے موافق کرلے) سو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں“۔[2]

مفتی شفیع صاحبؒ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہ بات بیان فرمائی ہے:

”اور یاد رکھو کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے، بلکہ غیر حکمِ شرعی کو قصداً حکمِ شرعی بتلا کر اس کے موافق حکم کرے، سو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں“[3]۔

چنانچہ ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو ان عدالتوں کو اسلامی ثابت کرتے ہیں۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ اور فقہائے امت

قرآن مجید کے علاوہ سے فیصلہ کرنے کی بحث کو فقہائے امت نے بہت آسان انداز میں سمجھایا ہے۔ قارئین کی آسانی کے لیے اس کو بھی ہم یہاں بیان کر رہے ہیں۔

کفرِ اکبر:

أ. اس کی ایک تعریف تو پیچھے گزر چکی ہے، جو امام صدر الدین ابن ابی العز حنفیؒ نے بیان فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی شخص یہ نظریہ یا عقیدہ رکھے کہ اس دور میں شریعت کے مطابق چور کا ہاتھ کاٹنا، زانی کو سنگسار کرنا یا کوڑے مارنا، بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد قرآن و سنت پر استوار کرنا، قتال فی سبیل اللہ کرنا... مناسب نہیں، یا قابل عمل نہیں، یا ان پر عمل کرنے اور کرانے سے بے عزتی، شرمندگی اور (عالمی برادری میں) توہین سمجھے، یا حدود اللہ میں ترمیم کو جائز سمجھے، یا عملاً ترمیم کرلے، یا یہ نظریہ رکھے کہ انسانوں کے بنائے جدید نظام زیادہ مناسب ہیں... تو یہ نظریہ کفرِ اکبر ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے کیونکہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کو برا جانا اور غیر اللہ کی شریعت کو اچھا جانا۔

ب. کفرِ اکبر کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے قوانین کو بھی اچھا سمجھے لیکن جمہوری آئین کو اس سے زیادہ قابلِ عمل سمجھے۔

ج. یا جمہوری نظام کو نفاذِ شریعت کے برابر سمجھے۔ ’ب‘ اور ’ج‘ کا حکم ایک جیسا ہے۔ یعنی یہ دونوں قسم کے افراد کفرِ اکبر، یعنی ایسے کفر میں مبتلا ہیں جو ملت سے خارج کر دینے والا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مقابلے میں کسی اور کو اچھا سمجھنا، یا اس کے برابر سمجھنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کی تردید ہی ہے۔

د. یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو نافذ کرنے سے طویل عرصے تک بہانے بازی کرتا رہا، مخالفت کی یا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ (السجدۃ: ۲۲)

”پھر اس دین سے اعراض کیا، بے شک ہم مجرمین سے انتقام لینے والے ہیں“۔

یہ قسم بھی کفرِ اکبر کی ہے۔ نفاذِ شریعت کا انکار، مخالفت یا دیر تک ٹال مٹول، فقہا نے ان سب کا ایک ہی حکم بیان فرمایا ہے۔ یہ کتبِ فقہ کے مشہور مسائل ہیں جو کسی بھی مسلک کی کتابوں اور فتاویٰ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ خصوصاً حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے امداد الفتاویٰ کی ساتویں جلد میں اور مولانا تقی عثمانی صاحب کی شرحِ مسلم شریف (تکملۂ فتح الملہم) کی کتاب الامارۃ میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ نیز مشہور حنفی فقیہ، علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ ’بحر الرائق‘ میں فرماتے ہیں

”فيكفرو اذا...سخر بأمر من أوامره...أو جعل له شريكا“[4]

”اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے کسی ایک حکم کا مذاق اڑایا یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو کافر ہو جائے گا“۔

یاد رہے کہ قانون سازی میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا کفرِ اکبر ہے، جو ملت سے خارج کر دیتا ہے۔ جب کہ یہاں صرف شریک ہی نہیں بنایا گیا بلکہ نعوذ باللہ یہ حق مکمل غیر اللہ (پارلیمنٹ) کو دے دیا گیا ہے۔

وكذايكفرالجميع لاستخفافهم بالشرع (ایضاً)

---

[1] احكام القرآن للجصاص: الجزء ٦، باب الحكم بين اهل الكتاب، في تفسير المائدة: ۴۴

[2] تفسیر بیان القرآن؛ تفسیر سورۃ المائدہ: ۴۴

[3] معارف القرآن؛ جلد ۳، تفسیر المائدہ: ۴۴

[4] بحر الرائق شرح كنز الدقائق: الجزء ۵، باب أحكام المرتدين، زين الدين ابن نجيم الحنفى

”اسی طرح ان تمام لوگوں کو بھی کافر قرار دیا جائے گا جو شریعت کو حقیر سمجھتے ہیں“۔

ولوصغرالفقیہ أوالعلوی قاصدا الاستخفاف بالدین کفر (ایضاً)

”اور اگر شریعت کو بے وقعت سمجھنے کی وجہ سے فقیہ کو کم تر جانا، تو یہ کفر ہے“۔

غور کرتے جایئے! اس نظام میں ایک عالم کی کیا عزت ہے اور جج کا کیا مقام ہے؟ نفاذِ شریعت اور اس کا مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ کیا کچھ ہوتا ہے؟ کبھی وقت ملے تو عدالت کی ان کارروائیوں کی روداد پڑھیے گا، جو اسلامی دفعات سے متعلق ہوتی ہیں۔ عدالت و پارلیمنٹ کے درمیان ان اسلامی دفعات کو کس طرح جھولا جھلایا جاتا ہے، عدالت 'پارلیمنٹ کی طرف اچھال دیتی ہے، پارلیمنٹ اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف... یہ سب اسلام کا مذاق نہیں، تو پھر مذاق کی تعریف کیا ہے؟

کفرِ اکبر کی عام لیکن سب سے ناپاک صورت:

کفرِ اکبر کی سب سے عام، لیکن خطرناک صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مقابلے میں ایک شریعت بنائی گئی، جو فرانسیسی، انگریزی، امریکی اور کچھ شریعت سے منسوب (اگرچہ ہے نہیں) نظاموں کا ملغوبہ ہے۔ اس ملغوبے کو نظام زندگی کے طور پر نافذ کر دیا گیا اور فیصلوں کا مرجع (Authority) وماخذ قرار دیا گیا۔ اس کے مطابق فیصلہ کرنے کا حلف لیا جاتا ہے، اس کی پاسداری ووفاداری کی قسمیں اٹھائی جاتی ہیں، اور اسی پر عمل کرنا لازم قرار دے دیا گیا۔ اس پر جان کی بَلی چڑھانا، اور کسی باغی کی جان لے لینا حلال (قانونی) کر لیا گیا۔ جب کہ کوئی اگر یہ چاہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو نظامِ زندگی کے طور پر نافذ کرے، یا خود اس کے مطابق اپنی زندگی گزارے، تو اس کو ریاستی قوت کے ذریعے کچل دیا جاتا ہے۔ مذکورہ صورت کفرِ اکبر کی سب سے ناپاک صورت ہو سکتی تھی، لیکن ابلیس نے مزید محنت کی اور اپنے کارندوں کو امیدیں دلائیں، ان کی اس بد عملی کو ان کے سامنے خوب صورت بنا کر پیش کیا، لہٰذا اس کفر نے اور ترقی کی اور ایک ایسی صورت وجود میں آئی جس کا تصور بھی کلمہ پڑھنے والا نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ پر بہتان اور جھوٹ کی جرأت:

وہ ناپاک، مذموم اور کریہہ صورت یہ ہے کہ اس ابلیسی شریعت کو اسلامی قرار دے دیا گیا جو سراسر اللہ وحدہ لاشریک کی ذاتِ اقدس پر جھوٹ اور بہتان ہے، کہ ایک ایسی چیز کو اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کر دیا گیا جو اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہی نہیں فرمائی، اور نہ اس پر ان کے پاس کوئی دلیل ہے۔ لیکن خواہش پرست اور دنیا کی عبادت کرنے والے، زندگی کے غلام اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرنے والے، اپنے معبودوں کے کہنے پر اس کفر کو اسلامی کہنے پر بضد ہیں۔ جو اس آئین کو نہ مانے وہ ان کے نزدیک باغی ہے، اس کا مال وجان ان کے لیے حلال ہے، ان کی پردہ دار خواتین کو اٹھا کر اپنے کیمپوں میں لے جانا ”ان کی شریعت“ نے جائز ٹھہرایا ہے۔ مالکم کیف تحکمون؟

افسوس صد افسوس! کس گمان پر اللہ تعالیٰ کے سامنے تم تن کر کھڑے ہو جاتے ہو؟ کس زعم میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتے ہو؟ کس بنیاد پر اتنی جرأت کر بیٹھے کہ عرش وکرسی کے مالک پر جھوٹ گھڑتے ہو؟ صرف اس لیے کہ دنیا کے عہدوں کے مزے لوٹو، اس مردار دنیا کی بدبودار لاش کو نوچنے میں تم بھی انہی کے شریک ہو جاؤ جنہوں نے اسی مردار کے بدلے اپنی آخرت کا سودا کر دیا...؟ یا للعجب! یا للعجب...! ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا ”اس شخص سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتا ہو“۔

چونکہ یہ بحث کافی طویل تھی، اس لیے قارئین کی آسانی کے لیے وضاحت کے ساتھ نکات کی صورت میں بحث کا خلاصہ یہاں ذکر کیے دیتے ہیں۔ اس بحث میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے علاوہ کسی اور قانون سے فیصلہ کرنے کی دو بڑی صورتیں ہیں:

اول، اس جرم کی وہ صورت جو اگرچہ عظیم گناہ ہے مگر دین سے خارج کرنے کا باعث نہیں:

☆ یہ کہ بحیثیت مجموعی شرعی نظام وشرعی قانون نافذ ہو اور ایک ایسا قاضی جو شرعی قوانین کو واجب العمل سمجھتا ہو اور اس کے ترک پر خود کو گناہ گار سمجھے، کسی ایک آدھ واقعے میں ہوائے نفسانی یا اقربا پروری یا رشوت خوری کی بنا پر شریعت سے ہٹ کر فیصلہ کر دے، تو اگرچہ یہ سنگین جرم ہے مگر انسان اس کی بنا پر دین سے خارج نہیں ہوتا اور فاسق وظالم قرار پاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ بھی کفرِ اصغر کا مرتکب سمجھا جاتا ہے۔

☆ یہ کہ ایک پورا نظامِ عدلیہ اور نظامِ حکومت ہی ایسا ہو جہاں شرعی احکام بحیثیت مجموعی معطل ہوں اور ان کی جگہ انسانوں کے گھڑے ہوئے قانون نافذ ہوں، اور اس میں شریک قاضی یا جج اس انسانی قانون کے مطابق فیصلے کرتا ہو مگر خود کو شدید گناہ میں مبتلا سمجھتا ہو، اس نظام سے غیر راضی ہو اور اس میں محض اس نیت سے شریک ہو کہ چونکہ اربابِ اختیار اس کے سوا کسی قانون کو نافذ نہیں کرنے دیں گے، اس لیے عوام کے جائز حقوق انہیں دلوانے کے لیے اضطراراً اس میں کام کر رہا ہے اور جیسے ہی شرعی قوانین کے نفاذ کا موقع ملے گا وہ انہیں نافذ کرنے سے لمحہ بھر نہیں رکے گا، تو ایسا شخص کفرِ اصغر کا مرتکب ہے جو اگرچہ گناہ کی ایک نہایت بھیانک صورت ہے مگر دین سے خارج کرنے کا باعث نہیں بلکہ اس کا مرتکب فاسق اور ظالم ہو گا، اس کی گواہی قبول نہیں ہو گی، یہ حرام نوکری کرے گا اور اس کی تنخواہ بھی حرام ہو گی۔

دوم، وہ صورت جو دین سے خارج کرنے کا باعث اور کفرِ اکبر ہے:

- یہ کہ ایک شرعی نظام کا قاضی جو دیگر تمام امور میں شرعی احکامات کے مطابق فیصلے کرتا ہو مگر کسی ایک یا زائد شرعی حکم کو بلا کسی قابل قبول شرعی عذر کے طویل عرصے تک معطل رکھے اور اس کی جگہ غیر اللہ کے بنائے قانون کے موافق فیصلہ کرتا رہے تو یہ کفر اکبر ہے۔
- یہ کہ ایک شرعی نظام کا قاضی جو دیگر تمام امور میں شرعی احکامات کے مطابق فیصلے کرتا ہو مگر شریعت کے کسی ایک یا زائد قطعی حکم کو حقیر جان کر یا اس دور کے لیے فرسودہ سمجھ کر یا غیر اللہ کے قانون کو اس سے بہتر جان کر، اس شرعی حکم سے ہٹ کر فیصلہ کرے تو یہ کفرِ اکبر ہے۔
- یہ کہ ایک پورا نظامِ عدلیہ اور نظام حکومت ہی ایسا ہو جہاں اللہ تعالیٰ کی شریعت کسی دلیل کی حیثیت نہ رکھتی ہو اور شرعی احکام بحیثیت مجموعی معطل ہوں اور ان کی جگہ انسانوں کے گھڑے ہوئے قانون نافذ ہوں، اور اس میں شریک قاضی یا جج اس انسانی قانون کے مطابق فیصلے کرتا ہو اور نہ وہ خود کو گناہ گار سمجھتا ہو، نہ ہی کوئی قابل قبول شرعی عذر رکھتا ہو، تو یہ بھی کفرِ اکبر کا مرتکب ہے، یعنی ایسا کفر جو دین سے خارج کر دیتا ہے۔

اس اصولی بحث کا خلاصہ یہ ہے۔

نیز اس بحث سے یہ بھی واضح ہے کہ پاکستان کا موجودہ نظام عدلیہ اپنے اصول وضوابط کے اعتبار سے ایک خالص غیر شرعی اور کفریہ نظام ہے کیونکہ اس میں ۶۵ سال سے انسان کے قانون کو رب کی شریعت پر فوقیت حاصل ہے۔ نیز اسی سے ملک کے سیاسی نظام کا کفر بھی واضح ہوتا ہے کیونکہ یہ غیر شرعی قوانین پہلے پارلیمان میں بنتے اور تیار ہوتے ہیں اور اس کے بعد ہی عدالتیں ان قوانین کو نافذ کرتی ہیں۔ نیز اس سے اس مجموعی ریاستی ڈھانچے کا باطل ہونا بھی ثابت ہوتا ہے جو ان طاغوتی عدالتوں کو اپنا ایک اساسی ستون سمجھتا ہے، ان کے عمل کو مباح (قانونی) بلکہ مقدس قرار دیتا ہے اور ان کے احترام کو آئین و قانون کی رو سے واجب بناتا ہے۔ اس غلیظ ریاستی ڈھانچے کو اسلامی کہنا بھلا کیسے ممکن ہے؟

رہا ججوں اور وکلا وغیرہ کا حکم، تو اس حوالے سے خلاصہ تو درج بالا سطور میں ذکر کر دیا گیا ہے لیکن اس خلاصے کو لے کر متعین افراد (یعنی فلاں بن فلاں) پر فتویٰ لگانا چند جملوں میں اجمالاً ممکن نہیں، نہ ہی اس مقام پر یہ ہمارا اصل مقصود ہے، بلکہ یہ مفتی صاحبان کا کام ہے کہ وہ درج بالا صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس نظام میں شریک افراد کے حالات کی تحقیق کرنے کے بعد اس پر شرعی حکم منطبق کریں۔ ہمیں اس بحث میں اصل مقصود افراد کا حکم بیان کرنا نہیں، بلکہ اس نظام کا کفر ثابت کرنا ہے۔

رہے اس میں شریک افراد تو ہم انہیں دل سوزی سے یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس خطرناک جرم کی برائی کو سمجھیں، اس سے توبہ کر کے خود کو ان مکروہ پیشوں سے علیحدہ کریں... اور اگر اب بھی اسی کفریہ عدالتی نظام کا حصہ بنے رہنے پر مُصر ہیں، تو کم از کم اس میں شرکت کو گناہ تو سمجھیں، اس سے کراہت و نفرت کا اظہار کریں اور خود کو حالتِ اضطراری میں سمجھیں... شاید کہ یہ امر ان کے جرم کی شدت کو کچھ کم کر دے... اگر چہ رہے گا وہ پھر بھی ایک سنگین جرم ہی!

نیز یہ ساری بحث ہر عام مسلمان کو بھی دعوت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت سے ہٹ کر فیصلہ کرنے کے جرم کی شناعت و برائی سمجھے، ان جاہلی عدالتوں کے نظام سے اپنا رشتہ کاٹے اور اپنے فیصلے علمائے کرام سے شریعت کے مطابق کروائے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: بھیڑ اور بھیڑیے کی کہانی

”اس دہشت گرد بھیڑ کے خلاف کارروائی ہونی چاہیے!“

”تمام اقوامِ جنگل اس ظالمانہ ذہنیت رکھنے والے طبقے کے خلاف متحد ہیں!“

”جنگل کی جی ایٹ اقوام (جو بعد میں جی سیون رہ گئیں) نے اس حرکت کے خلاف اپنارڈِ عمل جاری کرنے کے لیے اجلاس طلب کر لیا ہے!“

”ہم اس شدّت پسند بھیڑ اور اس کے ہم نواؤوں کو جنگل کے ہر کونے کھدرے اور غار و گھاٹی سے ڈھونڈ نکالیں گے، we will smoke them out of the caves، اور ہم انہیں ’انصاف‘ کے کٹہرے میں لائیں گے!“

جنگل کے بے تاج بادشاہ، جنابِ اسکیمو کتا، جو جنگل کی سب سے بڑی طاقت یعنی بھیڑیوں کی قوم کے سردار بھی ہیں نے Crusade کا اعلان کیا ہے اور کہا ہے کہ:

“Either you are with us or with the terrorists!”

”یا تو تم ہمارے ساتھ ہو یا دہشت گردوں کے ساتھ!“

......اور جنگل کی تاریخ کی سب سے بڑی جنگ کا آغاز ہو گیا جو تا حال جاری ہے......

(یہ کہانی راقم نے ۵ جون ۲۰۱۴ء کو ضبطِ تحریر میں لائی)

☆☆☆☆☆

تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں!

ام سعد

غیرتِ دین، شجاعت، ہمت، ولولے اور دین پر عمل کے حوالے سے اس گئے گزرے دور میں بھی کبھی کہیں کوئی ایک نر بچہ وہ کر دکھاتا ہے کہ دوست کیا دشمن بھی اسے داد شجاعت دیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ فلسطین کی الاقصی بریگیڈ کے نوجوان رکن ابراہیم نابلسی کی شہادت کی ویڈیو منظر عام پر آئی جس میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ اسرائیلی فوج کے گھیرے میں وہ تن تنہا مجاہد کس بے جگری، کس بہادری، کس ہمت اور جانفشانی سے آخری سانس تک لڑا اور اپنی جان اپنے رب کے سپرد کر دی۔ وہ ابراہیم کہ جو آج کی دنیا کے معیار سے ابھی بچہ ہی تھا، ان کی عمر ابھی انّیس برس بھی نہ تھی کہ اسرائیلی فوج نے انہیں شہید کیا۔ اسرائیل کی بہترین اور جدید ترین اسلحے سے مسلح فوج بچوں سے اس قدر خوف زدہ ہے کہ کبھی وہ سکول سے لوٹتے بچوں کا پیچھا کرتے کرتے ان کے گھروں میں داخل ہو کر انہیں اس قدر ہراساں کر دیتی ہے کہ وہ خوف سے اپنی جان ہار جاتے ہیں، کبھی یہ فوج سڑک پر کھیلتے معصوم فلسطینی مسلمان بچوں کے کھلونے اٹھا کر لے جاتی ہے، اور کبھی فلسطین کی عام آبادی پر وحشیانہ بمباری کر کے معصوم بچوں، خواتین اور املاک کو نشانہ بناتی ہے۔ ایسی ہی وحشیانہ بمباری میں چند ماہ قبل دس سالہ ارتج کی آنکھ ضائع ہو گئی۔ یہ بچی اپنے گھر کے باہر کھیل رہی تھی اور موبائل سے اپنی سیلفی بنا رہی تھی کہ اسرائیلی فوج نے اس علاقے کو نشانہ بنایا۔ اسی طرح گیارہ سالہ رہاف سلیمان وہ باہمت بچی ہے کہ اسرائیلی بمباری میں جس کی دونوں ٹانگیں اور دایاں بازو ضائع ہو گئے اور پھر بھی یہ کہتی ہے کہ میں اپنے سارے کام، لکھنا، ڈرائنگ کرنا دائیں ہاتھ سے کرتی تھی، امید ہے کہ اب میں بائیں ہاتھ سے یہ سب کرنا سیکھ لوں گی۔ وہ ڈاکٹر بننا چاہتی تھی اور اب بھی اس نے اپنے خوابوں کی ڈور کو اپنے ہاتھ سے پھسلنے نہیں دیا۔ اس بمباری میں رہاف کا بھائی بھی زخمی ہوا۔ مگر اسرائیلی فوج کو اپنے مظالم پر نہ کوئی افسوس ہے نہ ندامت۔ وہ جان بوجھ کر عام مسلمان فلسطینی شہریوں کو ہراساں کرتے ہیں، انہیں تشدد کا نشانہ بناتے ہیں اور ان پر بم برساتے ہیں تاکہ یہ مسلمان نسلیں ان کے ظلم کے خلاف اٹھنے کا سوچ بھی نہ سکیں۔ مگر فلسطینی مسلمانوں میں الحمدللہ دینی غیرت تاحال موجود ہے اور وہ نہتے ہوتے ہوئے پتھروں کے ساتھ سر تا پا لوہے میں غرق اسرائیلی فوجیوں کے ساتھ اپنی نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ جوں جوں اسرائیلی الیکشن قریب آتے جاتے ہیں اسرائیل کے بہیمانہ ظلم اور وحشیانہ بمباریوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، ہر اسرائیلی سیاست دان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ الیکشن جیتنے کے لیے اس کے ہاتھ زیادہ سے زیادہ فلسطینی خون سے رنگے ہوئے ہوں۔ یہ محض مفروضہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ اسرائیلی سیاست دانوں کا ووٹ بینک فلسطینیوں کے خون سے بڑھتا پھیلتا ہے۔ پھر اسرائیلیوں میں سے وہ جو اپنے آپ کو پرامن اور خدا پرست کہتے اور سمجھتے ہیں، خود کو غیر صہیونی بھی کہتے ہیں اور اسرائیل کے صہیونی ایجنڈے پر تنقید بھی کرتے ہیں، وہی فلسطینی مسلمانوں پر بدترین تشدد کے ذمہ دار ہیں۔ اسرائیلی فوج کی netzah yehudah کے نام سے موسوم بٹالین جو ہیرادی (قدامت پرست) یہودی فوجیوں پر مشتمل ہے، کے مظالم اس قدر واضح ہیں کہ ایک اسرائیلی وزیر تک نے اس بٹالین کو اس کے ظلم کی وجہ سے تحلیل کرنے کی قرارداد پیش کی۔ مذکورہ بٹالین مغربی کنارے کے مسلمانوں پر مظالم، تشدد اور بدترین جرائم میں ملوث پائی گئی؛ حالانکہ لفظ ہیرادی کا لفظی ترجمہ خاشعین، یعنی اللہ کے خوف سے لرزنے والا ہے!

ایک طرف تو ریاست اسرائیل کے مسلمان مردوں عورتوں اور بچوں پر تشدد کا یہ حال ہے اور ان کے عوام کا حال یہ ہے کہ جب اسرائیل فلسطین پر بمباری کرتا ہے تو اسرائیلی مرد اور عورتیں کافی سفر کر کے ایک ایسے بلند مقام پر اکٹھے ہو جاتے ہیں جہاں سے فلسطین کا منظر واضح دکھائی دیتا ہے، یہ لوگ وہاں کھاتے پیتے مزے اڑاتے ہیں اور فلسطین پر برسنے والی بموں کی برسات سے محظوظ ہوتے ہیں۔ دوسری طرف اسرائیلی عورتوں کی حجاب جلانے والی عورتوں سے 'ہمدردی' کا یہ حال ہے کہ وہ ان کے ساتھ اظہار یک جہتی کے لیے کھڑی ہیں! نا صرف اسرائیلی عورتیں بلکہ بھارتی اداکارائیں اور مغربی ممالک کی بہت سی عورتیں بھی ان عورتوں کا ساتھ دینے کے نعرے بلند کر رہی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان کافر عورتوں کو مسلمان کہلانے والی عورتوں سے یکایک اس قدر ہمدردی کیسے پیدا ہو گئی؟ وہ کیسے ان کا ساتھ دینے کے لیے کھڑی ہو گئیں؟ کیا واقعی انہیں ان کے ساتھ ہمدردی ہے اور ان کے دل ان کے ساتھ دھڑکتے ہیں؟ اس قدر کہ مغربی ممالک کی عورتیں مکمل برہنہ ہو کر اپنے جسموں پر ان عورتوں کے حق میں نعرے لکھ کر سڑکوں پر نکل آئیں!!! نہیں! ایسا نہیں ہے۔ یہ ساتھ دینے کی آوازیں صرف اس وجہ سے بلند ہو رہی ہیں کہ یہ عورتیں اپنے حجاب جلا رہی ہیں، اپنے کھلے بال لہراتے باہر نکل رہی ہیں، اپنی دینی اور معاشرتی اقدار سے بغاوت کر رہی ہیں،...... اور کفر یہی تو چاہتا ہے کہ مسلمان عورت برہنہ ہو کر دنیا کے سامنے پھرے اور اسلام نے جن اخلاق و اقدار کا پابند اسے ٹھہرایا ہے انہیں چھوڑ کر توڑ کر مغربی عورت کی طرح شتر بے مہار ہو جائے۔ اسلامی معاشروں میں اگر کچھ فیملی سسٹم برقرار ہے، معاشرے کی کچھ اقدار ہیں تو اسی وجہ سے کہ مسلمان عورت شتر بے مہار نہیں بنی، اس نے اپنے آپ پر 'دستیاب' availableکا ٹیگ نہیں لگا رکھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ حجاب کا اختیار عورت کو دیا جائے کہ وہ اسے پہننا چاہتی ہے یا نہیں، اور اسے اس پر زبردستی لاگو نہ کیا جائے اور یہ احتجاجات اس زبردستی کے خلاف ہیں، تو پھر پوری دنیا میں حجابی عورتوں کے حجاب جو زبردستی اتروائے جا رہے ہیں، بہت سے ملکوں نے عوامی مقامات، کام کی جگہوں اور تعلیمی اداروں میں حجاب پر پابندی لگا دی ہے اور حجاب پہننے پر بھاری بھاری جرمانے

اور سزائیں عائد کر رکھی ہیں، بھارت جہاں مسلمان دوسری بڑی اکثریت ہیں، وہاں میسور (کرناٹکا) اور دیگر ریاستوں میں حجاب پر پابندی لگائی جارہی ہے...... تو اگر یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حجاب کی پابندی کروانا ایک زبردستی ہے تو حجاب اتروانا کیا زبردستی نہیں ہے؟ اگر ایک کے خلاف آواز بلند کی جارہی ہے تو دوسری کے خلاف کیوں نہیں! صرف اس وجہ سے کہ لباس کا اتارنا مغربی ایجنڈے کے حق میں ہے اور لباس کا پہننا اس کے خلاف! عریانیت کو آزادی سے موسوم کیا جاتا ہے اور لباس پہننے کو ظلم وزیادتی سے! اور پھر یہ بات کہ نسوانیت یا feminism کی حقیقت کو اگر دیکھیں تو یہ کہاں لکھا ہے کہ نسوانیت کی علم بردار عورتیں مکمل برہنہ ہو کر سڑکوں پر نکل آئیں؟ نسوانیت کی تحریک تو عورتوں کے لیے مردوں کے برابر حقوق اور مواقع کا مطالبہ کرتی ہے (جائز اور ناجائز کی بحث سے قطع نظر)، پھر اگر مرد بھی اسی طرح مکمل برہنہ ہو کر سڑکوں پر نکل آئے تو یہی عورتیں یہ کہیں گی کہ یہ جنسی ہراسگی ہے!!! خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے!

دہائیوں قبل، جب ہم سکول میں پڑھا کرتے تھے تو کرسمس اور سردیوں کی چھٹیوں کی آمد پر کلاس میں جوش وخروش کا عالم تھا۔ ایسے میں ایک طالبہ نے 'انکشاف' کرتے ہوئے کہا کہ ہم تو اپنے گھر میں کرسمس مناتے ہیں۔ معصوم ذہنوں کو ہیر پھیر اور منافقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، لہٰذا ذہنوں میں کلبلاتا سوال فوراً ہی زبانوں پر آیا کہ کیا تم لوگ مسلمان ہو؟ ہاں ہاں ہم مسلمان ہیں، ہم عید بھی مناتے ہیں اور کرسمس بھی اور کرسمس کے دن ہمارے ابو سینٹا (کرسمس فادر) کا روپ دھارتے ہیں اور بہت سی چاکلیٹیں اور تحفے ہمارے لیے لاتے ہیں۔ اچھا! کیا تمہارے ابو عیسائی ہیں؟ کہنے والی نے کچھ نروس ہوتے ہوئے کہا، نہیں! وہ بھی مسلمان ہیں۔ دہائیوں بعد بھی وہ تاثرات، معصوم ذہن کا وہ انتشار اور حیرت کا وہ جھٹکا اپنی جزئیات کے ساتھ ذہن ودل کے نہاں خانوں میں محفوظ ہے۔ بچوں کا ذہن اور دل معصوم اور شفاف ہوتا ہے، آپ اس کی سلیٹ پر جو تحریر کریں، صحیح ہو یا غلط، وہ ثبت ہو جاتا ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ اس ثبت شدہ کو کھرچنے کی کوشش کی جائے اور اس کے اوپر ایک نئی تحریر لکھی جائے مگر اس ثبت شدہ کو محو کرنا ممکن نہیں؛ وہ محفوظ رہتا ہے اور کسی نہ کسی موقع پر اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ لہٰذا مسلمان بچوں کے ذہن میں بھی اگر اللہ کی محبت، اسلام کی قدر اور اسلامی اقدار اور شعائر کا احترام نیز کفر وشرک سے نفرت اور ان کے شعائر سے بے زاری ڈال دی جائے تو وہ اس کے خلاف کچھ بھی سننا برداشت نہیں کرتا۔ اس دور میں بچے بچیوں میں معصومیت اس لیے باقی تھی کہ صرف ایک پی ٹی وی دیکھنے کو ملتا (جو اس دور میں آج کے مقابلے میں صاف ستھرے تفریحی پروگرام پیش کرتا تھا) اور انٹرنیٹ یا موبائل وغیرہ کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ یوں کالج تک پہنچتے بھی حال یہ تھا کہ چودہ فروری کا دن آیا تو کالج جاتے ہوئے دیکھا کہ جابجا سرخ پھولوں اور غباروں کی بہار نظر آرہی ہے، وجہ سمجھ نہ آئی، پھر بریک کے وقت میں معلوم ہوا کہ آج کالج کے گراؤنڈ میں جانے پر پابندی ہے، ارد گرد دیگر طالبات سے وجہ جاننے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ آج کالج کی چاردیواری کے پار سے غبارے اور اس قسم کی چیزیں اندر پھینکے جانے کا احتمال ہے، لہٰذا حفظ ماتقدم کے طور پر طالبات کے لیے کالج گراؤنڈ میں جانے پر پابندی ہے۔

بڑھتے بڑھتے آج یہ حال ہوا کہ مسلمان معاشروں میں مغربی اور مشرکوں کے تہوار جس جوش وخروش، جس اہتمام اور جس باقاعدگی اور باضابطگی کے ساتھ منائے جاتے ہیں ویسے شاید ان ملکوں میں بھی نہیں منائے جاتے کہ جو ان کا گڑھ اور ان تہواروں کا مسکن ہیں۔ رواں اور گزشتہ سال سرزمین حرمین میں جس طرح سے ہیلووین کا شیطانی تہوار منایا گیا اور شیطان کو چڑھاوے چڑھائے گئے اور شیطان کے نام پر شیرینی تقسیم کی گئی اور شیطانی حلیوں کو اپنایا گیا یہ کسی طور قابل قبول نہیں ہے۔ ایک طرف سعودی شاہی خاندان خود کو خدام حرمین کہلاتا ہے اور دوسری جانب حرم اور تاریخ اسلام سے منسوب قابل احترام مقامات کی حرمت پامال کرنے میں کوئی کسر اس نے اٹھا نہیں رکھی۔ ان خدام حرمین نے حرم مکہ میں حج کے لیے آنے والے تمام حاجیوں کی درخواستیں منظور یا نامنظور کرنے کا ٹھیکہ ایک ایسی کٹر مسلمان دشمن انڈین کمپنی کو دے دیا ہے کہ جس کا بی جے پی سے منسلک ہونا کسی طور ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ نتیجتاً بالخصوص مغربی ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے فریضۂ حج کی ادائیگی نہایت مشکل ہو چکی ہے۔ نیز ظلم کی کون سی قسم ہے کہ سعودی شاہی خاندان کا دامن جس سے پاک ہو؟ علمائے حق تو ان کے ظلم وستم کی پاداش میں قید وبند یا سزائے موت کی صعوبتیں جھیل ہی رہے ہیں، اب وہ علما کہ جنہیں جدیدیت پسند سمجھا جاتا ہے، انہیں بھی قید میں ڈالا جارہا ہے۔ علما سے ایسی دشمنی کہ وہ اپنی ذات تک کے لیے کوئی فیصلہ کرنے کے مختار نہیں۔ مشہور قاری شیخ عبداللہ باسفر کو محض اس وجہ سے بارہ سال قید کی سزا سنا دی گئی کہ انہوں نے ترکی میں آیا صوفیہ میں نماز کی امامت کی پیشکش قبول کی۔ نیز امام کعبہ شیخ صالح الطالب کو دس سال قید کی سزا محض اس لیے سنائی کہ انہوں نے عوام کو سعودی عرب کی مغرب زدگی سے متنبہ کیا۔ سعودی عرب کے یہ اقدامات واضح کرتے ہیں کہ سعودی شاہی خاندان اسلام کے خلاف باقاعدہ صف آرا ہے۔ اسلام اور اہل اسلام سے دشمنی اور دشمنان اسلام سے گاڑھی دوستی کے دعوے؛ اسرائیلی وزیر اعظم سے محبت کی پینگیں بڑھانا اور مسجد اقصیٰ اور فلسطینی مسلمانوں کے حال سے مکمل صرف نظر؛ اور صرف یہی نہیں بلکہ ایک خبر یہ بھی ہے کہ سعودی عرب نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کو مسجد نبوی سے جدا کرنے یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کو کسی نامعلوم جگہ پر منتقل کرنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا ہے۔ اور بظاہر اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے میں مانع صرف یہ بات ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کی جانب اپنے ناپاک ہاتھ بڑھانے کے لیے انہیں پوری مسجد نبوی تباہ کرنی پڑے گی۔ سعودی عرب کا متکبر شاہی خانوادہ، بالخصوص محمد بن سلمان یہ بات جان لے کہ اگر وہ تمام دنیا کی قوت، طاقت، پیسہ اور افرادی قوت بھی ساتھ ملا لے تو بھی قیامت تک وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کی جانب نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔

(باقی صفحہ نمبر 85 پر)

بھیڑ اور بھیڑیے کی کہانی (بڑوں کے لیے)

معین الدین شامی

بھیڑ اور بھیڑیے کی کہانی کا مرکزی خیال یمن سے نشر ہونے والے انگریزی رسالے اِنسپائر میں چھپنے والی ابو نوح کی تحریر ”The Good, the Lamb and the Ugly“ سے لیا گیا ہے۔

زیادہ عرصہ پرانی بات نہیں، کہ ایک پر اسرار خطۂ زمین پر، ایک دو نسلا بھیڑیا رہا کرتا تھا۔ اس بھیڑیے کا نام ”اِسکیمو کتا“ اور پُر اسرار دیس کا نام ”جس کی لاٹھی اس کی بھینس!“ تھا۔ اِسکیمو کتا، اپنے ساتھیوں میں اپنے بڑے سر، اونچی دھاڑ اور لمبی زبان کے باعث امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ انہی خصوصیات کے باعث وہ اپنے جتھے کا سردار بن گیا تھا!

ایک روز اسکیمو کتا پہاڑی کی چوٹی پر ٹہل رہا تھا۔ وہ اپنے پیٹ میں لگی ہوس کی آگ کو مٹانے کا سامان...... اپنی لالچی نگاہوں سے تلاش کر رہا تھا...... لیکن کہیں کچھ دِکھتا نہ تھا۔ سامانِ ظلم مانگتی اس کی بھوک اپنے جوبن پر تھی۔ اسی دوران اس کی نظر پہاڑی کے دامن میں واقع سبزہ زار میں گھومتے، ایک پیارے سے بھیڑ کے بچے پر پڑی۔ اسکیمو لمبی لمبی چھلانگیں لگاتا دامن کوہ میں پہنچا، تاکہ اس فرشتوں سی معصومیت رکھنے والے میمنے سے ’ملاقات‘ کر سکے۔ اسکیمو اس بات پر نہایت پختہ عزم باندھے ہوا تھا کہ وہ اس معصوم کو ہر گز بھی وحشیانہ وار کر کے ہڑپ نہ کرے گا۔ وہ سب کے حقوق سے بخوبی آگاہ تھا، بلکہ وہی تو عالمی حقوق کا سب سے بڑا چیمپین تھا۔ اس لیے، اس منصفِ اعظم کا ارادہ پیارے سے بھیڑ کے بچے پر اتمامِ حجت کے بعد ہی اپنے لمبے اور زہر ٹپکتے دانت اس کی گداز گُدی کے پار کرنے کا تھا۔ اس نیک مقصد کے حصول، اپنے فریضے اور بھیڑ کے بچے کے حق کی ادائیگی کے لیے اسکیمو میمنے کے قریب ہوا اور یوں گویا ہوا:

”اے بچے! پچھلے سال تم نے میری نہایت گستاخانہ انداز میں بے عزتی کی تھی!“

”دراصل...... میں تو پیدا ہی اس سال ہوا ہوں......!“ بھیڑ کا بچہ کانپتی آواز میں منمنایا۔

”ہم م م م...... تم میری چراگاہ میں چر رہے ہو...... اور وہ بھی بلا اجازت؟!“

”ہرگز نہیں عالی جاہ......“ میمنا بولا، ”میں نے تو کبھی گھاس چکھی ہی نہیں!“

”تم میرے کنویں سے پانی پیتے ہو!“

”نہیں حضور!“ میمنے نے اعلانیہ انداز میں کہا، ”میں نے تو کبھی پانی پیا ہی نہیں، میری ماں کا دودھ میرے لیے اب تک کھانا اور پانی دونوں کا کام کر تا رہا ہے۔“

”خیر میں بھوکا تو ہرگز نہیں رہ سکتا!“ اسکیمو نے سوچا۔

اِسکیمو نے میمنے کو دبوچا اور آن کی آن میں چیر پھاڑ کر کھا گیا۔ دبوچتے اور چیر پھاڑ کرتے ہوئے عالمی حقوق کا چیمپین، اسکیمو کہہ رہا تھا:

”یقیناً پھر وہ تمہاری ماں ہی ہو گی جس نے یہ سب جرائم کیے ہیں!“

ستم زدہ ماں، لاچار بھیڑ، بے بسی کے عالَم میں پاس ہی کھڑی، اپنے بچے کا انجام دیکھ رہی تھی۔ اپنے بچے کو اس بے رحم بھیڑیے کے دانتوں تلے ادھڑتا دیکھ کر یہ غریب ماں آخر کر بھی کیا سکتی تھی؟ وہ جانتی تھی کہ اپنا حق یہاں مانگا نہیں جا سکتا۔ لیکن اس ماں کی ممتا نے اسے یونہی بیٹھا رہنے نہ دیا، وہ آگے بڑھی اور اسکیمو کو سینگ مارا! ظاہر ہے بھیڑیے کو اس بے چاری کے سینگ سے کیا ہونا تھا؟ سو ہوا بھی کچھ نہیں۔ مگر اسکیمو آگ بگولہ ہو گیا، اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔ جسم پر بال مارے غضب کے کھڑے ہو گئے۔ اس نے سوچا کہ اس بھیڑ کی یہ مجال کہ مجھ پر حملہ کرے؟! اس کی جرأت کے میرے فیصلے پر اعتراض کرے؟

”آآآآاااووو......“ اسکیمو ایک لمبی اور غیر متزلزل، دردناک آواز میں چلایا۔

”یہ دہشت گرد ہے، یہ دہشت گرد ہے، یہ شدّت پسند ہے...... انتہا پسند ہے!“

اس کے ساتھ ہی سلطنت میں موجود تمام بھیڑیوں نے اسکیمو کی آواز کے ساتھ اپنی آواز ملائی۔

وہ سب اس کے الفاظ دہرانے لگے: ”دہشت گرد، شدّت پسند، انتہا پسند!!!“

اس سب شور شرابے کے ساتھ ایک پُر فریب سا ماحول بن گیا۔ گویا تمام اقوام و افراد اس فعل کی مذمت کر رہے ہوں۔ یہ بات حیرت انگیز نہیں کہ یہ ”آہ و بکا“ دس میل دُور تک سنائی دے رہی تھی...... بلکہ تعجب تو یہ تھا کہ یہ آوازیں پورے جنگل میں گونج رہی تھیں۔ ساتھ ہی جنگل میں موجود میڈیا کے نمائندہ طوطوں نے ان الفاظ کو دہرانا، خبریں اور تجزیے نشر کرنا شروع کر دیے۔ ڈپارٹمنٹ آف دی جنگل سٹیٹ کے ترجمان نے پریس بریفنگ دی جو جنگل کے ہر میڈیا ادارے نے نشر و شائع کی۔ میڈیا میں آنے والی خبریں کچھ یوں تھی:

”ہم دہشت گرد بھیڑ کے اسکیمو بھیڑیے کو سینگ مارنے کے ظالمانہ فعل کی پر زور الفاظ میں مذمت کرتے ہیں۔“

”جنگل کے تمام جانور اس وحشیانہ حرکت کے خلاف ہیں!“

”سِول سوسائٹی بھی اس وحشیانہ فعل کی شدید الفاظ میں مذمت کرتی ہے!“

(باقی صفحہ نمبر 76 پر)

جذبات

قاضی ابو احمد

حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ کے لیے سو رحمتیں ہیں ان میں سے ایک جنات انسانوں چوپایوں اور کیڑے مکوڑوں کے لیے نازل کی جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر شفقت و مہربانی اور رحم کرتے ہیں اور اسی کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچہ پر شفقت کرتا ہے اور اللہ نے ننانوے رحمتیں بچا کر رکھی ہیں جن سے قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحمت فرمائے گا۔

حال ہی میں کسی مغربی ملک میں جانوروں کے ہسپتال میں ایک مادہ بن مانس نے آپریشن کے ذریعے ایک بچے کو جنم دیا۔ چونکہ بچہ صحت مند نہ تھا لہٰذا اسے ماں سے دور انتہائی نگہداشت میں رکھا گیا، بعد ازاں جب بچے کی حالت بہتر ہو گئی تو اسے ماں کے پاس چھوڑا گیا۔ بن مانس ماں نے جیسے ہی اپنے بچے کو دیکھا تو لپک اور تڑپ کر اسے سینے سے لگایا۔ یقیناً دیکھنے والوں کے لیے یہ ایک بہت ہی جذباتی لمحہ تھا، وہاں موجود لوگوں کی آنکھیں بھر آئیں اور اللہ پر ایمان رکھنے والوں کے لیے یہ واقعہ اللہ کی رحمت کی واضح علامت ہے ہی۔

بیس سال ہوا چاہتے ہیں عافیہ صدیقی کو اغوا اور اپنے بچوں سے جدا ہوئے...... جانوروں پر 'اس قدر' مہربان قومیں اس مسلمان ماں کو اس کے جائز حق سے محروم کرنے کے بارے میں کیا کہیں گی؟ اغوا کے وقت عافیہ کے ساتھ ان کے تین بچے بھی اغوا کیے گئے تھے مگر جو بچے ان کے خاندان کو برسوں بعد لوٹائے گئے وہ دو ہیں، تیسرے شیر خوار بچے کی خیر خبر رکھنے والا بھی کوئی ہے؟ اس ماں کے دل کی حالت بھی کسی کو تڑپاتی ہے کیا جو بے گناہی کی سزا بھگت رہی ہے اور نا صرف قید اس کا مقدر بنا دی گئی ہے بلکہ بدترین تشدد، بے رحمی، بے حرمتی، بے عزتی اور اپنی اولاد سے دوری کی شدید ترین آزمائشیں اس کی زندگی کو اس کے لیے مزید مشکل بنائے دے رہی ہیں۔ کوئی ہے جو اس ماں کو اس کے بچوں سے لا ملائے اور اس 'جذباتی لمحے' کو بھی دل کے تار چھیڑنے کا موقع دے؟؟؟

روحیفہ بی بی کا نام بہت سوں کے ذہنوں سے محو ہو گیا ہو گا جن کے جوان جہان تین بیٹے اکٹھے ہی اٹھا کر لاپتہ کر دیے گئے۔ بعد ازاں دو کی لاشیں انہوں نے وصول کیں اور جان ہار گئیں...... کیا وہ ماں نہیں تھیں؟ کیا اس اولاد کے لیے ان کے کوئی جذبات نہ تھے؟ وہ جو لاپتہ کر دیے گئے اور دو دو دہائیاں گزر جانے کے باوجود ان کی مائیں ان کی راہ تک رہی ہیں، ان کی بیویاں بیواؤں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اور ان کے بچے یتیموں کی طرح پل رہے ہیں...... کوئی جانتا ہی نہیں کہ ان میں سے کون سی بیویاں واقعی بیوائیں ہو چکیں اور کون سے بچے یتیم نہیں ہیں مگر یتیموں سی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں...... کیا وہ جو قید و بند کی اذیتیں جھیل رہے ہیں، جن تک سورج کی ایک کرن تک نہیں پہنچنے دی جاتی، جن کی ہڈیاں اس ظلم و ستم کے باعث گھل گئیں، جن کی بینائیاں ان کی آنکھوں کا ساتھ چھوڑ گئیں، جن کے پھیپھڑوں نے اپنا کام چھوڑا، جو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے تک کے قابل نہ رہے، کیا وہ انسان نہیں؟ کیا ان کے جذبات نہیں؟ کیا ان کی مائیں نہیں؟ کیا وہ کسی کی آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں؟ کیا ان کے کوئی حقوق نہیں؟؟؟......... کوئی ہے جو حقوق کی جنگ لڑتی اس دنیا میں ان لاپتہ قیدیوں کے حقوق بھی یاد دلائے، ان کے لیے مارچ منعقد کرے، ان کے لیے ریلیاں نکالے اور آخری دم تک ان کا ساتھ دینے کی قسمیں کھائے؟؟؟

وہ آئی ایس آئی جس کے آخرت کے اکاؤنٹ میں اتنی بد دعائیں اور اتنی آہیں جمع ہو چکی ہیں کہ شاید ہی کوئی اس کا مقابلہ کر سکے، وہی آئی ایس آئی جو ان لاپتہ افراد کے کوائف بارے جانتے ہوئے بھی انجان بنی ہوئی ہے اور جو خود کو اس ملک کی محافظ اور نگران سمجھتی ہے اور علاوہ ان لوگوں کے جنہیں اس آئی ایس آئی نے لاپتہ کیا، ان گنت تعداد ان لوگوں کی ہے جو اس کی بے جا پکڑ کے خوف سے بے گھر بلکہ جلاوطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، جو جرم بے گناہی کی سزا بھگت رہے ہیں۔ اس آئی ایس آئی کی پروان جن اصولوں پر ہوئی ہے انہیں جاننے کے بعد اس کی بہیمیت کا جواز ڈھونڈنے کی کسی کو ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ آئی ایس آئی کا سابق چیف جنرل اسد درانی اپنے ایک انٹرویو میں کہتا ہے کہ ”آئی ایس آئی کے لیے، اسے درپیش مشن کے سوا کوئی حدود اور کوئی قوانین نہیں ہیں“، یعنی اپنے مشن کی تکمیل کی خاطر اسے جس قسم کی بھی حدود کو پامال اور جتنے قوانین کو توڑنا پڑے وہ اس کے لیے جائز اور روا ہے اور اس پر اس کی کوئی پکڑ نہیں ہو گی۔ نیز جنرل صاحب فرماتے ہیں کہ ”آئین جہاں بانی میں اخلاقیات کی ثانوی حیثیت ہے“۔ جس آئی ایس آئی کے لیے نہ حدود کی کوئی حیثیت ہے نہ قوانین کی اس کے لیے اخلاق کیا معنی رکھتے ہیں؟ پس یہ جتنا بھی گر جائے اس کے پاس اس کا جواز موجود ہے۔

پاکستان میں عورت مارچ کی گندگی کے بعد اب مُورت مارچ کی ابتدا ہو گئی۔ اب انہیں بھی اپنے حقوق چاہییں ہیں۔ یہ طبقہ معاشرے میں فحاشی اور عریانی پھیلانے کے سوا معاشرے کی کون سی خدمت سر انجام دے رہا ہے؟ ان میں سے وہ جنہیں فطری طور پر کسی کمزوری کے ساتھ پیدا کیا گیا تو ان کے لیے اللہ پاک کی شریعت نے اصول و قوانین بھی وضع کیے کہ ان میں سے جس کی ساخت مردانہ ہو وہ مرد اور جس کی زنانہ ہو وہ عورت بن کر رہے۔ اور درحقیقت یہ مارچ کرنے والے لوگ وہ ہیں بھی نہیں جن کی جنس قدرتی طور پر واضح نہیں ہے، جنہیں مخنث یا intersex کہا جاتا ہے اور جن کی تعداد ہزاروں میں ایک ہے۔ ٹرانس جینڈر یا خواجہ سرا (ان کے اپنے بقول) وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے مرد یا عورت پیدا کیا مگر وہ اس پر راضی نہیں ہیں۔ نیز خواجہ سراؤں کا یہ طبقہ جسے آج ہم سڑکوں اور بازاروں میں نہایت بھڑکانے والے لباس،

حلیے اور میک اپ کے ساتھ دیکھتے ہیں، اور ہمیشہ زنانہ حلیے میں ہی دیکھتے ہیں، ان جیسوں کے لیے تو بدترین سزائیں ہونی چاہیے ہیں۔ انہی میں کا ایک وہ بھی ہے جس نے خود کو مرد سے یہ کہہ کر عورت بنایا کہ اسے عورت کی طرف رغبت محسوس نہیں ہوتی، اور پھر ایک چودہ سالہ بچی کے ساتھ زنا کر کے اسے حاملہ کر دیا۔ یہ تو وہ مخلوق ہے کہ عورتوں کو جس سے پردہ کرنا چاہیے اور مردوں کو غضِ بصر۔ اسلام اور شریعت کے احکام کا ان کی زندگیوں میں کوئی گزر نہیں مگر انٹرنیٹ پر یہ اپنے کلپ ان اشعار کے ساتھ چلاتے ہیں ”علی تمہاری شجاعت پر جھومتے ہوں گے، حسین پاک نے ارشاد یہ کیا ہوگا، تمہیں خدا کی رضائیں سلام کہتی ہیں“!!!!
مُورت مارچ کے شرکا کے حلیوں پر نگاہ ڈالنے اور ان کی باتیں سننے کے بعد کون یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کسی درجے میں مظلوم ہیں۔ یہ اگر مظلوم ہیں تو انہوں نے قدرت سے جنگ لڑ کر خود اپنے اوپر یہ ظلم مسلط کیا ہے، ﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ ”اور ان پر اللہ نے کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم ڈھا رہے ہیں“۔

یہ گندگی اور غلاظت جو معاشرے میں پروان چڑھ رہی ہے یہ جمہوریت کا شاخسانہ ہے، وہی جمہوریت جسے یہ دنیا افغانستان میں نافذ کر کے وہاں کے مسلمانوں سے ان کی غیرت ان کا دین ان کی اقدار، ان کے اخلاق اور وہ سب کچھ چھین لینا چاہتی ہے جس کی بنیاد پر اس ملک کے غیور عوام نے دو سپر پاورز کو شکست دی۔ جمہوریت کے ثمرات تو آج تک کہیں دیکھنے کو نہ ملے البتہ اس کے مضمرات سے ہر شخص مستفید ہو رہا ہے۔ وہی جمہوریت جس کے بارے میں پاکستان کے بعض علما یہ کہنے لگے کہ اب تو نظام حکومت یہی ہے، اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اسی نظام میں نسبتاً بہتر کو ووٹ دیں تاکہ اس سے بدتر نہ آجائے۔ اور فرماتے ہیں کہ something is better than nothing (کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے)، لہٰذا جو تھوڑا بہت یہی نظام آپ کو دے سکتا ہے وہی وصول کر لیں۔ محترم عالم صاحب سے ہمارا سوال یہ ہے کہ اس نظام نے آج تک اسلام اور اہل اسلام کو دیا کیا ہے؟ امریکی جنگ میں پورا ملک اور اس کے وسائل جھونک دینا، لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے شہدا، شہید کردہ مساجد، اللہ کو اپنا رب ماننے والے بے شمار قیدی، مساجد میں جمعے کے خطبوں پر پابندی مگر یونیورسٹیز میں اعلانیہ اور سرکاری سطح پر ہونے والے ننگے ناچ،.......!!!! اور اسلام کو ایک طرف بھی رکھیں تو اس نظام نے آج تک عوام کو کیا دیا ہے؟ دو ٹکڑے شدہ ملک، تعصب، مہنگائی، فحاشی، عریانی، لوڈشیڈنگ، قرضے اور کرپٹ سے کرپٹ تر حکمران، بھوک و افلاس سے متاثر معصوم بچے اور ان کے بے بس والدین، سیلاب سے لٹے پٹے کروڑوں عوام......! اس نظام نے اگر کچھ کیا ہے تو وہ یہ کہ فوج کے نام پر ایک مقدس گائے کو پالا، پوجا اور پروان چڑھایا، اسی پر نذرانے اور چڑھاوے چڑھا چڑھا کر پورے ملک کو مقروض بنا دیا ہے اور آج طبقۂ علما سے منسوب بعض افراد یہ فرماتے ہیں کہ ماشاءاللہ فوج کے اخلاق اور اس کے معیار کا ثبوت یہ بات ہے کہ اس کا چیف ایک حافظ قرآن اور چیئرمین جوائنٹ چیف آف سٹاف ایک 'یتیم' ہے۔ فوج میں تو کئی ایک حافظ قرآن ہوں گے اور کئی ایک یتیم بھی ہوں گے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان حافظ قرآن جرنیل صاحب نے اس حفظ شدہ کلام اللہ سے اس وقت رہنمائی کیوں نہ لی جب اس فوج نے افغانستان کے خلاف امریکہ کی جنگ میں امریکہ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا؟ جب یہی فوج جامعہ حفصہ اور لال مسجد پر فائرنگ اور بمباری کر رہی تھی؟ اور جب آپریشن ضرب عضب کا فیصلہ ہوا اور جب اس پر عمل ہوا؟ جب آپریشن راہ نجات ہوا اور سوات کے عوام کے لیے نجات کی راہیں مسدود کی گئیں........؟؟؟ اگر اس وقت ان حافظ قرآن صاحب نے قرآن سے رہنمائی لینے کی زحمت نہیں کی تو آج اس عہدے پر پہنچ کر کہ جب طاقت کی تمام تر ڈوریں ان کے ہاتھ میں تھما دی گئی ہیں اور ان کی مشکیں پوری زندگی کے لیے ان کو ملنے والی مراعات، سہولیات، بینک بیلنس اور جائیداد کے ذریعے کس دی گئی ہیں، ہم ان سے کیسے یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ یہ قرآن کریم کی رہنمائی میں اپنے عہدے کو استعمال کریں گے؟؟؟

مذکورہ شخصیات سے بصد احترام یہ استدعا ہے کہ انہوں نے کیونکر یہ سمجھ لیا کہ اب یہی نظام ہمارا مقدر ہے اور اب اسی میں رہتے ہوئے ہمیں کچھ تھوڑا بہت وصول کرنے کی کوشش کرنی چاہیے (جس تھوڑے بہت کی مثال یہ حافظ قرآن آرمی چیف ہیں)؟ آپ حضرات تو وہ ہیں کہ ہم جیسے عوام کی رہنمائی جن کے ذمے ہے، جو آپ کی طرف دینی اور دنیوی مسائل میں رہنمائی کے لیے دیکھتے ہیں، اور ہم اس بدترین نظام کے خلاف کھڑے ہونے اور اس کو ڈھانے اور شرعی نظام لانے کی ذمہ داری بھی اصلاً آپ ہی کے کندھوں پر سمجھتے ہیں۔ اور آپ ہی ہمیں یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ نظام اب تبدیل نہیں ہو سکتا لہٰذا صبر کرو بلکہ جو مل جائے اس پر شکر کرو!!! کیا اللہ رب العزت کے دین اور اس کی شریعت نے ہمیں کوئی نظام عطا نہیں کیا؟ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جمہوریت لے کر آئے تھے؟ کیا خلفائے راشدین جمہوریت کے داعی تھے؟ کیا خلافت عثمانیہ کی بنیاد جمہوری اصولوں پر قائم ہوئی تھی؟ بات جمہوریت کی نہیں بات قوت کی ہے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ آج مسلمان جو پوری دنیا میں ظلم سہہ رہے ہیں وہ اس لیے کہ ان کے پاس قوت نہیں اور قوت کے حصول کو انہوں نے خود اپنے لیے مشکل سمجھ رکھا ہے، وہ کم ہمت ہو گئے ہیں اور یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ دور لَد گیا کہ جب مسلمان ہی سب سے زیادہ تہذیب یافتہ، تعلیم یافتہ اور جدید تھے اور اب وہ گم کردہ شان و شوکت دوبارہ حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ ان کی خام خیالی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے دین کو چھوڑ دیا۔ ان کی عزت اور ان کی شان و شوکت ان کے اپنے دین پر عمل کی وجہ سے تھی اور آج بھی اسی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ جب مسلمانوں نے ہاتھ سے کتاب اور تلوار رکھ دی، علم اور جہاد دونوں کو خیر باد کہا تو آج یہ اس مفلوک الحالی کو پہنچ گئے۔ جس دن مسلمان دوبارہ کتاب اور تلوار ہاتھ میں اٹھائیں گے اور اس کی بدولت جہاں کہیں بھی قوت حاصل کر لیں گے وہاں یہ اس بات پر مجبور نہیں رہیں گے کہ جمہوریت کی غلاظت کو امرت سمجھ کر پئیں اور امرت ہی کہہ کر اس غلاظت کو ان کے سامنے پیش کیا جائے۔

☆☆☆☆☆

جلیانوالہ باغ اور قصہ خوانی والی ٹریننگ اور ذہنیت

تحریر: اوریا مقبول جان—انتخاب وتبصرہ: سیلاب خان[1]

پاکستان کی حکومتی مشینری اور اداروں کا مزاج، ماحول اور عوام کے متعلق روّیہ، گزشتہ ڈیڑھ سو سال کی مسلسل ٹریننگ اور تجربے کی عطا ہے۔ انگریز نے اپنے غاصبانہ اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے جس طرح کی انتظامی مشینری کو جنم دیا، انہیں قوانین کے ذریعے جس طرح بااختیار بنایا اور جس قدر لامحدود اختیارات دیے گئے، وہ آج بھی ہماری انتظامیہ کے نہ صرف شعور اور لاشعور کا حصہ ہیں، بلکہ وہ سب کے سب قوانین واختیارات من وعن موجود ہیں، بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ ریاستی جبر کو مستحکم کرنے کے لیے ان قوانین میں اضافہ ہوا ہے۔

انگریز نے انتظامی مشینری کو ایک ذہنیت تحفے میں دی تھی کہ حکمران اور عوام دو مختلف طبقات ہیں۔ حکومتی مشینری انڈین سول سروس اور انڈین برطانوی فوج کے باہم گٹھ جوڑ سے بنایا جانے والا ایک مقتدر گروہ تھا۔

انڈین سول سروس سینئر پارٹنر تھی جبکہ فوج اس کی جونیئر پارٹنر۔ ڈپٹی کمشنر کا دفتر ایک چھوٹا سا ”وائسرائے“ تھا، جس میں تاجِ برطانیہ کے تمام اختیارات مرتکز کر دیے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ گورے یا پھر بعد میں نوکری میں شامل ہونے والے ”مقامی ناریل“ (یعنی باہر سے براؤن اندر سے گورے) یہ افسران بھی پہلے فوج میں کمیشن لیتے اور پھر ڈپٹی کمشنر لگائے جاتے اور وہاں سے ترقی کرتے کرتے گورنر کے عہدے تک جا پہنچتے۔

لارنس، رابرٹ سنڈیمن، جان جیکب اور بارنس جیسی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد بھی ہم انہیں کے نقشِ قدم پر چلتے رہے اور سکندر مرزا میجر سے سول سروس میں بھیجا گیا، ڈپٹی کمشنر پشاور بنا اور پھر ترقی کرتا ہوا فیڈرل سیکرٹری کے بعد صدرِ پاکستان بھی بن گیا۔ لیکن فوج میں بھی اسے ساتھ ساتھ مسلسل ترقی دی جاتی رہی اور جب وہ صدر کے عہدے پر پہنچا تو وہ میجر جنرل کے ”رینک“ پر بھی فائز تھا۔

۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو جب اس نے مارشل لاء لگایا تو اس کا مددگار جونیئر پارٹنر یعنی فوج کا سربراہ جنرل ایوب خان بھی اس کے ساتھ تھا۔ لیکن پاکستانی عدلیہ نے ایک نیا باب رقم کر کے ”طاقت“ اور صرف ”طاقت“ کو جائز اور حق قرار دے دیا۔ پاکستان کے سب سے متنازع چیف جسٹس منیر نے لکھا ”کامیاب انقلاب جائز ہے“۔ یعنی انسانی تاریخ کا صدیوں پرانا معیارِ حق و باطل ہی بدل کر رکھ دیا۔

جسٹس منیر نے ۲۷ اکتوبر کی صبح کو یہ فیصلہ سنایا اور اسی رات جنرل ایوب خان، جس کے پاس اصل قوت اور طاقت تھی اس نے گزشتہ سو سال کی انگریز کی بنائی ہوئی ترتیب توڑتے ہوئے سینئر پارٹنر سکندر مرزا کو کان سے پکڑ کر ایوانِ صدر سے نکالا اور کرسیٔ اقتدار پر متمکن ہو گیا۔ اس دن سے آج تک سول بیوروکریسی نے سر تسلیم خم کر کے سینئر کی بجائے جونیئر پارٹنر بننا منظور کر لیا۔ لیکن نہ دونوں کی ذہنیت میں کوئی فرق آیا ہے اور نہ دونوں کے روّیے تبدیل ہوئے ہیں۔ ان دونوں اداروں نے ملی بھگت سے اپنے تحفظ اور نفرت سے بچاؤ کے لیے اپنے ارد گرد کچھ ریت کی بوریاں کھڑی کیں۔

یہ ریت کی بوریاں ان کے تیار کردہ سیاستدان تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں اپنی قوم سے غدّاری کر کے انگریز کا ساتھ دیا تھا۔ انہیں ہر طرح کے انعامات سے نواز کر اپنے زیرِ سایہ الیکشنوں کے ذریعے منتخب بھی کرا لیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ عوامی نفرت کی ساری گندگی اور غلاظت ان سیاستدانوں کے حصے آئے۔ شاید ہی کسی کو یاد ہو کہ ۱۹۲۰ء میں پورے ہندوستان میں پہلے جنرل الیکشن کروائے گئے۔

یہ قانون ساز اسمبلی برطانیہ کی اسمبلی کی زیرِ نگیں (Lower) اسمبلی تھی، جس کی ۱۰۴ سیٹوں پر الیکشن ہوئے۔ انگریز نے ”Democratic Party“ کے نام سے ایک سیاسی جماعت بنوائی جس کا قائد ”ہری سنگھ گور“ الیکشنوں کے بعد حکومت کا سربراہ بن گیا۔ اس کی پارٹی نے ۴۸ سیٹیں حاصل کیں، جبکہ گوروں کو بھی الیکشن لڑوایا گیا اور اپوزیشن لیڈر ایک گورا ڈبلیو ایچ ایچ وینسٹ (W. H. H Vincent) بنا۔

یہ سارا ڈرامہ اس لیے رچایا گیا کہ سول اور ملٹری اسٹیبلشمنٹ آئندہ جو کچھ بھی کرے اس کا ردِّ عمل برداشت کرنے کے لیے یہ سیاستدان موجود ہوں۔ گزشتہ ایک سو سال سے ان تینوں طبقات کا گٹھ جوڑ بالکل ویسے ہی چلا آ رہا ہے۔ اس حکمران طبقے کا چونکہ عوام سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا تھا اس لیے وہ ہمیشہ عوام کے ردِّ عمل سے خوفزدہ رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۱۵ء میں ”ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ“ لایا گیا جس کے تحت تحریر و تقریر پر پابندیاں عائد کی گئیں، بالکل ویسے ہی جیسے آج ٹوئٹر اور دیگر سوشل میڈیا پر کی جانے والی حکومت مخالف گفتگو کو خلافِ قانون قرار دیا گیا۔

[1] اوریا مقبول جان صاحب کا زیرِ نظر کالم ان کی ویب سائٹ سے مستعار لیا گیا ہے۔ اس کالم پر ہمارا تبصرہ وہ نظر تحریر ہٰذا کے آخر میں ملاحظہ ہو۔ (سیلاب خان)

۱۹۱۵ء کے ایکٹ کے تحت بھی ایسی گفتگو بغاوت کے زمرے میں آتی تھی اور ۲۰۲۲ء میں بھی ایسی ٹویٹ بغاوت قرار دی جاتی ہے۔ اس ایکٹ کے تحت ۲۶ اپریل اور ۱۳ ستمبر ۱۹۱۵ء کو گفتگو کرنے، لکھنے یا نعرے لگانے کو غدّاری قرار دیتے ہوئے لاہور سے ۲۹۱ لوگوں کو پکڑا گیا جن میں سے ۴۲ کو پھانسی دی گئی، ۱۱۴ کو عمر قید اور ۹۳ تحریر و بیان کے باغیوں کو مختلف عرصے کی سزائیں سنائی گئیں۔ اسی طرح بنگال میں ''انوشیلان سمتی'' نام پر ایک باڈی بلڈنگ کلب قائم ہوا جس کے ممبر ورزش کے دوران اپنے غصے کے اظہار کے لیے انگریز کے خلاف گفتگو کرتے اور نعرے لگاتے۔ ان لوگوں کی نگرانی کے لیے خفیہ پولیس کے افراد مقرر ہوئے۔ ان میں سے آہستہ آہستہ لوگوں کو اُٹھایا جانے لگا تو انہوں نے چھپ کر کارروائیاں شروع کر دیں۔

خفیہ پولیس کا ایک آفیسر شمس الاسلام جو ان سب کے بارے میں بغاوت کا مقدمہ تیار کر رہا تھا، قتل کر دیا گیا اور ردّعمل اس قدر شدید ہوا کہ وائسرائے کا دفتر کلکتہ سے دلّی منتقل کرنا پڑا۔ ۱۹۱۵ء کے اس ایکٹ کا خوفناک حد تک ظالمانہ اور بہیمانہ استعمال ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیانوالہ باغ میں کیا گیا۔ اس دن سے بہت پہلے پنجاب حکومت جگہ جگہ عوامی احتجاج سے خوفزدہ ہو چکی تھی۔

اپریل کے پہلے ہفتے میں لاہور کے انار کلی بازار میں ایک بہت بڑا جلوس نکالا گیا جس کی تعداد بیس ہزار سے بھی زیادہ تھی۔ یہ اپنے دور کا ایک لانگ مارچ تھا جس نے پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر مائیکل ڈائر کی نیندیں حرام کر دیں۔ اس نے پورے صوبے کی انتظامی مشینری کی میٹنگ بلائی اور کہا کہ اگر لوگوں کا ایسے ہی احتجاج جاری رہا تو پھر یہ سب لوگ ایک دن ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی والی کیفیت میں منظم ہو جائیں گے۔ ایکٹ کے تحت ہر طرح کی تقریر و تحریر پر پابندی لگا دی گئی۔

امر تسر کے شہر میں ہرکارے کے ذریعے یہ اعلان تین زبانوں انگریزی، ہندی اور پنجابی میں کروایا۔ ۱۳ اپریل کو بیساکھی کا میلہ تھا۔ ہزاروں لوگ امر تسر میں میلہ منانے آئے ہوئے تھے۔ جلیانوالہ باغ شہر کے بیچوں بیچ واقع تھا جہاں یہ سب لوگ ایک جشن کے سماں میں موجود تھے۔ ڈپٹی کمشنر اروِنگ کو خفیہ والوں نے ۱۲:۴۰ پر یہ رپورٹ دی کہ وہاں ایک جلسہ منعقد کرنے کی تیاری ہو رہی ہے۔

یہ جلسہ ان کے نزدیک ایک بہت بڑی بغاوت یا سازش تھی جس کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کیا جا سکتا تھا۔ سب سے پہلے کرنل ڈائر نے ایک چھوٹا سا جہاز منگوایا اور پرواز کر کے اندازہ لگایا کہ جلیانوالہ باغ میں کتنے لوگ اکٹھے ہو چکے ہیں۔

اس کے اندازے کے مطابق اس ۶ ایکڑ کے علاقے میں شام کے وقت بیس ہزار لوگ جمع تھے ڈپٹی کمشنر اروِنگ اور کرنل ڈائر نے خاموشی اختیار کی اور لوگوں کو مزید وہاں جمع ہونے دیا۔ لیکن جیسے ہی سٹیج لگ گیا اور لوگ جمع ہو گئے تو سپاہ نے باغ کو گھیرے میں لے لیا۔

آج سے سات سال پہلے جب میں امر تسر کے ہال بازار میں واقع مسجد خیر الدین کے دروازے پر موجود اپنے دادا اور دادی کی قبروں پر فاتحہ پڑھنے کے بعد جلیانوالہ باغ کی سمت روانہ ہوا تو میرے کانوں میں اپنے والد کی بتائی گئی، اس تفصیل کا ایک ایک فقرہ ٹکرانے لگا۔ ایک گیارہ سال کے اس یتیم بچے نے ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کے امر تسر میں جس فضا کو محسوس کیا تھا وہ ان کی یادداشتوں میں محفوظ تھا۔

مسجد خیر الدین اور جلیانوالہ باغ کا فاصلہ صرف ڈیڑھ کلو میٹر ہے۔ ان دونوں کے درمیان چوک فرید آتا ہے جہاں میرے والد اپنی بیوہ ماں اور دو بھائیوں کے ساتھ رہتے تھے۔ اس راستے سے گزرتے ہوئے میں چشم تصور میں سو سال پرانا خاموش اور پرسکون امر تسر لا رہا تھا، جہاں بیساکھی کے میلے میں لوگ ارد گرد کے دیہات سے آئے ہوئے ہیں، لاؤڈ سپیکروں کا شور ہے نہ گاڑیوں کے ہارنوں کی آوازیں۔

سب لوگ اپنی اپنی دھن میں مگن میلے ٹھیلے کے ماحول سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ باغ کے ساتھ گولڈن ٹمپل کی یاترا اور باغ میں لگے ہوئے کھانے پینے کے سٹالوں پر رونق ہے اور تماشہ دکھانے والے اپنے ہنر دکھا رہے ہیں۔ اس سب کو اپنے چشم تصور میں لاتا ہوا جب میں باغ کے واحد چھوٹے سے دروازے سے اندر داخل ہوا تو مجھے انگریز ڈپٹی کمشنر اور فوجی کرنل کی سفاکیت کا اندازہ ہوا۔

باغ کے چاروں جانب اونچے اونچے مکانات تھے جن کی پشت باغ کی سمت تھی، یعنی کوئی دروازہ نہ ہونے کی وجہ سے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اب اس ذہنیت اور ٹریننگ کا جائزہ لیجیے جو اس سانحہ میں بروئے کار نظر آتی ہے۔ صبح نو بجے یہ اعلان کیا گیا کہ رات دس بجے سے امر تسر میں کرفیو نافذ ہو جائے گا۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ رات تک آرام سے گھوم پھر سکیں۔

دو اہم رہنما ستیہ پال اور سیف الدین کچلو کو گرفتار کر کے امر تسر بدر کیا گیا تا کہ لوگوں میں غصہ پیدا ہو اور ساتھ ہی دفعہ ۱۴۴ کے تحت چار سے زیادہ لوگوں کے ایک ساتھ اکٹھا ہونے پر پابندی بھی لگا دی گئی۔ سیاسی کارکنوں نے بیساکھی کے میلے پر جمع ہونے والی مخلوق سے فائدہ اٹھانے کے لیے باغ میں چھوٹا سا سٹیج لگا کر تقریریں شروع کر دیں۔

ڈپٹی کمشنر اور فوجی کمانڈر ڈائر نے وہاں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جمع ہونے کا وقت دیا۔ ایک اندازے کے مطابق جب وہاں پندرہ ہزار لوگ جمع ہو گئے تو ڈائر اپنے ساتھ گورکھا رائفلز اور ۵۹ سندھ رائفلز کے پچاس جوانوں کو لے کر وہاں پہنچا، جن میں ۲۵ گورکھے سپاہی اور باقی پٹھان اور بلوچ تھے۔ خاص طور پر کسی پنجابی کو ان میں شامل نہ کیا گیا تا کہ انگریز سے وفاداری کے وقت اپنی ہم زبان قوم کا خیال نہ آ جائے۔

باغ کی جانب کھلنے والی پانچ چھوٹی چھوٹی گلیاں تھیں جن میں آہنی دروازے تھے ان کو بند کر دیا گیا اور واحد دروازے پر مشین گنوں سے لیس سپاہیوں کو قطار در قطار کھڑا کرنے کے بعد ڈائر

نے اطمینان سے ہجوم کے اس حصے کو دیکھا، جہاں سب سے زیادہ لوگ موجود تھے اور پھر وہاں پر نشانہ لے کر فائر کرنے کا حکم دیا۔ بندوقوں نے شعلے اگلے، لوگوں کے جسموں سے گولیاں آر پار ہوئیں۔ لوگ بھاگ کر بند دروازوں کی طرف گئے مگر راستہ نہ پا کر کئی ایک نے جان بچانے کے لیے کنویں میں چھلانگ لگا دی۔

باغ کے درمیان کھڑا میں سوچ رہا تھا کہ والد بتایا کرتے تھے کہ جب فوج کے سپاہی بھاگ کر دروازے کی جانب بڑھ رہے تھے تو میں باہر نکل رہا تھا۔ کسی کو بھی انہیں دیکھ کر بالکل خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن ابھی میں گھر نہیں پہنچا تھا کہ پورا امرتسر گولیوں کی تراخ پڑاخ سے گونج اٹھا۔ ۱۶۵۰ گولیاں فائر کی گئیں اور ۳۷۹ لوگ مارے گئے۔ اس کے بعد جو خوف کی فضا پیدا ہوئی، اس دوران پورے پنجاب میں مارشل لاء لگا دیا گیا اور سر عام کوڑے مارنے کا قانون منظور کر کے سزائیں دی جانے لگیں، واقعہ کے بعد وہی ہوا جو ایک سو سال گزرنے کے بعد بھی آج بھی ویسا ہی ہوتا چلا آ رہا ہے۔

ہندوستان کی حکومت نے واقعے کی تحقیق اور تفتیش کے لیے ایک کمیشن قائم کر دیا۔ جسے ہنٹر کمیشن کہا جاتا ہے۔ خوفناک چالبازی کے ساتھ حکومت دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ کچھ ایسے تھے جو اسے سفاکیت اور درندگی کہتے تھے، جن میں چرچل بھی شامل تھا، جبکہ بے شمار ایسے تھے جو اسے حکومت کی رٹ اور قانون کی حکمرانی کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔

کمیشن کی رپورٹ میں کہا گیا کہ ڈائر کو فوج کی ملازمت سے برطرف کر دیا جائے لیکن اس کے برعکس برطانوی پارلیمنٹ کے دارالامراء نے اس کے حق میں ایک قرارداد منظور کی اور اس کو ایک تلوار پیش کی گئی جس پر لکھا تھا "پنجاب کو بچانے والا (Saviour of Punjab)۔ چرچل نے دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ فوج نے اپنے مظالم کو چھپانے کے لیے دارالامراء میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے یہ قرارداد منظور کروائی ہے۔

ڈائر نے تلوار وصول کرتے ہوئے کہا کہ ”میں نے فائرنگ ہجوم کو منتشر کرنے کے لیے نہیں کی تھی بلکہ ہندوستانیوں کو ان کی نافرمانی کی سزا دینے کے لیے کی تھی“۔ ایسے فقرے آج بھی آپ کو گونجتے سنائی دیں گے۔

اس کے بعد سے جو فضا اور جو خوفناک ماحول اس ہندوستان میں پیدا ہوا اور جسے نام نہاد سیاسی قیادت، سول ایڈمنسٹریشن اور مددگار فوجی جتنا کے گٹھ جوڑ سے ”حکمتِ عملی“ ترتیب دی گئی اسے آج تک قائم رکھا گیا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ جوں جوں جدید آلات تشدد اور مہلک ہتھیاروں کی اقسام میں اضافہ ہوا ہے عوام میں ریاست نے اپنے خوف کو ایسے کئی جلیانوالہ باغ جیسے واقعات اور آپریشن کر کے مزید گہرا کیا۔

جامعہ حفصہ اور ماڈل ٹاؤن سانحہ اسی تسلسل کا اظہار ہے۔ جلیانوالہ باغ کے گیارہ سال بعد ویسا ہی پر تشدد سانحہ ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء کو قصہ خوانی بازار میں پیش آیا۔ اس دفعہ تو سزا دینے کے لیے مزید خوفناک طاقت کا استعمال کیا گیا۔ بکتر بند گاڑی تیز رفتاری کے ساتھ ہجوم کو کچلتی ہوئی آگے بڑھی اور بیچ کھڑے ہو کر چاروں جانب مشین گنوں سے نہتے لوگوں پر فائر کھول دیا گیا۔ اس دفعہ کمیشن تو بنا لیکن ریاست کے ظلم کی پردہ پوشی کے لیے ایک اور کردار وجود میں آ گیا۔

بادشاہ جارج ششم نے ”جوڈیشل کمیشن بنانے کا اعلان کیا اور لکھنؤ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نعمت اللہ چودھری کو اس کا سربراہ مقرر کر دیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی جج صاحب کو برطانیہ کے اعلیٰ ترین اعزاز Knighthood سے بھی نواز دیا گیا۔ جج صاحب نے اس قتل پر ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ایک رپورٹ جمع کروائی جس میں برطانوی فوج کے مظالم کا خوب تذکرہ کیا گیا۔ یہ رپورٹ مشرقی پاکستان کے سانحہ پر بننے والے حمود الرحمن کمیشن رپورٹ کی طرح سرد خانے میں ڈال دی گئی۔ وجہ صرف ایک بیان کی گئی کہ اس طرح عوام کے سامنے فوج کا مورال تباہ ہو گا اور حکومت کی رٹ ختم ہو جائے گی۔

گزشتہ ایک سو سال سے ایسی ہی کیفیت ہے جو قائم ہے۔ محکوم عوام اور حاکم اسٹیبلشمنٹ۔ اس سو سال کے عرصہ میں ہم نے اپنی تباہی کے لیے دو رویے مستحکم کیے ہیں۔ پہلا یہ اصول کہ قانون کی حکمرانی ہونی چاہیے، انصاف کی حکمرانی نہیں۔ یعنی جیسا ظالمانہ قانون بنا دو اس پر عمل درآمد ضروری ہے۔

دوسرا یہ کہ حکومت کی حاکمیت یعنی حکومت کی ”رٹ“ ہونی چاہیے۔ عوام کی حاکمیت نہیں۔ اگر عوام کی مرضی حکومت کی رٹ سے ٹکرائے تو کچل کر رکھ دو، چاہے آپ کو ایک اور جلیانوالہ والا باغ یا سانحہ ماڈل ٹاؤن برپا نہ کرنا پڑ جائے۔

[تبصرہ (از سیلاب خان)]

[تحریر بالا میں اوریا صاحب نے پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کی تربیت و ذہنیت پر بہت اچھے انداز سے روشنی ڈالی ہے، وہ تربیت و ذہنیت جو پاکستان فوج، بیوروکریسی، عدلیہ اور سیاست دانوں کو انگریز سے حاصل ہوئی۔ اوریا صاحب کے اس موقف سے ہمیں پورا اتفاق ہے، لیکن تحریرِ ہٰذا میں گاہے موجودہ حالات کا ذکر بھی موجود ہے اور راقم کی نظر میں محترم مصنف ’بین السطور‘ عمران خان کی حالیہ سیاست سے پیدا ہونے والی صورتِ حال پر تبصرہ کر رہے ہیں۔ جبکہ ہماری نظر میں عمران خان کی ماضی کی سیاست کا بھی ایک بڑا حصہ اسٹیبلشمنٹ ہی کی سیاسی چال رہا ہے اور بظاہر عمران خان اس وقت اسٹیبلشمنٹ مخالف گروہ میں شامل ہے۔ یہ پاکستانی سیاست کی غلام گردش ہے جس میں ذوالفقار علی بھٹو، بے نظیر بھٹو اور نواز شریف، اسٹیبلشمنٹ ہی کی رضا مندی سے داخل ہوئے اور بعد میں اسٹیبلشمنٹ ہی کو آنکھیں دکھانے کے سبب نکالے بھی گئے اور جب نکالے گئے تو اسٹیبلشمنٹ کو گالیاں دیتے نظر آئے، ’مجھے کیوں نکالا‘ اور ’ووٹ کو عزت دو‘ اس کی ایک مثال ہے جسے نواز شریف کی بیٹی مریم نواز نے اپنا بیانیہ بنایا لیکن یہ بیانیہ پی ڈی ایم کی حکومت بنتے ہی غائب ہو گیا بلکہ اس بیانیے کا نیا وارث عمران خان بن گیا۔ ذاتی

طور پر مالی بدعنوانی رکرپشن کے معاملات میں شاید عمران خان کا دامن صاف ہو (گو کہ توشہ خانہ سکینڈل بھی ہمارے سامنے ہے) لیکن مجموعی اخلاق و کردار اور 'لوٹوں' اور مفاد پرست سیاست میں عمران خان بھی ویسا ہی گندہ ہے جیسے باقی سیاست دان۔ یہ بات بہت سے قرائن سے ثابت ہے کہ عمران خان کو جنرل پاشا (ڈی جی آئی ایس آئی) نے لانچ کیا اور درجنوں لوگوں کو پاشا ہی تحریکِ انصاف میں لے کر آیا۔

فلہٰذا ہمیں عمران خان سے کوئی ہمدردی نہیں اور نہ ہی کوئی توقع ہے کہ وہ ملکِ پاکستان کے حالات کو سدھار سکتا ہے۔ اگر وہ پاکستان کے حالات و نظام کو سدھار سکتا تو تین ساڑھے تین سال کی حکومت میں کوئی فرق تو نظر آتا، جو ہمیں خوردبین سے دیکھنے پر بھی نظر نہیں آتا۔

اصل بات یہ ہے کہ فاسد نظام کی اصلاح اسی نظام کے دائرے ہی میں رہتے ہوئے نہیں ہو سکتی۔ مولانا مفتی حمید اللہ جان (نوّر اللہ مرقدہٗ) نے سرمایہ دارانہ جمہوریت کے متعلق کسی کی نقل کردہ بڑی پیاری بات کی تھی کہ

> ”یہ نظام بنایا ہی ایسا گیا ہے کہ اگر اس میں کوئی امانت دار مولوی (یعنی عالمِ دین) بھی ایک بار داخل ہو جائے تو وہ بھی کچھ عرصہ گزارنے کے بعد ویسا ہی ہو جائے گا جیسے باقی سیاست دان ہیں...... لہٰذا یہ کنواں محض ڈول پہ ڈول نکالنے سے پاک نہیں ہو گا، پہلے اس کنوئیں سے مردار کتا نکالنا پڑے گا، پھر پانی بھرے ڈول نکالنے سے یہ کنواں پاک ہو گا۔ جب تک مردار کتا اس کنوئیں میں ہے ہزار ڈول نکال لو تب بھی یہ پاک نہ ہو گا!“

الغرض یہاں کوئی کتنا ہی پاک دامن کیوں نہ آجائے وہ اس نظام کو ٹھیک نہیں کر سکتا۔ ۷۵ برس قبل اہلِ دین اور مسلمان عوام نے تو پاکستان کو ایک مسجد کی طرح بنانے ہی کی خاطر قربانیاں دی تھیں، لیکن پاکستان کے حکمرانوں (سول و ملٹری بیوروکریسی) کا اول روز سے ہی یہ وطیرہ رہا کہ انہوں نے اس کو مسجد تو بننے دیا لیکن یہاں کا نظام 'مسجدِ ضرار' کی طرح رکھا، جس کی بنیاد ہی فاسد تھی۔ اب اگر اس وطنِ عزیز کے نظام کی ہمیں اصلاح کرنی ہے تو اس مسجدِ ضرار کو، اس نظام کو بنیادوں سے اکھاڑنا ہو گا اور نئے سرے سے اسلامی نظام کی بنیاد ڈالنا ہو گی، وہ پاک و مطہر مسجد جس کی تاسیس اللہ کا تقویٰ ہو، وہ تقویٰ جو انسان کے ہر عمل کو اللہ کی بتائی شریعت کے مطابق کرواتا ہے، چاہے پرائیویٹ لائف ہو یا پبلک! (سیلاب خان میرپوری)

بقیہ: تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کی جانب جو بری نگاہ سے دیکھے گا اللہ رب العزت کی سب سے زیادہ غیور ذات اسے اس کے لشکروں سمیت بدترین انجام سے دوچار کرے گی۔ اللہ نے ان کی رسی کو ڈھیل دے رکھی ہے تو یہ منہ زوری دکھائے چلے جا رہے ہیں اور جب اللہ رب العزت ان کی لگامیں کھینچیں گے تو یہ جہنم میں منہ کے بل جا گریں گے۔

ہندوستان میں مسلمانوں پر ہونے والا ظلم ہر حد کو پار کرتا جا رہا ہے۔ ہندوؤں کی مسلمان دشمنی کے سامنے چادر اور چاردیواری کا تصور سرے سے کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر پورے پورے محلوں میں خواتین کی بے حرمتی کرنا، مردوں عورتوں پر تشدد کرنا اور ان کی املاک کو نقصان پہنچانا معمول بن چکا ہے۔ ہندو انتہا پسند اپنی نوجوان نسل کو ہر طرح کے ہتھیار اور لڑائی کے ہر حربے کی تربیت دیتے نظر آتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر عام ہونے والے ایک کلپ میں ایک ہندو اعلانیہ نہایت کم قیمت پر تلواریں بیچتے دیکھا جا سکتا ہے اور علی الاعلان وہ یہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف ہر گھر میں یہ تلوار موجود ہونی چاہیے۔ ہندو مسلمانوں کے خلاف تلواریں تیز کر رہے ہیں، محاورتاً نہیں بلکہ حقیقتاً، مسلمانوں کے گھر اور ان کی مساجد ڈھا رہے ہیں، بابری مسجد کے مقام پر مندر کی تعمیر کر رہے ہیں اور مسلمانوں کی دینی شناخت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے لیے کوشاں ہیں۔ اور یہ سب وہ ہندوستان میں ہی نہیں کر رہے بلکہ دنیا میں جہاں کہیں بھی ان کی ایک مناسب تعداد جمع ہو جاتی ہے وہاں وہ مسلمانوں کے خلاف اپنے بغض کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں۔ برطانیہ میں تو ہندو براہ راست برطانوی سیاسی پارٹیوں کے منشور پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ برطانیہ کہ لیبر پارٹی کے ایک امیدوار نے جب کشمیر کے حق میں آواز اٹھائی تو ہندو ووٹروں نے لیبر پارٹی کا بائیکاٹ کر کے اس پر اس قدر زور ڈالا کہ پارٹی کو اپنی پالیسی بدلتے ہی بنی کیونکہ برطانیہ کی کوئی سیاسی پارٹی بھی اپنے مضبوط ہندو ووٹ بینک سے ہاتھ دھونا گوارا نہیں کر سکتی۔ مسلمان ممالک اول تو خود ہی کفار و مشرکین کے سامنے بچھے چلے جا رہے ہیں، جس کی ایک مثال قطر ورلڈ کپ ہے، اور مغربیت کی لہر میں ایسے بہے چلے جا رہے ہیں کہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کے روادار نہیں ہیں، اور اگر کچھ کسر باقی ہے تو اہل کفر اس کے بھی درپے ہیں۔ اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو یہ کہتا ہے کہ میں نے سی آئی اے کے سربراہان سے یہ کہا کہ اسلامی ممالک میں اسلام کی بنیادیں کمزور کرنے کے لیے تمہیں سی آئی اے کے چھپ کر وار کرنے کے خاص طریقے کے استعمال کی ضرورت نہیں، بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ تم وہاں میڈیا جنگ لڑو۔ ان کی نئی نسلوں کو بیورلی ہلز کے شاندار مکانات، ہالی ووڈ کی چکاچوند دکھاؤ، کہ یہی سب سے مخرب اخلاق مواد ہے نسلوں کی تباہی کے لیے، مسلمانوں کے بچے یہی سب دیکھیں گے اور اسی طرح کے بہترین لباس، بہترین مکانات اور عیش و عشرت کی خواہش کریں گے اور تمہارا مقصد حل ہو جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ کفر کی منصوبہ بندی تو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس قدر ہمہ پہلو ہے، کیا مسلمانوں کو بھی اس کا ادراک ہے کہ وہ چومکھی جنگ کی زد میں ہیں؟ تمہارے اپنے اور پرائے سب ہی تمہارے خلاف اپنے داؤ کھیل رہے ہیں، کیا تم نے بھی ان کے داؤ انہی پر الٹانے کے لیے کچھ تیاری کر رکھی ہے؟ کیا تم نے اپنی نسلوں کے ایمان ان کے اخلاق اور ان کی آخرت بچانے کے لیے کچھ منصوبہ بندی کی ہے؟ ذرا سوچو تو!!!

☆☆☆☆☆

معرکۂ بنوں......مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی!

سیلاب خان میر پوری

”جب انہوں (خفیہ ایجنسیوں) نے مجھ پکڑا تو میں یہی سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان قیدیوں کے لیے رحمت کے طور پر بھیجا ہے۔

میں نے (جیل میں قید) ساتھیوں کو (حملے کی) دعوت دی اور ترتیب بنائی۔ میں نے ساتھیوں کو یہی کہا کہ جیل پر (اندر سے) حملہ کریں گے تاکہ ان کا غرور خاک میں مل جائے۔ میں نے اللہ پر توکل کیا اور دعائیں مانگیں۔ تقریباً آٹھ نو ماہ کے قریب میں نے مسلسل استخارہ کیا اور تقریباً دس کے قریب قیدی مجاہد ساتھیوں کو میں نے اعتماد میں لیا اور ان سے میں نے مشورہ کیا کہ ہم اس جیل پر (اندر سے) فدائی حملہ کریں گے۔

اس کے لیے ہم نے ایک منظم منصوبہ بنایا اور اس پر عمل شروع کر دیا۔ میں نے ساتھیوں کو کہا کہ جب یہ منصوبہ پورا ہو گا تو اس دن اللہ ہمیں فتح یاب فرمائے گا۔ ہمارا منصوبہ آج مکمل ہو گیا اور اس کے فوراً بعد ہم نے حملہ کر دیا۔ چار پانچ کے قریب اہلکاروں کو میں نے قتل کیا اور کچھ اہلکاروں کو اینٹوں سے مار کر ہلاک کیا۔

ان کا دفتر ہمارے قبضے میں آگیا۔ اس کے بعد فوج کی دو گاڑیاں آ گئیں۔ ہم نے ان پر فائرنگ کی اور ایک میجر کو زندہ پکڑ لیا۔ ہمارے ایک ساتھی نے ان پر گرنیڈ پھینکا جس سے فوجی دم دبا کر بھاگ گئے۔“

یہ الفاظ ہیں ایک مجاہد بطل کے، تحریکِ طالبان پاکستان سے وابستہ ایک مجاہد کمانڈر کے جس کا نام ’ضرار‘ تھا۔ حافظ ضرار شہید رحمۃ اللہ علیہ، جس نے امریکی شروع کردہ وار آن ٹیرر کے تحت بنائے گئے ادارے ’کاؤنٹر ٹیررازم ڈیپارٹمنٹ‘ سی ٹی ڈی کے صوبۂ سرحد کے ضلع بنوں کے مرکز اور جیل پر نہتا ہونے کے باوجود حملہ کیا۔ پھر محض نہتا ہی نہیں، قیدی بھی، سلاخوں کے پیچھے بند، سی ٹی ڈی کے عقوبت خانے میں بند قیدی۔ ایک ایسا مجاہد قیدی جس کا جسم تو پنجرے میں بند تھا لیکن روح و قلب آزاد تھے۔ آپ اس کے الفاظ پڑھ ہی چکے ہیں کہ جب وہ گرفتار ہوا تو تبھی اس نے سوچا کہ اللہ نے مجھے جیل میں قید دیگر قیدی مجاہدین کے لیے رحمت بنایا ہے۔ نفاذِ اسلام کا نام جس ملک میں جرم بنا دیا گیا ہو، وہاں ایک شخص اسی نفاذِ اسلام کی خاطر، شریعت دشمنی میں امریکی ورلڈ آرڈر مسلط کرتی فوج اور خفیہ ایجنسیوں سے لڑتا ہوا گرفتار ہو جائے...... ہزاروں لاپتہ قیدیوں کی داستانیں اس نے بھی سنی ہوں گی...... ڈرل مشینوں سے چھلنی جسموں کی روح فرسا کہانیاں اس کو بھی معلوم ہوں گی...... تربیلا اور حافظ آباد کے ڈیموں اور بیراجوں کے گیٹوں کی گراریوں میں قیمہ کردہ مجاہدوں کی نعشوں کا اسے بھی پتہ ہو گا...... سی ٹی ڈی کے ہاتھوں مظفر گڑھ تا ملتان جعلی مقابلوں میں شہید کیے گئے مجاہد ساتھیوں کو یہ بھی جانتا ہو گا...... لیکن اس نے تو اپنا رمزی نام شاہِ بدر و حنین صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابی ضرار ابنِ ازور رضی اللہ عنہ کے نام پر ’ضرار‘ رکھا تھا، وہ ضرارؓ کہ جب میدانِ جنگ میں اترتے تو زرہ پہننا تو ان کے لیے عار تھا، وہ شجاعت و بہادری میں قمیض اتار دیتے، نیزہ تان لیتے اور کافروں کا خون بہاتے، وہ ضرارؓ ابنِ ازور جن سا ماؤں نے ان کے بعد کوئی نہیں جنا...... یہ ضرارؒ بھی جب دنیا کی ظالم ترین فوج کے جیل خانے میں پہنچا تو ’ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین‘ کی عملی تفسیر بن گیا...... اس نے ’کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ‘ کی آیتِ قرآنی کو اپنا شعار بنالیا...... پھر امریکی غلام آئی ایس آئی کی غلام سی ٹی ڈی کے اہلکاروں کے ہر کوڑے پر، ہر چلتی ڈرل مشین پر، ہر ناخن ادھیڑتے زنبور پر، ہر داغنے والی استری پر، زنجیروں کی ہر جھنکار پر اسے ’ولا تھنوا ولا تحزنوا‘ کی صدا سنائی دیتی۔

جسم قید تھا، لیکن سوچ آزاد تھی۔ ضرار نے منصوبہ بنایا اور اپنا منصوبہ صورتِ استخارہ اللہ کے سامنے پیش کر دیا۔ پھر استشارہ کیا، ساتھیوں کو اعتماد میں لیا۔ جب وقت آیا تو ضرار اپنی کوٹھری سے کسی طرح باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر اس نے ایک سی ٹی ڈی کے اہلکار پر حملہ کر دیا۔ وہیں کہیں ایک اینٹ مل گئی۔

ع ہیں ابابیلوں کی مانند حوصلے اپنے جواں

ابابیلوں نے کنکر برسائے تھے، ضرار نے جہاد فی سبیل اللہ کو ٹیررازم کہنے والے ادارے کے اہلکار کو اینٹ کے وار سے جہنم واصل کر دیا۔ اسی اہلکار کا اسلحہ حاصل کیا اور اسی اثنا میں چار پانچ مزید شریعت کے دشمنوں کو جہنم واصل کر دیا۔ مزید اسلحہ غنیمت کیا گیا اور سی ٹی ڈی کے مقامی ہیڈ کوارٹر اور جیل میں تعینات ایک صوبیدار میجر سمیت آٹھ اہلکاروں کو یرغمال کر کے جنگی قیدی بنالیا گیا۔ اسی روز قریبی فوجی مراکز سے دو عدد فوجی گاڑیاں مجاہدین کا حملہ ختم کرنے کے لیے آئیں جن پر تحریکِ طالبان پاکستان سے وابستہ مجاہدینِ اسلام نے بھرپور جوابی حملہ کیا اور ان حملہ آوروں میں بھی ایک میجر کو زندہ پکڑ لیا۔

یہ واقعہ ۱۸ دسمبر ۲۰۲۲ء بروز اتوار کا ہے۔

مجاہدین نے قیدی بنائے گئے انہی فوجی اہلکاروں کے غنیمت میں حاصل کردہ موبائل فونوں کو استعمال کرتے ہوئے اپنی ایک ویڈیو بنائی اور پاکستانی فوج و حکومت سے مطالبہ کیا کہ

"ہم مجاہدینِ اسلام ہیں، ہم نے جیل پر قبضہ کر لیا ہے اور فوجی اہلکاروں کو قیدی بنا لیا ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ ہمیں آزاد علاقوں کی طرف محفوظ راستہ دیا جائے۔ اگر ہمیں محفوظ راستہ دیا جاتا ہے تو ہم حلفاً کہتے ہیں کہ قیدی بنائے گئے افراد کو ہم رہا کر دیں گے۔ لیکن اگر حکومت و فوج نے ہمارا یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو ہمیں مجبوراً ان یرغمالی جنگی قیدیوں کو قتل کرنا پڑے گا اور جنگ لڑنی پڑے گی۔"

اپنے مبنی بر حق شرعی مطالبے کو پورا کرنے کے لیے مجاہدین نے مستقل فوج و حکومت سے رابطہ رکھا اور قبائلی عمائدین پر مشتمل آٹھ جرگے بھیجے گئے، لیکن فوج نے مجاہدین کا مطالبہ قبول کرنے سے سرا سر انکار کر دیا اور آپریشن کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مجاہدین کے علاوہ اس خفیہ جیل میں پندرہ کے قریب عام لوگ بھی تھے، فوج نے ان کو بھی محفوظ راستہ نہیں دیا اور ان کے بخیر و عافیت ان کے گھر والوں تک پہنچائے جانے کے مطالبے کو بھی قبول نہیں کیا۔

امیر تحریکِ طالبان پاکستان، محترم مفتی نور ولی محسود صاحب نے ان قیدی مجاہدین کے نام پیغام میں کہا:

"آپ کا یہ عمل ان شاء اللہ، اللہ جل جلالہ کی رضا کی خاطر ہے تو اللہ پاک آپ کو آپ کے اس عمل میں سرخرو فرمائیں گے، بصورتِ دیگر اللہ پاک کی جانب سے آپ کو وہ کامیابی ملے گی جس کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا ہے (یعنی شہادت فی سبیل اللہ)۔

کسی بھی صورت میں دشمن کے سامنے سر نہ جھکائیں، ایک مرتبہ غیرت کی ہے تو اب سر قربان کریں مگر دشمن کے سامنے مجاہدین کو ذلیل نہ کریں۔ ان کفار، مرتدین، منافقین و زنادقہ کے (خلاف) قربانی پیش کریں ...... انہوں نے جیلوں میں اور جیلوں سے باہر ہمیشہ ہمیں دھوکہ دیا ہے، وعدہ خلافی کی ہے۔ ان سے دھوکہ نہ کھائیں، اپنے موقف پر ڈٹے رہیں، امتِ مسلمہ کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اللہ ہر حال میں تمہاری مدد فرمائیں گے!"

اسی موقع پر تحریکِ طالبان پاکستان کے نائب امیر، مفتی مزاحم صاحب نے بھی ان فدائی مجاہدین کو شریعتِ محمدی (علیٰ صاحبہا ألف صلاۃ وسلام) کے بجائے کفری جمہوریت کو پاکستان میں بزورِ بندوق نافذ کرنے والی فوج اور خفیہ ایجنسیوں سے جنگ جاری رکھنے کی نصیحت کرتے ہوئے کہا:

"ہمارا مقصد اور ہدف اعلائے کلمۃ اللہ ہے جو بالکل واضح ہے اور اسی مقصد کے لیے ہم نے کفری جمہوری نظام کے خلاف اٹھ کر جنگ شروع کی ہے۔ اس راستے میں شہید ہونا، قید ہونا یا زخمی ہونا ایک لازمی امر ہے۔ تمام ساتھی اللہ کی طرف متوجہ ہوں۔ ہماری جنگ اعمال کی جنگ ہے، یہ ایمان اور عمل سے ہی لڑی جاتی ہے۔ وہ ساتھی ادھر عمل کے میدان میں ہیں اور ہم ادھر ان کے لیے دعائیں مانگیں گے۔ اس صورتِ حال کے لیے مسنون اذکار کا اہتمام کریں اور ان کی استقامت کے لیے دعا کریں۔"

مجاہدینِ صوبہ سرحد و قبائل کا قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک یہی مطالبہ رہا ہے کہ ان کے علاقوں میں شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نفاذ کیا جائے اور ان کے علاقوں کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ لیکن شروع دن سے ہی امریکی بلاک کا حصہ بننے والی پاکستانی سول و فوجی اسٹیبلشمنٹ نے ان مجاہدین سے غداری کی، بلکہ ان پر فوجی آپریشن مسلط کر دیے۔ کمانڈر نیک محمد وزیر شہید اور کمانڈر عبد اللہ محسود شہید سے لے کر بیت اللہ محسود شہید، مفتی ولی الرحمٰن محسود شہید، کمانڈر خالد سجنا محسود شہید، ماسٹر صاحب اعظم طارق محسود شہید، مولانا فضل اللہ شہید اور استاد فاتح سواتی شہید ثم ان کے آج موجود ورثا و خلفا تک سبھی کی جنگ نفاذِ شریعت اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر امریکی غلام سول و فوجی اسٹیبلشمنٹ کے مسلط کردہ غیر اسلامی جمہوری نظام کے خلاف ہے۔ ان کا نفاذِ شریعت اور سرحد و قبائل کے علاقوں کو واپس لینے کا مشن مقامی طور پر نہ پاکستانی حکومت و فوج کو قبول ہے اور نہ ہی عالمی طور پر آج دنیا میں کفر کے امام، طاغوتِ اکبر کو یہ روا ہے۔ پورے قبائل اور علاقۂ سرحد میں نفاذِ اسلام ہو جائے، اس کو تو برداشت کرنا طاغوتِ زمانہ امریکہ کے لیے ناممکن ہے ہی، آٹھ ارب آبادی کی دنیا میں ایک چھوٹے سے سی ٹی ڈی کے مرکز پر جب محض پینتیس مجاہدینِ اسلام قبضہ کر لیتے ہیں اور وقتی طور پر کچھ زیادہ نہیں صرف اپنی جانوں کی حفاظت اور آزاد علاقوں تک محفوظ رسائی کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس پر بھی امریکہ کے پیٹ میں مروڑ اٹھتے ہیں۔ امریکی ڈپارٹمنٹ آف سٹیٹ کا ترجمان ایک بار پھر دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کے اتحادی ہونے کے امر کی از سرِ نو تائید کرتا، 'پاکستانی فرینڈز' کی مدد کی یقین دہانی کرواتا ہے۔

کمانڈر حافظ ضرار شہید کی قیادت میں کل پینتیس مجاہدین نے پانچ دن تک امریکی و پاکستانی فوج کے آپریشن کا مقابلہ کیا (تحریکِ طالبان پاکستان کے اعلامیے کے مطابق مقامی ذرائع نے کہا کہ اس آپریشن کے دوران امریکی ڈرون بنوں کی فضا پر منڈلا رہے تھے) اور بالآخر اپنے رب سے کیا وعدہ کہ 'ہم موت پر بیعت کرتے ہیں اور ہم استشہادی مجاہدین ہیں' وفا کیا اور جامِ شہادت نوش کر گئے۔ یہ کارروائی ۱۸ دسمبر ۲۰۲۲ء کو شروع کی گئی اور ۲۳ دسمبر ۲۰۲۲ء کی صبح تک جاری رہی۔ اللہ تعالیٰ ان مجاہدین کی شہادتیں قبول فرمائیں اور پاکستان سمیت پورے برِّ صغیر میں اسلام کا بول بالا فرمائیں، آمین!

☆☆☆☆☆

اسلام تیرا دیس ہے، تُو مصطفوی ہے!

(مسلمانانِ ہند کی خدمت میں محبت واخوت کا پیغام)

استاد اسامہ محمود

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم

برصغیر اور بالخصوص ہندوستان کے میرے عزیز مسلمان بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ہماری یہ گزارشات ہندوستان کے مسلمان بھائیوں کے نام ہیں۔ علماءِ کرام، داعیانِ دین، اصحابِ فکر، نوجوانانِ اسلام اور ہندوستان کے وہ سب اہلِ دل ہمارے مخاطب ہیں جو یہاں مسلمانوں کی حالتِ زار پر دردمند اور ان کے مستقبل کے حوالہ سے فکرمند ہیں، پھر محمدِ عربی ﷺ کے خاص وہ غلام ہمارے مخاطب ہیں جن کے چہرے نورِ ایمان سے روشن ہیں، شرک وظلم کے اندھیروں سے جو دبنے اور ڈرنے والے نہیں، اور جو کفر والحاد کے طوفانوں کا مقابلہ کرنے اور اسلام دشمن سیلابوں کا رُخ اسلام ہی کے حق میں پھیرنے کا عزم رکھتے ہیں۔

عزیز بھائیو...... تقسیم ہند سے لے کر آج تک...... اس پورے عرصہ میں، ارضِ ہند پر مسلمانوں اور اسلام کے ساتھ کیے گئے ایک ایک ظلم پر آپ نگاہ ڈالیے...... احمد آباد و گجرات کے فسادات، بابری مسجد کی شہادت، اس کی جگہ پر آج رام مندر کی تعمیر کا یہ سرکاری اعلان، گھر واپسی کی ارتدادی مہم اور پھر شہریت کے قانون میں یہ مخصوص ترمیم...... یہ سب واقعات تو محض چند جھلکیاں ہیں، جبکہ مظالم کی یہ روداد بہت طویل ہے اور آپ سے بہتر اس کی تاریخ کون جانتا ہے؟! ہندوستان کے طول وعرض میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پکنے والی نفرت وعداوت آپ کے سامنے ہے اور جن کے پاس قوت واختیار ہے، ان کے اسلام دشمن منصوبے بھی آپ دیکھ ہی رہے ہیں...... عزیز بھائیو! یہ سب احوال کیا ہمارے لیے کوئی پیغام نہیں رکھتے؟ کیا یہ دھواں کسی جلتی آگ کا پتہ نہیں دیتا؟ یہ واقعات ہمیں خبردار کر رہے ہیں کہ وہ موڑ کسی بھی وقت آنے والا ہے جو اصل میں ایک خطرناک کھائی کا نام ہے، ایسی کھائی کہ اگر تیاری کی جو موجودہ کیفیت ہے، اس کے ساتھ ہمیں اس میں دھکیلا گیا تو اس سے بچ کر نکلنا بالکل ناممکن ہوگا...... سچ یہ ہے ہندوستان کے میرے عزیز بھائیو! ہم مانیں یا نہ مانیں، تیاری کریں یا نہ کریں، یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ ارضِ ہند میں ایک انتہائی بھیانک طوفان ہماری طرف بڑھ رہا ہے، ایسا بے رحم طوفان آگے بڑھ رہا ہے کہ جس کے تصور سے بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اگر اس طوفان سے مقابلے کے لیے تیاری میں مزید تاخیر ہوئی تو اللہ نہ کرے کہ ہندوستان کی زمین بھی اس اندوہناک قیامت کا نظارہ پیش کرے جس سے ابھی چند سال پہلے برما میں ہمارے مسلمان بھائی گزر چکے ہیں، وہ نظارہ کہ جس کے سوچنے سے بھی ہر صاحبِ ایمان کی روح تڑپ جاتی ہے۔

عزیز مسلمان بھائیو!

آپ ہی بتائیے...... کیا کسی کو شک ہے کہ ہندوستان کی زمین ہم پر تنگ کرنے اور ہمارا خون بہانے کی یہاں ملک بھر میں تیاری ہو رہی ہے؟! ہندو دہشت گرد تنظیمیں اسٹیبلشمنٹ کی سرپرستی...... اور عالمی طاقتوں کے تعاون سے، پورے ہندوستان میں پھیل رہی ہیں، عسکری ٹریننگ حاصل کر رہی ہیں۔ فوج، پولیس اور سب حکومتی اداروں پر ان دہشت گردوں کا قبضہ مستحکم ہوتا جا رہا ہے...... ان کا نعرہ، نظریہ اور منصوبہ ہی یہ ہے کہ 'ہندو بن جاؤ یا ہندوستان چھوڑ دو'! وہ برما میں مسلمانوں پر ڈھائے گئے مظالم کی علی الاعلان تائید کرتے ہیں اور بغیر کسی خوف وخطر کے ہندو غنڈوں کو برما میں ڈھایا گیا ظلم بطور رول ماڈل بتاتے ہیں۔ ایک دو سیاسی جماعتیں مسلمانوں کی ہمدرد بن کر رواداری کا راگ بھی الاپ رہی ہیں، مگر کون نہیں جانتا کہ 'رواداری' اور مسلمانوں کے ساتھ 'ہمدردی' کی یہ نمائش کرسیٔ اقتدار تک پہنچنے کا محض وسیلہ ہے، یہ واقعی 'امن پسند' ہیں، اتنے کہ کل مسلمانوں پر اگر خدانخواستہ کڑا وقت آگیا تو یہ گھروں کے دروازے تو بند کرلیں گے، کانوں میں انگلیاں تو یہ ٹھونس لیں گے مگر مسلمانوں کی چیخ وپکار پر کوئی ایک بھی باہر نہیں نکلے گا۔ ایک مسلمان کی خاطر کسی ہندو غنڈے کے ساتھ یہ بھڑ جائیں، ناممکن ہے۔ لہٰذا ظالم بھیڑیوں اور ہندو درندوں سے حفاظت اگر مطلوب ہے تو اس کے لیے کسی اور کو نہیں خود مسلمان ہی کو کھڑا ہونا ہوگا۔

میرے عزیز بھائیو!

طوفانوں کا مقابلہ تو تب ہی ہوسکتا ہے کہ جب آنکھیں کھلی اور خطرات کی حقیقت تسلیم کی جاتی ہو، لیکن سامنے کھڑے خطرات کے وجود اور طوفانوں کی آمد سے ہی اگر انکار کیا جائے تو ایسے میں سب سے بڑی دشمن پھر اپنی یہ خود فریبی ہی ہوتی ہے۔ ہمیں دُکھ ہے کہ بعض حلقے مطمئن بیٹھ کر ہندوستان میں مسلمانوں کے قدموں کے نیچے دہکتے اس آتش فشاں کے وجود سے ہی انکاری ہیں۔ وہ مسلمانوں کو باور کراتے ہیں کہ ملکی حالات کا یہ سیلاب جس سمت بھی ہمیں لے جائے، بغیر کسی مزاحمت کے اس کی رو میں ہمیں بہنا چاہیے، ان حلقوں کو خدشات ہیں اور نہ ہی اس قسم کے خدشات کو ذہنوں میں جگہ دینے کے یہ حق میں ہیں، نظر آنے والے خطرات پر سوچنے اور بولنے کو یہ تنگ نظری کہتے ہیں، طوفان سے پہلے اس کی تیاری کو ردِ عمل کی سوچ کہتے ہیں، طفل تسلیاں ہیں جو دی جارہی ہیں، کہتے ہیں 'سینکڑوں سال سے ہم مسلم وہندو ساتھ رہے، مسلمانوں کو یہاں کوئی خطرہ نہیں'...... یہ کہہ کر یہ بھول جاتے ہیں کہ اگر سینکڑوں سال ہم یہاں ساتھ رہے ہیں تو کمزور بن کر کبھی نہیں رہے، ہندوؤں کے رحم وکرم، ان کی کسی

’وسعت نظری‘ اور کسی نام نہاد ’رواداری‘ کے سہارے بھی ہم نہیں رہے، ہم یہاں فاتح بن کر آئے تھے اور فاتح رہ کر اپنی ایمانی قوت، کردار اور زورِ بازو کے بل پر رہے۔ ہماری ایمانی غیرت اور دفاعی قوت ہی تھی کہ جس کے سبب خود بھی یہاں عزت کے ساتھ جیے اور دوسروں کو بھی عدل وامن سے ہم نے نوازا۔ لیکن انگریز کے آنے اور تقسیم ہند کے بعد ہم وہ نہیں رہے، حاکم محکوم بن گئے اور طاقت ضعف میں تبدیل ہوئی۔ مگر کیا اب وہ کم سے کم قوت بھی ہمارے پاس موجود ہے کہ جو کسی ظالم ہاتھ کو ہماری طرف بڑھنے سے باز رکھے؟ قطعاً نہیں، یقیناً اس کم سے کم قوت سے بھی آج ہم محروم ہیں، اور اس کے باوجود کہا جاتا ہے کہ ’ہم اقلیت نہیں، دوسری بڑی اکثریت ہیں اور ہمیں ہمارے حق سے کوئی محروم نہیں کر سکتا‘۔۔۔۔۔عزیز بھائیو! اس دنیا میں محض حق پر ہونے اور استحقاق کی بنیاد پر ہی کیا حق دار کو حق ملا کرتا ہے؟ ایسا ہوتا تو کیا ہی بات ہوتی، پھر برما، مشرقی ترکستان اور چیچنیا سے لے کر فلسطین و شام تک کے مسلمانوں کو کبھی اپنی زمینیں نہ چھوڑنی پڑتیں، کشمیری مسلمانوں کو زمین سے ایسا کبھی نہ لگایا جاتا اور ان کا خون یوں بے دردی کے ساتھ کبھی نہ بہایا جاتا، احمد آباد سے مظفر نگر تک مسلم کُش فسادات نہ ہوئے ہوتے، بابری مسجد آج بھی اپنی شان کے ساتھ یہاں کھڑی رہتی اور اس کے میناروں سے اذانیں سنائی دیتیں۔۔۔۔۔ہندوستان پر مسلمانوں کا حق یقیناً ہے مگر کیا یہ حق منت سماجت کر کے کبھی لیا جا سکتا ہے؟ کیا سنگ دل دشمن کی خوشامد کر کے اس کا دل موم کیا جا سکتا ہے؟ بھیڑیے کے سامنے رحم کی اپیلیں کر کے اس سے جان بخشی کبھی ہو سکتی ہے؟ حق لینے کے لیے اپنے اندر حق چھیننے کی قوت پیدا کرنی ہوتی ہے اور ظلم روکنے کے لیے ظالم کے سامنے کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ یہاں سسک سسک کر زندگی نہیں ملا کرتی ہے، بلکہ موت ہی زندگی کی حفاظت کیا کرتی ہے۔

عزیز بھائیو!

ہمیں یاد رکھنا چاہیے، کہ مسلمان اور ہندو، اسلام اور شرک ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اسلام انسانوں کے رب کی طرف سے دیا ہوا عظیم نور ہے، جبکہ شرک اندھیرا اور نری جاہلیت ہے۔ یہ انتہائی قاتل خود فریبی ہوگی اگر ہم نے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ کر ’ہندو مسلم بھائی بھائی‘ کے سفید جھوٹ اور ’مذہبی رواداری‘ نامی دام فریب پر اعتبار کیا۔ ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنی ہوگی کہ مشرک ہندو کبھی بھی مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے ہیں۔ اللہ کی کتاب بتاتی ہے کہ یہود کے بعد مسلمانوں کے بدترین دشمن یہی مشرکین ہیں۔ فرماتے ہیں: لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ ”مؤمنین کے لیے دشمنی میں سب لوگوں سے زیادہ تم یہود کو پاؤ گے“۔ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا۔۔۔۔۔”اور وہ جو شرک کرتے ہیں“۔

اللہ کی کتاب ہم مسلمانوں کو سمجھاتی ہے کہ ان مشرکین کی چکنی چپڑی باتوں میں کبھی نہیں آنا۔۔۔۔۔’بغل میں چھری منہ میں رام رام‘ ان مجرمین کا قدیم طریقہ ہے، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ اگر مسلمان نہتے ہوں، اپنا دفاع خود ان کے اپنے ہاتھوں میں نہ ہو، تو مشرکین سے بدتر کوئی دشمن نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں: كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ ”یہ مشرکین صلح پر کیسے قائم ہو سکتے ہیں؟ اگر یہ تم پر قابو پائیں“۔۔۔۔۔لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ”تو نہ یہ تمہاری قرابت داری و ہمسائیگی کا خیال رکھتے ہیں اور نہ ہی اپنے کیے ہوئے وعدوں کو ایفا کرتے ہیں“ يُرْضُونَكُم بِأَفْوَاهِهِمْ ”صرف منہ کی باتوں سے تمہیں راضی کرتے ہیں“، (یعنی یہ صرف زبانی جمع خرچ کرتے ہیں، جب یہ مجبور ہوں، ان کی کوئی ضرورت ہو تو کہتے ہیں ہندوستان میں کوئی مذہبی تقسیم نہیں ہے، سب دھرم والے یہاں برابر شہری ہیں: يُرْضُونَكُم بِأَفْوَاهِهِمْ مگر حقیقت میں) وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ جبکہ دل میں ایسا نہیں ہوتا ”دل ان کے نہیں مانتے ہیں“ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ”اور اکثر ان میں بدعہد ہیں“، جب انہیں قوت و اختیار ملتا ہے، مسلمانوں کو جب نہتا اور کمزور پاتے ہیں تو پھر کسی عہد وپیمان اور میثاق و آئین کا خیال نہیں رکھتے ہیں۔

عزیز بھائیو! اہم ترین نکتہ جس کا نظروں میں رہنا بہت ضروری ہے وہ یہ کہ، ہم تحریک اٹھائیں نہ اٹھائیں، باطل ہمارے خلاف تحریک ضرور اٹھاتا ہے، وہ کبھی نہیں رکتا، وہ ہماری اپنے دین سے وابستگی برداشت کرے، یہ ناممکن ہے۔ شعیب علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ مکالمہ پڑھیے، یہ مکالمہ آج کے مشرکین کی فطرت سمجھنے کے لیے بھی کافی ہے۔ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کیا[1]: وَإِن كَانَ طَائِفَةٌ مِّنكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ ”اگر تم میں سے ایک گروہ اُس دین پر ایمان لایا ہے جو میں لایا ہوں“ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا ”اور دوسرا گروہ، ایمان نہیں لایا تو“۔۔۔۔۔فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا ”صبر سے کام لو، یہاں تک کہ اللہ ہمارے بیچ فیصلہ فرمائے،“ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ”اور اللہ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں“۔۔۔۔۔علماء کرام نے یہاں وضاحت کی ہے کہ شعیب علیہ السلام نے ان کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھایا تھا، دھمکی نہیں دی تھی، آپ نے الٹا جنگ ولڑائی سے منع کیا، کہا کوئی کسی کے خلاف کچھ نہ کرے، اللہ کیا فیصلہ فرماتا ہے؟ حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں؟ بس اس کا انتظار کریں۔ ایسے میں جو قوت و اختیار والا طبقہ تھا، اس نے شعیب علیہ السلام کو کہا، قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ ”قوم کے متکبر سردار بولے“ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا ”اے شعیب تمہیں اور جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں، تم سب کو ہم یہاں سے نکال باہر کر دیں گے“ أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ”(تمہارے پاس بس ایک ہی راستہ ہے)“ یا تم واپس ہماری ملت میں پلٹ جاؤ (واپس نعوذ باللہ مشرک بن جاؤ!)“۔۔۔۔۔یہ دھمکی ہے

---

[1] وَإِن كَانَ طَائِفَةٌ مِّنكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ○ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ○ (سورۃ الاعراف 87-88)

جو شرک وکفر کے علمبردار ہمیشہ اہلِ ایمان کو دیتے ہیں، 'تبادلۂ خیال' اور 'بقائے باہمی' کا ڈھنڈورا پیٹنے والے آج بھی جب مسلمانوں کو کمزور پاتے ہیں ، تو لہجے بدل جاتے ہیں اور 'رواداری' اور 'قانون کی حکمرانی' جیسے دعوؤں کا نقاب جلد ہی چہروں سے اتر جاتا ہے۔

بتائیے میرے بھائیو! برما کے مسلمانوں نے کس کو تکلیف دی تھی؟ انہوں نے کس کے خلاف ہتھیار اٹھایا تھا؟ کب انہوں نے انتہا پسندی اور 'دہشت گردی' کی دعوت دی تھی؟ انہوں نے تو لاٹھی تک بھی نہیں اٹھائی تھی۔ وہ تو مکمل طور پر نہتے، مسکین اور ضعیف تھے، وہ انسانیت اور ہم وطن ہونے کے واسطے دے کر امن کی بھیک اور جینے کا حق مانگتے تھے، کیا انہیں معاف کیا گیا؟ ان کی جان بخشی ہوئی؟ نہیں، ان کا قتلِ عام ہوا، لاکھوں کی تعداد میں انہیں سمندر میں دھکیلا گیا۔ درندوں میں بھی ترس اور رحم نامی صفات موجود ہوں گی مگر برما کی زمین پر مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس قدر بے رحمی کے ساتھ ہوا کہ جنگل کے درندے بھی اس پر دردمند ہوں گے، اور یہ سب مظالم آج کے میڈیا والے دور میں ہوئے، سب کچھ عالمی طاقتوں کی نظروں میں ہوا۔ چوری چھپے ، یا خاموشی کے ساتھ نہیں ، ڈنکے کی چوٹ پر......کیمروں کے سامنے......لاٹھیاں، خنجر اور آگ وپٹرول لے کر مشرک بدھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ فوج و پولیس ان غنڈوں کی محافظ اور معاون تھی...... پھر بے دردی اور نت نئے طریقوں سے......اذیتیں دے دے کر انہیں مارا گیا...... بچوں کو والدین کے سامنے آگ میں ڈالا گیا، زندہ انسانوں تک کے ہاتھ، پاؤں اور کان کاٹے گئے، بیچ چوراہوں میں مسلمان خواتین کے ساتھ زیادتیاں کی گئیں اور پھر پٹرول چھڑک کر انہیں آگ لگادی گئی......ایک واقعہ نہیں، بے شمار واقعات اور لاتعداد ویڈیوز ہیں، بستیوں کی بستیاں چند دنوں کے اندر راکھ میں تبدیل ہوگئیں، اور لاکھوں بہنیں ہیں جو آج بھی بے گھر و دربدر، کیمپوں میں پناہ لیے اپنے اوپر گزرے ان مظالم کی داستان سنا رہی ہیں۔

عزیز بھائیو!

اسلام 'لا الٰہ' کا اعلان کرکے دیگر تمام معبودوں اور تمام ادیان کا انکار کرتا ہے جبکہ 'الّا اللّٰہ اور محمد رسول اللّٰہ' کہہ کر صرف اسلام ہی کے حق پر ہونے اور زمین میں اس کے غالب رہنے کے استحقاق کا اقرار واعلان کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام تمام انسانوں کو آزاد کرنے اور انہیں اللّٰہ کی بندگی میں لانے کا پیغام ہے۔ اللّٰہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مسلمان کی ذمہ داری ہی یہ لگائی ہے کہ وہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر خالق السماوات والارض، اللّٰہ کی بندگی میں داخل کردے اور تمام ادیان کے جور وستم سے انہیں نجات دلا کر اسلام ہی کی رحمت میں انہیں داخل کردے۔ یہ مسلمان کی ذمہ داری تھی، یہ اس کا فرض تھا کہ وہ دنیا پر ظلم وکفر کے خلاف تحریک بپا کرے، انسانیت اور اس کے رب کے بیچ رکاوٹوں کو ڈھادے اور زمین پر زمین کے رب اللّٰہ کے دین کو حاکم وغالب کردے۔ اگر تو مسلمان اس فرض پر لبیک کہے، اس کی ادائیگی میں اپنی جان اور سب مال ومتاع کھپادے، تو اس کی زندگی کا مقصد پورا ہوجاتا ہے، اس کو دنیا میں بھی اللّٰہ عزت دیتا ہے اور آخرت میں بھی ہمیشہ کی کامیابی سے اسے نوازتا ہے، اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے اِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا "نکلو ہلکے ہو یا بوجھل" وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ "اور اللّٰہ کے راستے میں جان ومال سے جہاد کرو" ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ "یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو"۔ لیکن اگر مسلمان کے اردگرد ظلم وکفر کا تو بازار گرم ہو، زندگی کے تمام تر رستوں پر تو باطل کا قبضہ اور حکمرانی ہو اور وہ اس سب کے باوجود بھی چین وآرام سے بیٹھا، اللّٰہ کی پکار پر لبیک نہیں کہتا ہو، اس کے باوجود بھی اللّٰہ کے نور کو لے کر اندھیروں کو بھگانے نہیں نکلتا ہو ... ...بلکہ دنیا کی چار دن کی زندگی کا وہ اسیر بن جاتا ہو، عافیت، راحت اور دنیا کی نام نہاد ترقی وخوشحالی کو وہ عزیز تر رکھتا ہو، تو اللّٰہ رب العزت اسے خبردار کرتا ہے، کہ إِلَّا تَنْفِرُوا "اگر تم (جہاد کے لیے) نہیں نکلتے"......يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا "تمہیں اللّٰہ دردناک عذاب دے دے گا"...... وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ "اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا" وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا "اور تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے" وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ "اور اللّٰہ ہر چیز پر قادر ہے"...... عزیز بھائیو! آج ہماری جو حالتِ زار ہے، یہ اپنا یہ فرض پورا نہ کرنے کا نتیجہ ہے، جو دین غالب ہونے آیا ہے، وہی آج برصغیر میں مغلوب ہے، اور جو دوسروں کو آزادی دینے آیا تھا، آج خود اس کے ماننے والے غلام ہیں۔ اگر یہ دین غالب ہوتا، شریعت مطہرہ یہاں حاکم ہوتی، برصغیر کی اس سرزمین پر اسلام کا قلعہ اگر کہیں بھی واقعی موجود ہوتا، تو ہندوستان کیا برصغیر بھر میں مسلمانوں کی یہ حالت نہ ہوتی، مسلمان تو مسلمان کسی غیر مسلم پر بھی ظلم نہ ہو رہا ہوتا، یہاں کی زمین بھی خوش ہوتی اور آسمان بھی رحیم ہوتا، اسلام کے فیوض وبرکات کو سب سمیٹ رہے ہوتے اور یہاں کے تمام انصاف پسند انسان اسلام ہی کے آغوش میں اپنی نجات پاکر اس کی طرف لپک رہے ہوتے۔ مگر افسوس کہ یہ فرض ادا نہیں ہوا، ۱۹۴۷ء میں ہندوستان تقسیم ہوا، ایک ملک اسلام کے نام پر بھی بنا، مگر وہاں سب سے بڑا دھوکہ اسلام ہی کے ساتھ ہوا۔ آج وہاں اسلام اور اسلام چاہنے والوں پر بدترین مظالم ہو رہے ہیں، وہاں کی فوج وحکمران اسلام دشمن جنگ کا ہراول دستہ ہیں... پھر یہاں جنہوں نے کفر والحاد کے سامنے بند باندھ کر غلبۂ دین کی تحریک چلانی تھی، افسوس کہ انہوں نے جمہوریت کی قربان گاہ پر اپنی اسلامیت ہی قربان کردی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان میں اصحابِ اقتدار کا مقصد اسلام کی خدمت نہیں، بلکہ اپنے مفادات کا حصول رہا، یوں غلبۂ اسلام اور مظلوم انسانوں کی نصرت کے وہ سب خواب دھرے کے دھرے رہ گئے۔ آج پاکستان کی صورتِ حال پر شیخ احسن عزیز شہید رحمہ اللّٰہ کے یہ اشعار بہت صادق آتے ہیں جو انہوں نے ہندوستان کے مسلمان بھائیوں کو مخاطب کرکے لکھے تھے:

ہم سے بچھڑے جو... تم
"اقلیت" رہ گئے!
یوں اکیلے ہی پھر

اتنے غم سہہ گئے!

اور ہم!!!

خواب لے کر کے آئے تھے

کل جو یہاں!

سَیلِ اِلحاد وعصیاں کے طوفان میں

کب کے..... وہ بہہ گئے!

بے سُدھ و دَم بخود

ہم جہاں سے چلے تھے

وہیں رہ گئے!

تقسیم ہند کے وقت جہاں سے ہم چلے وہیں رہ گئے، وہیں نہ رہتے تو آج پورے برصغیر کی تقدیر مختلف ہوتی۔ دوسری طرف بھارت میں بھی غلبۂ دین اور دعوتِ دین کی تحریک، افسوس ہے کہ چند قدم بھی نہیں چل سکی، حالانکہ یہی وہ تحریک تھی جو یہاں کے مسلمانوں کو حفاظت و تقویت دے سکتی تھی۔ یہی وہ تحریک تھی جو اپنے تو اپنے پرایوں کی بھی تقدیر بدل سکتی تھی، یقیناً مشکلات یہاں کم نہیں تھیں اور جس نے ان حالات میں دین کی جو بھی خدمت کی ہے، اللہ انہیں اجر عظیم دے، لیکن مجموعی طور پر یہاں بھی وہ کچھ نہیں ہوا، جو ہونا چاہیے تھا، ضروری تھا کہ مسلمانوں کو مثالی مسلمان بننے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی دعوت دی جاتی، اپنی حفاظت و دفاع کے لیے انہیں تیار کیا جاتا، ان میں وطن پرستی کی جگہ 'خدا پرستی'، لادینیت کی جگہ للٰہیت اور 'اتباعِ شریعت' کی ایسی روح پھونک دی جاتی، کہ وہ دعوت و کردار کا ہتھیار لے کر غیروں کے سامنے بھی اسلام کی عظمت کا عملی نمونہ بن جاتے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہم نے یہاں 'جمہوریت' اور 'سیکولرازم' کے نعروں کا تو ساتھ دیا مگر اسلام اور ہماری حالت زار بتا رہی ہے کہ رخ بہ منزل سفر میں چند قدم بھی ہم آگے نہیں اٹھا سکیں۔

ہندوستان کے میرے عزیز مسلمان بھائیو!

ہمیں یقین ہے کہ ارضِ ہند بلکہ پورے برصغیر میں اسلام غالب ہو کر رہے گا۔ شاہ عبد العزیز دہلوی، سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید رحمہم اللہ نے جو خواب آنکھوں میں سجائے تھے، اُن کی تعبیر کا وقت ابھی زیادہ دور نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مبارک احادیث ہمیں یقین دلاتی ہیں کہ یہاں کفر و ظلم کا یہ راج ہمیشہ نہیں رہے گا، وہ دن ضرور آئے گا جب شرک و ظلم کے یہ اندھیرے سب چھٹ جائیں گے۔ پس اے محمد بن قاسم اور محمود غزنوی کی روحانی اولاد! پریشان نہ ہو، دل برداشتہ اور مایوس نہ ہوں..... یہ اٹل حقیقت ہے کہ فتح و نصرت اللہ اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ "اور مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے" إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ "بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے"، آزمائش ہماری ہے کہ ہم ان اندھیروں کے ساتھ مصالحت کرتے ہیں یا اسلام کا نور لے کر ان کے خلاف صف آرا ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم نے عزم و ہمت کے ساتھ نصرتِ دین کا شرعی راستہ چنا اور نصرتِ دین ہی کے مقصد کو اول و اہم رکھ کر میدانِ عمل میں اترے، تو یقین جانیے، فتح ہمارے قدم چھوے گی۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ "اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے" إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ "بیشک اللہ زبردست غالب ہے" پس جذبے ٹھنڈے نہ ہو، عزم قوی رکھیے، عمل کرنے اور آگے بڑھنے کا وقت ہے، ہم مؤمن ہوئے، صبر و استقامت کا دامن ہم سے نہیں چھوٹا..... تو ہم بہر حال کامیاب ہیں۔ اقلیت و اکثریت کے بکھیڑے سب بیکار ہو جائیں گے اور باطل کا یہ شور و غوغا سارا ہوا میں تحلیل ہو جائے گا۔ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ (ایسا بہت ہوا ہے کہ چھوٹی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آئی ہے) وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ، اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔ اللہ ہمیں اس آیت کا مصداق بنائے اور اہل ہند کو جس مبارک گروہ نے اندھیروں سے نجات دلانا ہے، اللہ ہمیں اس میں شامل فرمائے، آمین۔

عزیز بھائیو اور محترم بزرگو!

وہ کیا امور ہیں کہ جو اسلامیان ہند کو خصوصی طور پر اپنے سامنے رکھنے چاہیے اور کیا عملی اقدامات ہیں کہ جن کو اٹھا کر ہم بے رحم طوفانوں سے اپنی حفاظت کر سکتے ہیں؟ اللہ ہماری رہنمائی فرمائے اور توفیق و مدد سے نوازے، اس سے متعلق نکات کی صورت میں چند گزارشات ہیں جو آپ کی خدمت میں رکھ رہے ہیں۔

1. پہلا نکتہ، اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف بحیثیت مجموعی رجوع ہو، اللہ ہمارا خالق و مالک ہے، وہی ہمارا معبود اور حاکم ہے، لہٰذا اللہ کی عظمت کے مقابل کسی مخلوق کی عظمت ہم قبول نہ کریں۔ اُس رب عظیم کے مقابل کسی عدالت، کسی ریاست، عوام یا خواص کے کسی حکم و فیصلے کی تقدیس ہم نہ کریں۔ وطنیت اور جمہوریت، یہ سب عصر حاضر کے تراشیدہ بت ہیں، ان سب کا انکار جبکہ صرف للٰہیت اور اسلامیت کا ہم اقرار کریں۔

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تُو مصطفوی ہے

صرف اللہ کے سامنے ہم جھکیں، اللہ کے احکامات کی پیروی کریں اور اللہ کے احکامات کے مقابل کسی کے اصول و احکامات کو ہم خاطر میں نہ لائیں۔ یہی 'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' کا تقاضہ ہے۔

2. دوسرا، 'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' کی یہ دعوت ہم عام کریں، اس کلمے کا معنیٰ و مفہوم، فرائض اور تقاضے خود بھی ہم سمجھیں اور دوسروں کو بھی سمجھائیں، یہ کلمہ تمام معبودوں

اور بادشاہوں سے انکار جبکہ صرف ایک اللہ کی عبادت اور اطاعت کا اعلان ہے۔ یہ دعوت ہم اپنوں کے سامنے بھی رکھیں اور پرایوں کے سامنے بھی۔ سب کو ہم سمجھائیں کہ ہماری دنیا و آخرت کی تمام تر بھلائیاں بس اس کلمہ کو ماننے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے میں ہیں۔ ہمارے اخلاق و کردار، معاشرت و معاملات، دعوت و خدمت خلق، دوستی و دشمنی کا ڈھنگ سب شریعت کے مطابق اور کلمۂ توحید کی عملی تصدیق کرنے والے ہوں۔ اسلام و شریعت پر عمل اور اس کی دعوت کے سبب اگر مشاکل و محرومی کا سامنا ہو، تو سامنا کیا جائے اور اگر اس کی خاطر سب کچھ کی قربانی بھی دینی پڑے اس سے دریغ نہ ہو۔ ہماری دعوت و تحریک اور فکر و سعی شرعی اصولوں کے گرد ہو، نہ کہ قومی و شخصی مفادات کے گرد۔ ہمیں یقین ہونا چاہیے کہ اس طرزِ فکر و عمل کا فائدہ اسلام کو بھی ہو گا اور بطورِ قوم ہم مسلمانوں کو بھی، لیکن قومی فوائد کے نام پر اگر احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی ہم کریں، تو ہمیں سمجھنا چاہیے کہ یہ ہماری قوم کے لیے بھی کبھی کوئی برگ و بار نہیں لائے گی۔

3. تیسرا، ہندوستان میں جو ہمیں کچھ نہ کہے، یعنی ہمارے اوپر جو ہاتھ نہ اٹھائے، ہم بھی اسے کچھ نہ کہیں اور ہم بھی اس کے لیے مکمل طور پر امن کے پیغامبر ہوں، لیکن اگر کوئی ہمیں، ہمارے بچوں، ماؤں اور بہنوں کو مارنے آئے، کیا اس کے سامنے بھی ہم پر امن ہوں؟ نہیں، قطعاً نہیں... تمام علماء وفقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ عدوِ صائل، حملہ ور دشمن کو روکنا اور اپنے دین و دنیا کو اس کے فساد سے محفوظ کرنا نماز کے بعد اہم ترین فرض ہے۔ ہندو کی فطرت ہے کہ یہ کمزور کو مارتا اور پسے ہوئے کو مزید پیتا ہے جبکہ طاقت ور کو دیوتا بنا کر اس کی پوجا کرتا ہے۔ برما میں قتل عام صرف وہاں ہی ہوا جہاں مزاحمت نہیں ہوئی، مگر جہاں مزاحمت ہوئی، محض لاٹھی اور پتھروں سے بھی جہاں دفاع ہوا، وہاں دشمن بھاگنے پر مجبور ہوا۔ پھر عزیز بھائیو! اعداد و تیاری چونکہ خود ایک مستقل فرض ہے۔ اس لیے علماء کرام اور داعیانِ دین کی خدمت میں ہم درخواست کرتے ہیں کہ اس کی بھرپور ترغیب دیں اور اس کے لیے باقاعدہ ابھی سے صف بندی کریں۔ دلوں میں شہادت کا جذبہ پیدا کیا جائے، ظاہر ہے شہادت سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں اور اپنے دین و ایمان، اہل و عیال اور مسلمانوں کے دفاع میں جان دینا افضل شہادت ہے۔

4. چوتھا، دنیا بھر میں الحمدللہ جگہ جگہ میادینِ جہاد گرم ہیں، یہاں غلبۂ دین اور مظلوموں کی نصرت کے لیے مجاہدینِ اسلام برسرِ پیکار ہیں، دفاعِ امت کے اس ہراول دستے، ان ابطالِ اسلام سے آپ لاتعلق مت رہیے۔ ضروری ہے کہ ان میدانوں میں آپ بھی شریک ہوں اور تحریکِ جہاد کی نصرت و تائید میں آپ کا بھی بھرپور حصہ ہو۔ آپ کا قریب ترین میدان، جہادِ کشمیر ہے، اس جہاد میں آپ جان و مال سے شریک ہوں۔ تحریکِ جہاد میں آپ کی یہ شمولیت اور کسی بھی سطح پر آپ کی شرکت ہندوستان بھر میں اسلام اور مسلمانوں کی تقویت کا ان شاء اللہ سبب بنے گی۔

5. پانچواں اور آخری نکتہ یہ ہے کہ مذکورہ نکات پر زیادہ سے زیادہ اتفاق و اتحاد پیدا کریں اور ان تمام امور کو مکمل نظم و ضبط کے ساتھ انجام دینے کی کوشش کیجیے۔

اللہ سے دعا ہے کہ مسلمانانِ ہند کو وہ عزت، قوت اور شوکت سے نوازے... یا اللہ، ہندوستان میں ہمارے بھائیوں کے دین و آبرو، جان و مال اور اہل و عیال کی حفاظت کیجیے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم برصغیر میں غلبۂ اسلام کی تحریک میں اپنا سب کچھ لگائیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں وہ دن دکھائے جب پاکستان و ہندوستان اور پورے برصغیر میں اللہ کی رحمانی شریعت کا راج ہو اور ظلم و کفر کے جھنڈے سب سرنگوں ہو، آمین یارب العالمین۔

وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ. وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

☆☆☆☆☆

سواری فوج کی ہے!

سواروں پر سواری فوج کی ہے
زمیں ساری کی ساری فوج کی ہے
بنا دے تخت کو تختی کہ تختہ
عجب موجز نگاری فوج کی ہے
میں ایسے کھیل کے میدان میں ہوں
جہاں ہر ایک باری فوج کی ہے
ابھی آدھا بدن قربان کر کے
نظر میں نے اُتاری فوج کی ہے
یہ ممکن ہے تمہیں بھی روند ڈالے
ہٹو بچو! سواری فوج کی ہے

(امداد آفاقی)

روہنگیا کا جہاد

ڈاکٹر طلحہ عبدالکریم

۲۰۰۷: جمہوری اقتدار

۲۰۰۷ میں مہنگائی کے نتیجے میں بدھ راہبوں نے احتجاجات شروع کیے جو کہ زعفرانی انقلاب سے مشہور ہوئے۔ انہیں بھی زبردستی کچل دیا گیا۔ اگست ۲۰۰۹ میں نسلی فسادات شروع ہوئے جس کے نتیجے میں فوج چینی نسلی اقلیتوں کے ساتھ لڑتی رہی اور ۱۰ ہزار برمی شہری چین ہجرت کر گئے۔ ۲۰۱۰ میں عام انتخابات ہوئے جس میں فوجی حمایت یافتہ پارٹی نے اکثریت حاصل کی۔ ۲۰۱۱ میں فوجی اقتدار کا خاتمہ ہوا۔

۲۰۱۲: فسادات اور اندرون ملک پناہ گزین

برما کی فوجی حکومت نصف صدی سے برمی قومیت کو بدھ مت سے جوڑتی آئی ہے تاکہ اپنے اقتدار کو مستحکم کر سکے۔ اس لیے روہنگیا اور دیگر اقلیتی نسلوں کے خلاف امتیازات برتتی رہی ہے۔ برما کی حکومت بدھ راہبوں کو بھی تحریض دلاتی رہے کہ وہ ان نسلی اقلیتوں کے خلاف فسادات کریں خصوصاً جب ۲۰۱۱ میں فوجی اقتدار ختم ہوا اور فوج کو محسوس ہوا کہ اسے عوام میں اپنی اہمیت اجاگر کرنی چاہیے۔ چنانچہ ۲۰۱۲ میں شمالی اراکان کے روہنگیا اکثریت اور جنوبی اراکان کے راکھینی بدھ اکثریت کے درمیان فسادات برپا ہوئے۔ ان فسادات سے پہلے بدھوں میں افواہیں پھیلائی گئیں کہ وہ اپنی ہی سرزمین میں اقلیت بن جائیں گے۔ غیر مصدقہ ذرائع کے مطابق آغاز راکھینی خاتون کے ساتھ روہنگیا کی طرف سے اجتماعی زیادتی اور اس کے بعد بدھوں کی طرف سے دس مسلمانوں کے قتل سے ہوا۔ فسادات کے دوران بہت سے راکھینی عوام کے بقول انہیں حکومت کی طرف سے کہا گیا تھا کہ وہ اپنی نسل اور دین کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور انہیں سائٹوے میں چاقو، خوراک اور سواری فراہم کی گئی تاکہ وہ شمالی اراکان جا کر روہنگیا پر حملے کریں۔ اتنے بڑے فسادات اور حقائق منظر عام پر آنے کے باوجود آج تک برمی حکومت نے اس غارت گری میں کسی کا تعاقب نہیں کیا۔ کافی بدھ راہب تنظیموں نے کوشش کی کہ روہنگیا نسل کو کسی قسم کی انسانی مدد نہ پہنچے۔

فسادات کے دوران گاؤں کے گاؤں میں اعشاری قتل عام ہوا۔ یعنی کہ ہر دس میں سے صرف ایک شخص کو زندہ رہنے دیا۔ حکومت کے مطابق ۷۸ افراد ہلاک ہوئے، ۸۷ زخمی ہوئے اور ایک لاکھ ۴۰ ہزار بے گھر ہوئے جنہیں حکومت نے بعد میں پناہ گزین کیمپوں میں محصور کر دیا۔ جبکہ روہنگیا ذرائع کے مطابق ۶۵۰ کو قتل کیا اور ۱۲۰۰ لاپتہ ہو گئے۔

فسادات کو کنٹرول کرنے کے لیے حکومت نے محض کرفیو لگایا اور فوج تعینات کر دی لیکن تحفظ کے بجائے مغربی ذرائع کے مطابق فوج خود تشدد میں ملوث رہی۔ جون ۲۰۱۲ میں اراکان میں ایمرجنسی نافذ کر دی گئی۔ فسادات کے بعد کئی بدھ راہب تنظیموں نے ان این جی اوز کا بائیکاٹ کیا جنہوں نے اس دوران روہنگیا کی مدد کی۔ ۱۹۸۲ کے قانون کے مطابق ۲۰۱۲ کی مردم شماری میں روہنگیا کو نہیں شامل کیا گیا۔

۲۰۱۵: اجتماعی ہجرت

۲۰۱۲ سے ہی روہنگیا مسلمانوں کو حکومت کی طرف سے مزید ظلم کا خطرہ تھا۔ اور ۲۰۱۴ کی مردم شماری نے اس خطرے کو مزید یقینی بنا دیا جب برمی حکومت نے روہنگیا لفظ پر ہی پابندی لگا دی اور اس کے بجائے فقط بنگالی کا لفظ استعمال ہونے لگا۔ ۲۰۱۵ کی رپورٹ کے مطابق دو سالوں کے دوران ظلم اور تشدد کے ڈر سے اور روزگار کمانے کی خاطر ایک لاکھ سے زائد روہنگیا چھوٹی کشتیوں میں برما سے ہجرت کر گئے۔ لیکن بڑی ہجرت ۲۰۱۵ میں ہوئی۔ چونکہ اس ہجرت میں بہت لوگ کشتیوں پر سوار ہوئے اس لیے عالمی ذرائع ابلاغ میں انہیں (کشتیوں والے) کہا گیا۔ ایک رپورٹ کے مطابق جنوری تا مارچ ۲۰۱۵ میں ۲۵ ہزار لوگ کشتیوں پر سوار ہوئے جن میں سے ۱۰۰ انڈونیشیا میں ہلاک ہوئے، ۲۰۰ ملیشیا میں اور ۱۰ تھائی لینڈ میں۔ ۱۳۰۰۰ افراد کو کشتیوں سے نکالا گیا یا وہ خود تیر کر کسی زمین پر پہنچ گئے جبکہ بہت سے کشتیوں میں ہی تا دم مرگ پھنسے رہے۔ بچنے والوں میں ۷ ہزار سے زائد نظر بند مراکز میں رہ رہے ہیں۔ تھائی لینڈ پہنچنے والوں کو وہاں کی حکومت نے دوبارہ کشتیوں میں باندھ کر سمندر میں دھکیل دیا۔ بنگلہ دیشی حکومت نے مہاجرین کے ساتھ تعاون کم کیا تاکہ مزید نہ آتے جائیں۔ اور ہزاروں پناہ گزینوں کو زبردستی ایک جزیرہ پر آباد کرنے کا منصوبہ شروع کیا جہاں زندگی کی سہولیات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

اگرچہ ۲۰۱۵ کے انتخابات میں آنگ سان سوچی کے حزب مخالف نے اکثریت حاصل کی اور آنگ سان سوچی کو وزیر اعظم کے برابر کا عہدہ ملا کیونکہ بربنائے قانون وہ صدر نہیں بن سکتی لیکن نہ فوجی حکومت کے تحت مسلمانوں کو انصاف ملا اور نہ جمہوری حکومت کے تحت۔

۲۰۱۶: کریک ڈاؤن اور تیسری جلاوطنی

۲۰۱۶ میں میانمار کی فوجی فورسز اور انتہا پسند بدھوں نے روہنگیا مسلمانوں پر بڑے پیمانے پر حملے کیے۔ یہ کریک ڈاؤن بارڈر پولیس کیمپ پر نامعلوم مسلح گروہ کے حملے کے بعد ہوا۔ اس فوجی آپریشن میں بڑے پیمانے پر حقوق انسانی کی خلاف ورزیاں ہوئیں جن میں ماورائے عدالت قتل، اجتماعی زیادتی، نذر آتش کرنے اور تشدد کے واقعات شامل ہیں۔ اس وقت کی فعلاً حکمران (آنگ سان سوچی) پر بہت تنقید ہوئی کہ وہ کیوں خاموش رہی اور کچھ نہیں کیا۔ یہاں

تک کہ اقوام متحدہ کے نمائندے نے برما پر روہنگیا نسل کشی کا الزام لگایا۔ اقوام متحدہ کی تحقیقات کے مطابق قوم پرست بدھوں کی طرف سے روہنگیا مسلمانوں کے خلاف نفرت اور مذہبی عدم رواداری پائی جاتی ہے۔ جب کہ برمی سیکورٹی فورسز ماورائے عدالت قتل، زبردستی لاپتہ، ظالمانہ قید، نظر بندی، تشدد، ہتک آمیز رویہ اور زبردستی مزدوری میں ملوث ہے۔

مظالم کی فہرست

- ایک لاکھ ۴۰ ہزار سے زائد برما کے اندر پناہ گزین کیمپوں میں محصور ہیں جس کی مثال ایک بڑے جیل کی ہے۔ جہاں نہ کوئی روزگار ہے اور نہ انہیں نکلنے کی اجازت ہے۔
- روہنگیا کی تقریباً آدھی آبادی زبردستی جلاوطن کر دی گئی ہے۔
- روہنگیا مسلمانوں کو دنیا کے کسی ملک کی بھی شہریت نہیں حاصل اس لیے انہیں بنیادی انسانی حقوق ہی حاصل نہیں۔ حق شہریت، حق ملکیت، حق روزگار، حق تعلیم، حق خود ارادیت...... سب سے محروم ہیں۔
- انہیں سفر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔
- انہیں زمین کی ملکیت کی اجازت نہیں ہے۔
- ان کی زرخیز زمینوں کو زبردستی لے کر برما کے دیگر علاقوں سے آئے ہوئے بدھ آبادکاروں کو دیا گیا ہے۔
- ہر روہنگی پر لازم ہے کہ وہ عہد نامہ پر دستخط کرے کہ ان کے دو سے زیادہ بچے نہیں ہوں گے۔
- روہنگیا سے حکومت اور فوج زبردستی مزدوری کراتی ہے۔ ہفتہ میں ایک دن فوجی اور حکومتی منصوبوں میں کام کرنا ہوتا ہے اور ایک رات چوکیداری کرنی ہوتی ہے۔
- برمی سیکورٹی فورسز اور دہشت گرد بدھوں کی طرف سے روہنگیا مسلمانوں کو ماورائے عدالت قتل، زبردستی لاپتہ، قید، نظر بندی، گھروں کو نذر آتش، جسمانی تشدد، جنسی زیادتی، ہتک آمیز رویہ اور زبردستی مزدوری کا سامنا ہے۔
- روہنگیا قوم کو ''دنیا میں سب سے غیر مطلوب قوم'' اور ''دنیا کی سب سے مظلوم اقلیت'' قرار دیا گیا ہے۔

جائزہ

اس مختصر سی تاریخ پر نظر دوڑانے کے بعد ذہن میں کئی سوالات ابھرتے ہیں:

- آیا خود برمار قوم تبت سے ہجرت کر کے اور اپنے ساتھ اپنا بدھ مذہب اس علاقے میں لانے والی نہیں ہے؟ تو آیا یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس سرزمین کی شہریت اسے ملنی چاہیے جو برمار کی ہجرت سے پہلے یہاں آباد تھا؟
- آیا موجودہ عالمی نظام اور اقوام متحدہ آج امریکہ کے اصلی باشندوں کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو امریکہ کا اصلی باشندہ اور انگریز حملہ آور اور آباد کاروں کو (غیر قانونی عیسائی مہاجر) قرار دے کر ان کے حقوق واپس لے اور نئے آباد کاروں کو پناہ گزین کیمپوں میں محصور کر دے؟
- آیا برمار بدھ مت قوم نے اپنے ہی ہم مذہب اراکانی بادشاہت کو ختم کر کے زبردستی اراکان پر قبضہ نہ کیا تھا؟ اور یہ برمار حکومتوں کی طرف سے اراکانیوں کے خلاف کوئی پہلی مہم جوئی نہ تھی؟
- آیا مسلمان سلطان بنگال نے اراکانی بدھ بادشاہ اور بے شمار اراکانی بدھوں کو پناہ دے کر اور بعد میں دوبارہ اسے مسند اقتدار پر بٹھا کر اراکانی بدھوں کے ساتھ زیادتی کی تھی یا احسان؟
- آیا سلطنتِ بنگال کے زیرِ سایہ اور مسلمان مشیروں، کمانڈروں اور اہل علم و حرفت کی مدد سے اراکانی بادشاہت اور قوم اپنی تاریخ کے سنہری دور سے نہیں گزری؟
- آیا اراکانی بدھوں نے مغل شہزادے کے ساتھ غدر نہ کیا اور ان کے بادشاہ نے مسلمان عزت کو پامال نہ کیا؟
- آیا اراکانی بدھوں نے سو سال بعد اپنے دشمن برمار کے بجائے اپنے محسن بنگال پر ہی چڑھائی کر کے بنگالی علاقوں پر قبضہ نہیں کیا؟
- آیا اراکانی بدھ بادشاہت کی جانب سے مغل مسلمانوں سے غدر اور بنگال کی زمین پر دست درازی کے بعد اگر مغل سلطنت نے اراکان سے بنگالی سرزمین چھڑائی اور کچھ پیش قدمی کی تو کیا وہ حق بجانب نہ تھی؟
- آیا اراکان میں مسلمانوں کی ہجرتیں زور و زبردستی سے ہوئیں یا کہ پہلے اراکانی بادشاہوں کی اجازت سے، اراکانی بدھ بادشاہ کا مغل کمان فوج کی زبردستی بھرتی اور بعد میں انگریز حکمرانوں کی اجازت اور خواہش سے اراکان کی تعمیر و ترقی کے لیے ہوئیں؟
- آیا روہنگیا مسلمانوں کے معتدل مذہب میں شادی بیاہ اور نسل کو بڑھانے کے فطری اصول پر عمل کرنے اور اس کے مقابل میں راکھینی بدھوں کے غیر معتدل مذہب میں فطری ازدواجی زندگی سے کنارہ کشی اور نسل نہ بڑھانے میں روہنگیا

مسلمانوں کا قصور ہے کہ ان کی آبادی کا تناسب راکھینی بدھوں سے بڑھ گیا اور اب ان پر زبردستی کم اولاد پر مجبور کیا جا رہا ہے؟ آیا برما میں کسی اور نسل پر کم اولاد پیدا کرنے کا قانون نافذ ہے؟ آیا یہ نسلی امتیاز اور نسل کشی نہیں؟

- آیا پانگلانگ معاہدہ میں صرف برمار، شان، کھاچین اور چھین نسلوں کے درمیان اتحاد قائم نہ ہوا تھا؟ تو اس میں اراکان سمیت دیگر اقلیتوں کو زبردستی کیوں شامل کیا گیا؟
- آیا اراکان اپنے جغرافیے اور تعلقات کی بنا پر بنگلہ دیش سے زیادہ قریب نہ تھا کہ اس کا الحاق برما کے بجائے بنگلہ دیش سے ہو جاتا؟
- آیا پورا ارکان نہ سہی لیکن اس کے شمالی مسلم اکثریتی اضلاع کا یہ حق نہ تھا کہ ان کا ان کے اپنے ہم مذہب اور ہم زبان چٹاگانگ کے ساتھ الحاق کر دیا جاتا؟ اگر جدید دنیا مشرقی تیمور اور جنوبی سوڈان کو مذہبی بنیاد پر مسلم اکثریت سے تقسیم کر سکتی ہے تو روہنگیا قوم سمیت دیگر علیحدگی اور آزادی پسند مسلم اقوام کے ساتھ امتیازی سلوک کیوں برتا جاتا ہے؟
- آیا آج بھی برمار قوم زور وزبردستی سے دیگر نسلی اقلیتوں پر مسلط نہیں۔ اور اسے بخوبی علم ہے کہ اگر وہ فوجی قوت نہ استعمال کرے تو اس کی ریاست کے حصے بخرے ہو جائیں گے کیونکہ برمار ایک قومی یا مذہبی اکائی نہیں ہے تو اسے زبردستی (نیشن سٹیٹ) کیوں قرار دیا جا رہا ہے؟
- برما میں صرف روہنگیا مسلمان مہاجر بن کر نہیں آئے۔ بلکہ پانتھی مسلمان چین سے اور کمان مسلمان انڈیا سے مہاجر ہو کر آئے۔ تو صرف روہنگیا کی شہریت ہی کیوں چھینی گئی ہے؟ یا کہ یہ پہلا قدم ہے اگر کامیاب ہو جائے تو پانتھی اور کمان کے ساتھ بھی ایسا اقدام کیا جائے گا؟ اور یا پانتھی اور کمان ایسی مسلم اقلیتیں ہیں جو بدھ مذہب کو اعلیٰ ہونے کے طور پر قبول کر چکی ہیں؟
- آیا اگر برطانیہ نے اپنے مفاد میں روہنگیا مسلمانوں کو مسلح کیا اور جاپان نے اپنے مفاد میں راکھین بدھوں کا ساتھ دیا تو اس میں صرف روہنگیا کا کیا قصور ہے؟ جبکہ جنگ آزادی میں خود برمی نیشنل آرمی پہلے جاپان کی وفادار تھی لیکن جب عالمی جنگ کی کایہ پلٹی تو برطانوی اتحادیوں کے ساتھ اتحاد کر لیا جس کو پہلے وہ غاصب قرار دیتے رہے؟ آیا برمی قوم پر یہ الزام نہیں لگنا چاہیے کہ اس نے خود برما پر غاصب استعماری قوت کے ساتھ اتحاد کیا؟
- آیا روہنگیا کی سیاسی جمہوری تحریک کے بعد برمی حکومت نے ان کے ساتھ کوئی مذاکرات شروع کیے کہ اب کوئی دعویٰ کرے کہ مسلح تحریک نے کام خراب کیا؟
- اگر دنیا کی نظر میں (مسلح) تحریکیں اتنی ہی بری ہیں تو آیا اقوام متحدہ کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ تمام ممالک کی (مسلح) افواج کو ختم کر دے؟
- برمی حکومت کو برما کی آزادی کے ۳۵ سال بعد کیوں خیال آیا کہ روہنگیا برما کے شہری نہیں ہیں؟ آیا اس لیے کہ حکومت کے لیے روہنگیا کے حق آزادی اور خود ارادیت کے سامنے اور کوئی چارہ نہیں تھا؟ اور اس لیے کہ روہنگیا نے اپنے حقوق کے لیے مسلح جدوجہد کا راستہ اپنایا؟
- اگر دنیا کا ہر ملک وہاں رہنے والے اصلی اقلیتی باشندوں کو شہریت دینے سے انکار کرے تو دنیا کی کثیر آبادی شہریت سے محروم ہو جائے گی۔ سوچیے اگر بھارت بھارتی مسلمانوں کو شہریت دینے سے انکار کر دے جیسے کہ وہ لگے ہوئے ہیں تو کیا بنے گا؟
- دنیا میں اکثر تنازعوں کو دیکھا جائے تو اس کے پیچھے قومی یا مذہبی عوامل ہوتے ہیں۔ تو دنیا قومی (نیشنل) عنصر کو اگر تسلیم کرتی ہے تو پھر مذہبی (ریلیجین) عنصر کو سٹیٹ قائم کرنے کے لیے تسلیم کیوں نہیں کرتی؟
- مسلم روہنگیا کا مسلم ممالک سے الحاق کی خواہش اور اب آزاد خود مختار مستقل ریاست کے مطالبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کا رشتہ وطن اور قوم کے رشتے سے زیادہ مضبوط ہے۔ تو مذہبی بنیاد پر ریاست کی بنیاد بنانے پر دنیا کو اعتراض کیوں ہے؟
- اگر دنیا خود شہری (غیر مسلح) اور فوجی (عسکری یا جنگجو) کے درمیان تفریق کی قائل ہے اور نہتے غیر مسلح شہریوں پر جنگ مسلط کرنے کو ناجائز قرار دیتی ہے تو پھر برما کی حکومت نے فقط روہنگیا مسلح مجاہدین کے بجائے پوری قوم کے خلاف کیوں جنگ مسلط کی؟
- اگر دنیا امارت اسلامیہ کو (محدود حکومت) اور (حقوق کی پامالی) کی وجہ سے پوری کی پوری ریاستِ افغانستان کو ہی تسلیم نہیں کر رہی تو برما کی (مخصوص برمار نسل) اور (حقوق کی پامالی) کرنے کی وجہ سے رکنیت منسوخ کیوں نہیں کرتی؟

(باقی صفحہ نمبر 61 پر)

تیغوں کے سائے میں 'یہ' پل کر جواں ہوئے ہیں......

اُمِّ مصعب

گو کہ ساری عطا اللہ کی ہے، سارا جہاں ہے جس کا وہ جب چاہے بہتے دھاروں کا رخ موڑ دے، اندھیرے کو اجالے سے اور اجالے کو اندھیرے سے بدل دے، ہر نفع و نقصان اسی کے ہاتھ میں ہے، لیکن ہر حال میں وہ مومن کو صابر یا شاکر کی حالت میں ہی دیکھنا چاہتا ہے اور بدلے میں ان کے لیے جنت ہے۔ جنت مشکلات سے گھیری گئی ہے اور محمد بھی اب مزید طوفانوں میں گھر گیا ہے۔ صرف چھ ماہ کے بعد ہی حالات پھر سے کیسے پلٹ گئے۔ ابّا کی شہادت کے بعد گھر چھوڑ کر انصار کے گھر کچھ دن ٹھہرے، جہاں سے پیارے ابّا کی قبر بہت قریب تھی۔ وہ کھڑکی سے اکثر میرے ساتھ ادھر ہی جھانکتا، اماں سے بس چپکے چپکے ان کی ہی باتیں سنتا اور انہی اوقات میں ابا کی شہادت کے ساتھ ہی روٹھی اس کی مسکراہٹ لمحہ بھر کے لیے اس کے چہرے کو رونق بخش دیتی۔ ڈرون تقریباً سارا وقت ہی سر پر ہوتا، مگر اسے اس سے ڈر نہیں لگ رہا ہوتا تھا۔ شاید سب سے قیمتی متاعِ حیات اس سے چھن گئی تو اب اسے اس کا خوف نہیں رہا تھا۔

اچانک ایک روز موسم بہت ہی خراب ہو گیا اور اسی رات ہمارا سفر پھر شروع ہو گیا۔ نصف ماہ ہم رک رک کر اسی طرح سفر کرتے رہے اور بالآخر وہ اماں کے ساتھ اپنی خالہ، خالو اور مریم کے پاس پہنچا۔ اسے یہ تبدیلیٔ جگہ کچھ بہتر لگی۔ سب کے ساتھ کسی حد تک وہ کچھ کچھ بہل ہی گیا۔ عمومی طور پر وہ سب کی توجہ کا مرکز ہی رہا، مگر زندگی کی پہلی اور شدید آزمائش کی شدت کا رنگ اس پر چڑھا ہی رہا۔

وہ سنبھلنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اسی دوران رمضان آگیا اور پھر عید۔ سب ہی اسے بہت بہلاتے رہے، لیکن وہ اپنی خاموش نگاہوں سے شاید گزشتہ عیدوں کی یاد میں گم رہا، جیسے اب اس کی ہر خوشی پھیکی پھیکی سی ہو گئی۔ خالو نے گو اس کی پگڑی باندھی، کلاشن دلوائی، سیر کو لے کر گئے، لیکن شلوار قمیض اور واسکٹ میں تیار محمد کو تو ابّا ہی نے یاد آنا تھا۔ اسے تو وہ تیار کیا کرتے تھے اور وہ ان کے ساتھ خوش خوش سب سے آکر عید ملتا تھا۔ "پتا نہیں منے جان تم اب ایسی عیدیں کیسے گزارا کرو گے؟" نانو سوچ رہی تھیں اور اماں چھپ کر اپنے آنسو خشک کرتی جارہی تھیں کہ کہیں محمد نہ دیکھ لے۔ شکر ہے یہ پھیکی پھیکی سی عید گزر ہی گئی۔ وقت تو گزرنے کے لیے ہے سو وہ گزرتا رہا اور اب تقریباً ۶ ماہ ہونے کو تھے۔ مریم کے دوبارہ سے مل جانے سے بہل تو وہ ضرور گیا تھا مگر تقدیر کا لکھا تو پورا ہو کر رہتا ہے۔ مفہوم حدیث ہے کہ دنیا بنانے سے پچاس ہزار سال پہلے سے اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کی تقدیر لکھ رکھی ہے۔ سو تقدیر میں ایک اور ہلا مارنے والا یہ طوفان بھی لکھا تھا۔

ایک شب کھانے کے بعد ابھی ہم بیٹھے ہی تھے کہ اچانک فضا میں شدید ہلچل مچی، ہیلی کاپٹر ز اور جہازوں کے اڑنے کا شدید شور اٹھا، فائرنگ کی آوازیں بھی آنی شروع ہو گئیں۔ ارے یہ کیا ہے؟ شور کیسا ہے؟ "چھاپہ ہے چھاپہ باجی"۔

سب کے ہوش ہی اڑ گئے۔ ساتھ والے گھر میں گولیوں کی بوچھاڑ کے بیچ کمرے سے صحن میں نکلتے بھائی نشانہ بنائے گئے اور وہ اپنی کلاشن سمیت فرش پر جان جانِ آفرین کے سپرد کر کے اپنے شہید بھائیوں سے جا ملے۔ خالو صحن کی دیوار سے انہی سے بات کر رہے تھے کہ فضا میں شور بلند ہوا، وہ جھکے جھکے ہی اندر کمرے میں داخل ہوئے، لائٹ بند کروائی، دروازے کی آڑ سے باہر فائرنگ کی جو امریکیوں کے سپیشل فورس والے کو لگی اور وہ غیض و غضب کی حالت میں کمرے میں داخل ہوا۔ مگر اس سے پہلے ہی ہمارا جانباز شیر فدائی کر چکا تھا اور اب اپنے کمرے کے فرش پر انتہائی پر سکون لیٹا تھا۔ دشمن تو دانت پیس کر ہی رہ گیا کہ ہم نے اسے مارنا نہیں تھا (زندہ گرفتار کرنا تھا)۔ دوسرے کمرے میں ہم خواتین اور بچے تھے۔ لمحوں بعد ہی پارچے لگنے شروع ہوئے (الحمدللہ) حسب مقدر۔ ہمارا خون بہہ بہہ کر بچوں پر گرتے رہے پھر فرش پر، کیونکہ بچوں کو ہم سب نے اپنے نیچے کر لیا تھا۔ بعد میں ہمیں فوجی باہر صحن میں لے آئے اور ذرا سی دیر میں وہ بچوں کو تن تنہا چھوڑ کر...... خواتین کو لے گئے۔

پیچھے محمد، مریم اور ۷ ماہ کا عبدالرحمٰن رہ گئے......

محمد کو ایک فوجی گود میں جکڑ کر باہر لے گیا۔ محمد اس کی گرفت سے آزاد ہونے کے لیے اسے ٹھوکریں مار رہا تھا، کبھی تھپڑ اور چیخ رہا تھا، "چھوڑ دو میری اماں کو! چھوڑ دو! ورنہ مجھے بھی لے جاؤ"۔ اور دور جاتی ہوئی اماں کے کانوں میں اپنے بیٹے کی چیخ و پکار سنائی دے رہی تھی......

تھوڑی ہی دیر میں ہیلی کاپٹر اڑ گئے۔ بچے انصار کے پاس رہ گئے۔ بچوں کے ہوش تو اڑے ہوئے ہی تھے ساتھ وہ زخمی بھی تھے۔ مریم کافی حد تک بچ گئی تھی الحمدللہ مگر محمد کی ٹانگوں میں کئی جگہ پارچے لگے تھے۔ صبح صبح ہی بچے ہسپتال پہنچا دیے گئے۔ رات گزارنے وہ کسی کے گھر لائے جاتے اور سارا دن ہسپتال میں گزارتے۔ محمد سہارے کے بغیر قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ کوئی نہ کوئی طالب ان کے قریب ہوتا۔ پانچ پانچ ڈرون سر پہ ہوتے۔ شروع میں زیادہ خوفزدہ ہوتے تھے پھر دھیرے دھیرے خوف کم ہوتا گیا۔ بچوں کا زیادہ وقت مقامی انصار کے یہاں گزرا جنہوں نے بہت لاڈ اور خصوصی توجہ اور محبت سے رکھا، یوں یہ خاصے پر سکون رہے۔ "اماں تو یاد آتی تھیں، اور انتظار بھی رہتا تھا کہ اماں کب آئیں گی مگر ابا کا تو مجھے پتہ ہے نانانو، وہ تو آ نہیں سکتے۔ ان سے ملنے تو اب مجھے ہی جانا ہے۔" محمد بولا۔ "نانو! غصہ بہت آتا تھا، جب ڈرون کی

آواز سنتا۔ ہم سارے بچے خوب بد دعائیں دیتے تھے اسے، اور اپنی (لکڑی کی) کلاشن سے تو میں اس کا نشانہ بھی لیتا تھا"۔

"توڑ کے اپنے کھلونے اب بندوق بنالی ہے"، وہ ترانے کے بول دہرا رہا تھا۔

میں نے پوچھا، "تم لوگ انتظار کرتے تھے اماں کا؟" مریم اور محمد دونوں لمبی سی ہاں کے بعد بولے "بہت! اور ہم دعائیں بھی کرتے تھے، مگر ہمارے ساتھ جو طیب بھائی اور آپی تھیں ناوہ آپی رات کو زیادہ تر روتی تھیں، اپنی اماں کو یاد کر کے اور طیب بھائی دعاؤں میں رو دیتے تھے"؛ پھر... تم بھی رو دیتے تھے نا؟ "ہاں!"۔ "مجھے تو اکیلے سونا اچھا نہیں لگتا، میں تو اماں کو پیار کر کے ان کے گلے میں بازو ڈال کر سوتی تھی"، اب کے مریم بولی۔ اور محمد تم؟ "میں تو اماں سے کہانی سنے بغیر سوتا ہی نہیں تھا اور چمٹ کر بھی۔ پھر آپی ہم لوگوں کو کہانی سناتی تھیں۔ وہاں اور بچے بھی تھے جن کے بابا شہید اور اماں گرفتار تھیں"۔

بدنصیبوں، ظالموں نے کتنی کتنی بد دعائیں لیں معصوموں کی اور لیتے ہی رہیں گے۔ مرنے سے پہلے بھی تم مر مر کر جیو گے، کبھی موت چاہو گے تو تمہیں موت نہیں ملے گی۔ معصوموں کے آنسو تمہیں چین سے جینے بھی نہیں دیں گے۔

دیکھنا یہ معصوم بچے تمہارا، تمہاری نسلوں کا جینا حرام کر دیں گے۔ ان کے دل انتقام کی آگ میں سلگ رہے ہیں۔ تمہارے پرخچے اڑا دیں گے ان شاء اللہ اور تم بری طرح بے بس ہو گے۔ تمہارے سیکڑوں ساتھی واپس اپنے وطن پہنچ کر پاگل ہو گئے نا، اپنوں کو ہی مارنے کھڑے ہو گئے۔ ان یتیموں کی آہیں تمہارا چین چھین چکی ہیں۔

"آپی بتا رہی تھی کہ امریکی و ملّی فوج والے ہمیں ایک کمرے میں بند کر کے باہر سے کنڈی لگا کر چلے گئے تو ہم سب مل کر رونے لگے، چھاپے کی واپسی کے بعد کسی نے آکر کنڈی کھولی اور کہا کہ ہماری مسجد میں کوئی شہید ہے مگر پتہ نہیں کون ہے؟ باقی بچوں کے ساتھ آپی بھی مسجد میں گئی اور اپنے بابا کو خون میں نہائے خاموش لیٹے دیکھتے ہی ان سے لپٹ گئی۔ 'یہ تو میرے بابا ہیں، آپ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے'، وہ دیر تک روتی رہی..."

ان کے آنسو تمہیں بہت مہنگے پڑیں گے۔ تمہارے گھر بھی ضرور اجڑیں گے، بچے یتیم بے گھر اور دربدر ہوں گے۔ تم ابو جہل بن گئے ہو تو ضرور ہمارے یہ معاذ و معوذ تم سب کے خون کے پیاسے بنیں گے۔ اللہ تمہیں ہاتھی والوں کی طرح بھس بنا دیں۔ آمین

یاد رکھو ہم اللہ تعالیٰ کے لشکر کے سپاہی ہیں اور یہی لشکر غالب رہے گا۔ یہ مغلوب ہونے کے لیے بھیجا ہی نہیں گیا ہے۔ جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے، مگر تم تو سفید ہاتھی ہو اور ہاتھی کی موت کے لیے ایک ننھی سی چیونٹی ہی کافی ہوتی ہے!

ہمارے یہ معاذ و معوذ تمہارے لیے ان شاء اللہ ابابیلیں ثابت ہوں گے اور تمہیں ہاتھی والوں کی طرح بھس بنا دیں گے۔ یہ محاذوں پہ ہی نہیں تمہارے خوابوں میں بھی آکر تمہیں ڈرائیں گے اور تمہارا جینا مرنا سونا جاگنا یہ محال کر دیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ تم دیکھنا یہ سیلِ رواں کی طرح تمہیں غرق کرنے کو تمہاری طرف بڑھیں گے اور تم بے بس ہو گے۔ یہی تمہارا مقدر دنیا میں ہے اور آخرت میں تو بھڑکتی آگ تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ وہاں یہ معاذ اور معوذ ہنسیں گے تم پر جب تم پر اللہ کے عذاب کے فرشتے کوڑے برسائیں گے۔

میرا محمد، مریم، بلال، طیب، موسیٰ، عبد اللہ اور آپی سب تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔ وہ روز حشر اپنے ہاتھوں سے تمہیں قتل کرنے کی درخواست اپنے رب سے کریں گے۔ رب تعالیٰ ان شاء اللہ تمہیں پیش کریں گے کہ لو اپنے اپنے بابا کے قاتلوں کو ذبح کرو۔ رب تو ان کا ہو گا، کیا تمہارا شیطان اور دجال تمہیں رب کی پکڑ سے بچالے گا؟ اور میں بھی رب سے فریاد کروں گی کہ انہیں میرے ہاتھ میں دیں ہاں انہی ہاتھوں میں جن ہاتھوں میں تم نے ہمیں اللہ کے حواری ہونے کی وجہ سے ہتھکڑیاں پہنائی تھیں۔ دیکھنا اس دن میں شیرنی بن کر تم پہ جھپٹ پڑوں گی، تمہاری آنکھیں پھوڑ دوں گی، گردن مروڑ دوں گی...... تمہارے ہاتھ کاٹ دوں گی۔

مجھے بھی تو اپنے لختِ جگر، دل کے ٹکڑوں کا حساب لینا ہے۔ بدلہ چکانا ہے۔ تم نے ماؤں کو للکارا ہے، ہماری بد دعاؤں سے کیسے بچو گے؟ کہاں چھپو گے؟ ہم مائیں تمہارا جینا حرام کر دیں گی ان شاء اللہ۔ تم ہمارے لہو میں رب کی محبت پاؤ گے۔ اس محبت اور وفا کی چمک سے سارے اندھیرے دور ہو جائیں گے۔ تم اندھیرے میں رہتے ہو یہی تمہارا مقدر ہے۔ تمہاری دنیا و آخرت دونوں تاریک اور ہم ان شاء اللہ نور ہی نور ہوں گے۔

اللہ ہی اپنے دین کا نگہبان ہے!

"جہاد فی سبیل اللہ چند شخصیات، تنظیموں اور اقوام سے مشروط نہیں، نہ یہ ان تک محدود کسی مسئلے کا نام ہے۔ یہ تو حق و باطل کا وہ ازلی معرکہ ہے جو اس وقت تک جاری رہے گا جب تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس دنیا کی بساط لپیٹ نہ دیں۔ ملا محمد عمر اور شیخ اسامہ بن لادن تو بس لشکرِ اسلام کے دو سپاہی ہیں...... جب کہ اسلام اللہ کا دین ہے...... وہ دین جسے اس نے اپنے رسولوں اور اہل ایمان بندوں کے لیے پسند کر لیا...... اللہ تعالیٰ ملا محمد عمر اور شیخ اسامہ سے پہلے بھی اپنے دین کی حفاظت کرتا تھا...... ان کی زندگی میں بھی اسی نے اِس دین کا دفاع کیا اور ان کے بعد بھی وہ ہی اس دین کا نگہبان ہو گا!"

(حکیم الامت فضیلۃ الشیخ ابو محمد ایمن الظواہری)

جن سے وعدہ ہے مر کر بھی جو نہ مریں!

تنویر الاسلام (عبد السلام) شہید

عمر فاروق الخراسانی

ابھی ارض خراسان پہنچے بمشکل ایک مہینہ ہی ہوا تھا کہ شیخ از مرے کے ساتھ شالی سے جنوبی وزیرستان کا ایک سفر درپیش ہوا۔ چھ گھنٹے سفر کے بعد رات کی تاریکی میں منزل پہ پہنچے اور شیخ کی امامت میں مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی۔ بعد از نماز شیخ یہ کہہ کر چلے گئے کہ آپ لوگ یہیں رکیں میں صبح آؤں گا۔ صبح شیخ صاحب خود تو نہ آسکے البتہ طاہر شہید آئے کہ نئے ساتھیوں کو دوسرے مرکز منتقل کرنا ہے۔ ساتھیوں کو لے کر دوسرے مرکز پہنچے اور دروازے پہ دستک دی۔ دروازہ کھلتے ہی سامنے ایک جانے پہچانے نورانی چہرے پہ نظر پڑی، انتہائی گرم جوشی سے ملتے ہوئے گویا ہوئے: آپ کا تعارف؟ پہلے تو ایک جھٹکا لگا کہ یہ کیا بات ہوئی؟ اچھی طرح جانتے بھی ہیں پھر بھی تعارف پوچھتے ہیں؟ مگر فوراً ہی چھٹی حس جاگ اٹھی کہ موصوف جہادی نام جاننا چاہ رہے ہیں۔ تنویر الاسلام بھائی سے جان پہچان تو کئی برسوں سے تھی مگر ارض جہاد و رباط میں یہ ہماری پہلی ملاقات تھی۔

افق کی سرخ قبا سے سراغ ملتا ہے
تمہارا خون ستاروں پہ جگمگائے گا
تمہارے بعد کہاں یہ ہنگامے
کوئی کہاں سے تمہارا جواب لائے گا

درمیانہ قد، سانولی رنگت، سیاہ چمک دار آنکھوں، سنت نبوی سے مزین چہرے، اور صحت مند جسم کے مالک تنویر الاسلام بھائی کا تعلق شہر کراچی کی ایک آفریدی فیملی سے تھا۔ ایمانی غیرت و حمیت بچپن ہی سے آپ کے رگ و پے میں موجزن تھی۔ آپ نے جوانی کی دہلیز پہ قدم رکھا تو اپنے ارد گرد جمہوریت کے پیدا کردہ قومیت و عصبیت کے بے شمار بتوں کو منہ کھولے، بانہیں پھیلائے دیکھا جو معاشرے میں پھیلے فتنہ وفساد کی بنیاد تھے، جس نے بھائی کو بھائی سے لڑایا، جس نے مسلم معاشرے میں تفرقہ پیدا کیا، جس نے اسلامی و ملی وحدت کو پارہ پارہ کیا، جس نے معاشرے کے مسلم نوجوان کو لادینیت کے گڑھے میں دھکیل دیا...... تنویر بھائی ان سب بتوں سے بے زار، واحد رب کعبہ کی عبادت کرنے والے، اسی کے لیے جدوجہد کرنے والے، اسی وحدہ لاشریک کے کلمے کو اونچا کرنے والے تھے۔

وہ اس نظام بدی کے خلاف جدوجہد کرنے والی ایک طلبہ تنظیم اسلامی جمعیت طلبہ سے وابستہ ہو گئے جس کا نصب العین اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق انسانی زندگی کی تعمیر تھا۔ جس کے کارکن نوجوانوں کو بے راہ روی سے روکتے، عصبیت کی جاہلیت میں مبتلا نوجوانوں کو راہِ راست پہ لانے اور نوجوانوں میں دین کا شعور پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔

تنویر بھائی کم و بیش سات سال ان کے ساتھ مل کر دعوت دین کے کام میں منہمک رہے۔ اس دوران آپ کو قومیت اور لسانیت کے علم بردار گروہ ایم کیو ایم کی جانب سے ہراساں کرنے کی کوشش بھی کی جاتی رہی۔ بعد ازاں ۲۰۰۴ء میں اسی گروہ کے غنڈوں کی جانب سے پر تشدد کارروائی کے نتیجے میں کمر پہ گولی لگنے سے زخمی بھی ہوئے۔

کشمیر و فلسطین میں مسلم امت کو زندہ در گور کیے جانے والے مظالم ہوں یا افغانستان و عراق میں کفار کی دل دہلا دینے والی وحشیانہ بمباریاں، یمن و شیشان میں بہتا لہو ہو، یا پاکستان میں امریکی غلاموں کے ہاتھوں شہید ہونے والے علمائے دین، طلباء کرام و مدارس و مساجد...... غرض تنویر بھائی امت مسلمہ پہ ڈھائے جانے والے مظالم پہ دل گرفتہ رہتے، وہ کفر کے ظلم واستبداد سے امت کو نجات دلانا چاہتے تھے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ وہ تو محمد بن قاسم کے جانشین تھے۔ وہ محمد بن قاسم کہ جس نے راجہ داہر کی قید میں ایک بہن کی فریاد پہ لشکر کشی کی اور نا صرف اپنی مظلوم بہن کو ظالموں کی قید سے رہائی دلائی بلکہ پورے سندھ میں اسلام کا بول بالا کیا۔ فاتح سندھ محمد بن قاسم آپ کے آئیڈیل تھے۔ آپ ان کے کردار و عمل سے اس قدر متاثر تھے اور اس کثرت سے اس کا ذکر کرتے کہ جمعیت کے ساتھیوں میں آپ کا نام محمد بن قاسم پڑ گیا۔

آپ کے اس دینی جماعت سے وابستہ ہونے کی ایک بڑی وجہ آپ کا جہادی جذبہ اور اس جماعت کے کارکنان کی جہاد کشمیر اور جہاد افغانستان میں شرکت تھی۔ مگر حکومت و آئی ایس آئی کی پالیسیوں میں تبدیلی کے ساتھ ہی پاکستان میں موجود تمام دینی جماعتوں پر بھی عتاب اترا۔ تنویر بھائی چاہتے تھے کہ جہاد کا کوئی ایسا منہج ملے جس میں طاغوت کی عمل داری نہ ہو، جو منافقین کی مداخلت سے پاک ہو اور جس کا منبع قرآن و سنت ہو۔ ۲۰۰۷ء میں پاکستان میں شریعت یا شہادت کی صدا بلند ہوئی تو گم نام راہوں کے بہت سے مسافروں کو نشان راہ مل گیا۔

بہترین اخلاق، جذبۂ قربانی وایثار، ہمت و شجاعت، صبر و استقامت رکھنے والے شگفتہ مزاج تنویر بھائی کردار و عمل کا بہترین نمونہ تھے۔ چہرے پہ یوں سنجیدگی طاری ہوتی گویا ہنسی مذاق سے ناواقف ہوں، مگر جب ساتھیوں کی محفل لگتی تو خود ہنستے بھی اور ساتھیوں کو ہنساتے بھی خوب۔ چھوٹوں پہ شفقت اور بڑوں کا ادب کرنا ان کی نمایاں صفت تھی۔ اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے کرنے والے، نیکیوں میں سبقت لے جانے والے اور خدمت کے کاموں میں آگے بڑھنے والے تھے۔ راقم کو کم و بیش چار ماہ تنویر الاسلام بھائی کے ساتھ محاذوں پہ رہنے کا موقع ملا۔ جہنم کا خوف اور جنت کی تڑپ ہر وقت دامن گیر رہتی۔ اسی جنت کے حصول کے لیے آپ ہر وقت تعلق باللہ کی مضبوطی کی فکر میں غلطاں رہتے۔ مثالی طبیعت کے مالک تنویر بھائی نے

اپنے روز وشب کے معمولات طے کر رکھے تھے۔ کثرت تلاوت قرآن پاک اور نوافل کا خوب اہتمام کرتے۔ حتی الامکان کوشش کرتے کہ کچھ بھی ہو ان کی اس روٹین میں خلل نہ آئے، دن بھر کے ترصد اور کارروائیوں کے بعد آپ کو اکثر نیم شب میں اپنے رب سے محو کلام، آہ وزاری کرتے ہوئے پایا۔

ہماری تدریب ختم ہوئے چند ہی دن ہوئے تھے کہ ایک دن استاد جی نے تنویر بھائی سے، جو کہ استاد محترم کے معاون تھے، کہا کہ راقم اور آپ رخہ کے محاذ پہ موجود مرکز جائیں اور وہاں سے راکٹ لانچر لے آئیں۔ ہمارے مرکز سے رخہ کا راستہ ڈیڑھ گھنٹے سے کچھ زیادہ تھا۔ یہ راستہ انتہائی دشوار تھا کیونکہ مرکز بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان ایک درے میں تھا۔ عصر سے کچھ پہلے سفر شروع کیا اور مغرب کے وقت ہم مرکز پہنچے، رات وہاں گزاری، صبح راکٹ لانچر لیا اور واپسی کی راہ لی۔ واپسی کے راستے میں تنویر بھائی سے موٹر سائیکل لڑکھڑائی تو ان کا پاؤں زمین میں دھنسے پتھر سے اس زور سے لگا کہ پتھر زمین سے اکھڑ کر ان کے پاؤں کے ساتھ رگڑ تا ہوا تقریباً ایک میٹر تک آگے چلا گیا۔ اس شدید چوٹ پہ میں نے تنویر بھائی کے منہ سے آہ تک کی آواز نہیں سنی بلکہ جب ٹھوکر لگی تو ان کے منہ سے بے اختیار بسم اللہ، یااللہ خیر کی صدا بلند ہوئی۔ مرکز پہنچ کر میں نے ان سے کہا کہ ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں تو وہ کہنے لگے کہ شہد سے علاج سنت ہے اور میرے پاس اصلی شہد ہے، میں اس زخم پہ شہد لگاؤں گا تو یہ جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ پاؤں کے اس شدید زخم کے باوجود آپ کے معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ تلاوت، اذکار، نوافل، تہجد، مجاہدین کی خدمت کے ساتھ ساتھ حربی امور کی پابندی بھی کرتے رہے۔

یہ ان ہی دنوں کی بات ہے جب تنویر بھائی کا پاؤں زخمی تھا اور نئے ساتھیوں کی تدریب چل رہی تھی، تنویر بھائی کا خیمہ ایک پہاڑ کی چوٹی پہ تھا جہاں ان کے ساتھ کچھ نئے ساتھی بھی تھے جبکہ راقم باورچی خانے کے امور کا مسئول تھا۔ تنویر بھائی ہر روز خود ہی پہاڑ سے اتر کر کھانا لینے آتے۔ ایک دن میں نے کہا، بھائی! آپ کا پاؤں زخمی ہے تو آپ نئے ساتھیوں میں سے کسی کو کھانا لینے کے لیے بھیج دیا کریں۔ وہ بولے، بھائی! یہ تو چھوٹا سا زخم ہے، مجاہد کو ان چھوٹے موٹے زخموں سے نہیں گھبرانا چاہیے، اس تکلیف میں اجر بھی ہے اور گناہوں کی مغفرت بھی، اور ویسے بھی نئے ساتھی ٹریننگ کے سبب دن بھر کے رگڑے کے بعد تھکے ہارے ہوتے ہیں تو انہیں تکلیف دینا مناسب نہیں۔

حضرت عمرو بن عبسہؓ سے روایت ہے کہ نبی ٔمکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ کے راستے میں ایک تیر مارا وہ تیر دشمن تک پہنچا یا نہیں پہنچا تو اسے ایک غلام آزاد کرنے کا اجر ملے گا اور اس غلام کا ہر عضو اس کے ہر عضو کو جہنم سے بچانے کا ذریعہ ہو گا۔ (نسائی باسناد صحیح)

نبی ٔمکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی چھوٹی سنتوں پہ عمل پیرا رہنے والے تنویر بھائی بڑے اسلحے، ہاون (مارٹر)، بی ایم (زمین سے زمین پر مار کرنے والا راکٹ) اور ہشتاد و دو (۸۲ ملی میٹر قطر والی توپ) میں خوب مہارت رکھتے تھے۔ وہ اکثر کارروائیوں کی ترتیبات بنانے میں مصروف رہتے۔ کبھی گھنٹوں پیدل سفر کر کے ترصد (ریکی) کے لیے جاتے تو کبھی امیر صاحب کے کہنے پہ برادر مجموعات کے ساتھ مل کر مشترکہ کارروائیوں کو ترتیب دینے میں مگن رہتے۔ کبھی خود اپنے ہی ایک دو ساتھیوں کو ساتھ لے کر دشمنان دین پہ تیر (میزائل) برسانے چلے جاتے۔ تنویر بھائی دشمنان اسلام کے خلاف کم و بیش ستر کارروائیوں میں شریک رہے؛ اللہ پاک آپ کی ہر سعی قبول فرمائیں، آمین۔

یہ ۱۲ اگست ۲۰۰۸ء بمطابق ۱۰ شعبان ۱۴۲۹ ہجری منگل کا دن ہے۔ ڈرون طیاروں کی پروازیں مستقل جاری ہیں۔ کبھی یہ آوازیں قریب اور کبھی دور ہوتی سنائی دیتی ہیں۔ یہ آوازیں کسی نئی مصیبت و آزمائش کا پتا دے رہی ہیں۔ یہاں انگور اڈہ میں مجاہدین کے کئی مراکز موجود ہیں، کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ یہ نئی آزمائش کس پہ آنے والی ہے، کون سی پاکیزہ روحیں آج اللہ کی مہمان بننے والی ہیں، وہ کون سے رخشندہ چہرے ہیں جو آج اپنے رب سے ملنے والے ہیں، وہ کون خوش نصیب ہیں جو آج سید الشہداء سیدنا حمزہؓ بن عبد المطلب کے لشکر میں شامل ہونے والے ہیں، یہ کون قابل رشک لوگ ہیں جن کی برسوں سے مچلنے والی تمنا آج رب کعبہ پوری کرنے والے ہیں، یہ کون ہیں جن کا پاکیزہ لہو آج ستاروں پہ جگمانے کو ہے...... کسی کو کچھ معلوم نہ تھا آج کس کی باری ہے۔ دن عافیت سے گزرا مغرب کا وقت ہوا مومنانِ باوقار اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوئے، نماز باجماعت کا اہتمام ہوا، سترہ سالہ حافظ عبد الرحمن شہید (راجہ محمد حمزہ برادرِ اصغر استاد احمد فاروق شہید) امامت کروا رہے ہیں، ان آیات کی تلاوت کی جا رہی ہے:

> وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ○ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ (سورۃ آل عمران: ۱۶۹، ۱۷۰)
>
> ”جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ مت کہو، وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں (پاکیزہ) رزق دیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو اپنا فضل دے رکھا ہے وہ اس سے بہت خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں ان لوگوں کی بابت جو اب تک ان سے نہیں ملے، ان کے پیچھے ہیں، اس پر کہ نہ ہی انہیں کوئی خوف ہے نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔“

نماز ختم ہوئی۔ کچھ مصروف دعا و اذکار ہیں کچھ سنتوں میں مصروف ہیں۔ طیارے اچانک سے نیچی پرواز پہ آتے ہیں اور ایک آواز فضاء میں گونجتی ہے جلدی سے مجاہدین مرکز نکل کر......

(باقی صفحہ نمبر 67 پر)

سُلطانئ جمہور

علی بن منصور

صولت بیگم کی نسرین سمیت گھر واپسی بالآخر وہ قفل توڑنے میں کامیاب ہوگئی جو ولید کی کمرہ بندی کے معاملے پر سب کی زبانوں پر لگا ہوا تھا۔ یہ جان کر کہ ولید اپنے ہی گھر میں اپنے کمرے میں 'گرفتار' ہے، ان کے تو گویا سر پر لگی، پیروں پر بجھی۔ وہیں لاؤنج میں کھڑے کھڑے بآوازِ بلند وہ بے بھاؤ کی سنائیں کہ فاطمہ اور نبیلہ تو اپنی جگہ، نسرین بھی کمرے سے اٹھ کر آنے پر مجبور ہوگئی۔ فائزہ بیگم جو ان کی واپسی پر ان سے حال احوال پوچھنے اور ان کی غیر موجودگی میں گھر میں ہونے والے واقعات و تبدیلیوں کے بارے میں اپڈیٹ کرنے آئی تھیں، وہ بھی غم وغصّے کے اس اظہار میں شریک ہوتے ہوئے ہمدردانہ بولیں:

"......اور کیا آپا!......اتنا بھی لحاظ نہ کیا کہ بچے کے سر کا زخم بھی ابھی ٹھیک نہیں ہوا......لے کر کونے میں ڈال دیا ہے اسے......!"۔ اس تبصرے نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا۔ پھر کیا تھا، ہاشی ہاؤس نے صولت بیگم کو اس قدر اشتعال کی حالت میں کم ہی دیکھا ہوگا۔ بلند آواز میں عمیر اور زوار کو پکارتے، بلکہ للکارتے ہوئے وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر بالائی منزل پر پہنچیں۔ سامنے ہی آفس کے دروازے کے پاس زوار کھڑا نظر آگیا۔ پھر جو گرج چمک ہوئی اسے زوار کی شامتِ اعمال ہی کہا جاسکتا ہے، اس کا لحاظ کیا کہ دو چار جھانپڑ اسے رسید نہیں کیے ورنہ الفاظ کے کوڑوں سے تو خوب اچھی طرح دھلائی کر دی۔ زوار نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی اپنے طور پر کچھ کوشش کی مگر......اس کی مزاحمت طوفان کے سامنے تنکے کی بھی حیثیت نہ رکھتی تھی۔ صولت بیگم کسی بھی صورت میں عمیر کی آمد کے انتظار اور ولید کے معاملے پر نظرِ ثانی جیسے کسی وعدے پر اعتماد کرنے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ زوار کو ان کی آنکھوں کے سامنے آفس کے دراز میں رکھی چابی لاتے ہی بنی، نتیجتاً ولید چند منٹ بعد نچلی منزل پر سب کے درمیان بیٹھا تھا جبکہ زوار دانت پیتا، سرخ چہرہ لیے عمیر کے سامنے بیٹھا......(جو صولت بیگم کو سیڑھیاں چڑھتے سن کر ہی اپنے کمرے سے ملحقہ بالکونی میں چلا گیا تھا)......اس کے طعنے اور طنز گھونٹ گھونٹ حلق سے اتار رہا تھا۔ 'دیکھ لیا......؟ لے گئیں آخر اپنے چہیتے کو......! حکومتی پالیسی کی یہ وقعت ہے اس گھر کے لوگوں کے نزدیک......!'

نسرین کی حالت اب پہلے کی نسبت کافی بہتر تھی۔ ڈاکٹروں نے اسے پریشانی اور صدمے سے دور رکھنے کی ہدایات کے ساتھ ڈسچارج کر دیا تھا۔ مگر بقول صولت بیگم 'جو گھر سراپا مسئلہ بن چکا ہو، اس میں فکر و پریشانی اور صدمے سے کیسے بچا جاسکتا ہے......؟!'۔ گھر آکر عبداللہ کی فکر اور یاد اور بھی ستانے لگی۔ اسے اس کے اپنے کمرے میں صولت بیگم نے قصداً جانے سے روک دیا، یہ سوچ کر کہ وہاں عبداللہ کی یاد اور بھی زیادہ ستائے گی، اور اپنے پاس اپنے ہی کمرے میں ٹھہرا لیا۔ مگر عبداللہ کی یادیں، اس کے نقوش تو گھر میں قدم قدم پر بکھرے ہوئے تھے۔ نسرین ہر آہٹ پر چونک چونک جاتی۔ دروازہ کھلنے کی آواز آتی تو بے چینی سے دروازے کی جانب دیکھتی رہتی، نجانے کون آیا ہے......شاید عبداللہ......! کہیں کوئی فون بجتا تو اس کی امیدیں پھر تازہ ہو جاتیں......شاید عبداللہ کی کوئی خبر ہو۔

اگرچہ اسے واپس آئے دو، تین دن ہوگئے تھے مگر زوار یا عمیر سے اس کا ابھی تک آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ نجانے کیوں......شاید لاشعوری طور پر ہی......زوار اس سے منہ چھپاتا پھر رہا تھا۔ اس میں اسے کچھ زیادہ دشواری کا سامنا بھی نہیں تھا کیونکہ نسرین کا زیادہ وقت کوئی نہ کوئی سکون آور دوا کھا کر سونے میں ہی گزرتا تھا۔

تیسرا یا چوتھا روز تھا جب زوار سیڑھیاں اتر کر لاؤنج میں داخل ہوا۔ سامنے ہی صوفے پر نسرین بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ لمحہ بھر کو اس کو دھچکا لگا تھا۔ پیلے چہرے، حلقوں میں دھنسی ویران آنکھوں اور کمزور و مضمحل وجود والی یہ نسرین ہفتہ بھر پہلے والی نسرین لگ ہی نہ رہی تھی۔ ہسپتال میں گزارے گزشتہ ایک ہفتے میں وہ اس نسرین کا سایہ بھی نہ رہ گئی تھی جو اپنی زندگی کی تمام تر مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود جب ہنستی تو دل سے ہنستی......بولتی تو لہجے میں اعتماد جھلکتا، آنکھوں سے امید کی کرنیں پھوٹتیں......اس کا دل تاسف سے بھرنے لگا۔ سمجھ نہ آرہا تھا کہ کیا کیا جائے، سلام کرکے باہر نکل جائے، یا کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں......وہ ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ نسرین جو بے خیالی کے عالم میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی، نے اسے آواز دے ڈالی۔

"......زوار!"، نسرین جیسے کسی خواب سے جاگی تھی، شاید ڈپریشن کے لیے لی جانے والی دواؤں کا اثر تھا، اس کا انداز ایسا کھویا کھویا سا تھا جیسے بند ہوتے دماغ کو حاضر کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ زوار زبردستی چہرے پر مسکراہٹ لاتے نسرین کے پاس جا بیٹھا۔

"کیسی ہیں آپا؟......اب طبیعت کیسی ہے آپ کی؟"، اس نے اپنائیت سے پوچھا۔

"زوار......عبداللہ کا کچھ پتہ چلا...؟"، نسرین نے ہلکی سی آواز میں پوچھا۔ آنکھوں کے گوشے پھر نم ہونے لگے تھے۔ "......عبداللہ کا کچھ پتہ چلا؟......تمہیں پتہ ہے میرا عبداللہ کہاں ہے؟"، وہ بڑی آس سے اس سے پوچھ رہی تھی۔ زوار کے لیے وہاں بیٹھے رہنا دوبھر ہوگیا۔

"......آپا!"، وہ بمشکل گلے میں پھنستی آواز نکال کر بولا۔ "آپا......وہ ٹھیک ہوگا بالکل......بہت خوش ہوگا!......آپ کیوں فکر کرتی ہیں......؟"

”زوار تم چاچو کے بہت قریب ہو......وہ تمہاری بات بہت مانتے ہیں......“، اس نے یکدم زوار کے ہاتھ اپنے نحیف ہاتھوں میں لے لیے، اب وہ امید بھری نظروں سے اسے دیکھتے کہہ رہی تھی، ”......ان سے کہو مجھے میرا عبد اللہ واپس دلا دیں......!“۔

وہ بے اختیار نظریں چرا گیا۔ وہ اسے کیا بتاتا...... کیسے سمجھاتا کہ اس کی اس ذرا سی قربانی سے گھر کو مجموعی طور پر کتنا فائدہ پہنچا ہے۔ اور خود نسرین کے مستقبل کی خوشیوں کے لیے بھی یہ فیصلہ کس قدر ناگزیر اور سود مند ہے۔ عمیر کے دلائل اس کے دماغ میں گونج رہے تھے۔ مانا کہ یہ وقت مشکل ہے......بیٹے سے یوں اچانک جدا ہونا...... لیکن اس ذرا سی بات کو نسرین کو اتنی شدت سے محسوس نہیں کرنا چاہیے۔ بہر حال یہ اکیسویں صدی ہے۔ عبد اللہ اس سے دور ہو کر بھی اس سے کبھی دور نہ ہو گا۔ وہ جب چاہے اسے سن سکتی تھی، وہ محض اس سے ایک فون کال کی دوری پر ہی تو تھا۔ دیکھنا چاہے تو ویڈیو کالنگ کی سہولت موجود تھی...... ملنا چاہے تو کبھی بھی اڑ کر اس تک پہنچ سکتی تھی...... مگر...... نسرین کے کمزور و نحیف ہاتھوں میں دبے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے، اور اس کی آنکھوں میں دیے کی ٹمٹماتی لو جیسی آس سے نظریں چراتے ہوئے...... وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

مانا کہ اس فیصلے سے گھر کو مجموعی طور پر بہت فائدہ پہنچا ہو گا...... مگر نسرین کی صورت میں اس فیصلے نے بہت بھاری تاوان بھی وصول کیا تھا۔

☆☆☆☆☆

جاوید صاحب ہسپتال کی پارکنگ کی طرف جاتے ہوئے مسلسل فون پر مصروف تھے۔ اپنے ایک ماموں زاد بھائی سے بات کرتے ہوئے بھی انہیں کال کے دوران وقفے وقفے سے ہونے والی ’بیپ‘ کی آواز احساس دلا رہی تھی کہ ایک دوسرے نمبر سے کال آ رہی ہے۔ یہ دوسرا نمبر کس کا ہو سکتا ہے، اس بات کا بھی انہیں احساس تھا۔ مگر کیا کرتے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ بیٹنش کئی دنوں سے ان سے ناراض ہے، وہ اسے راضی کرنے کے لیے فرصت نہ نکال پا رہے تھے۔ پچھلا ایک ڈیڑھ ہفتہ یوں گزرا تھا جیسے زندگی کی کشتی طوفانوں میں گھر گئی ہو، اور بقا کی جنگ لڑتے ہوئے شدید ہچکولوں کی زد میں ہو۔ ایسے میں بیوی بچوں کو وقت دینا تو دور کی بات...... ان کے پاس معمولی سلام دعا کی بھی فرصت نہیں تھی۔ کاموں کا انبار اور فکر و پریشانی کا زور اتنا تھا کہ نجانے کتنے دنوں سے انہوں نے ڈھنگ سے بیوی بچوں کی شکل بھی نہ دیکھی تھی۔ حد تو یہ تھی کہ انہوں نے اپنی شکل بھی نہ دیکھی تھی، مستقل ٹینشن اور عجلت کی کیفیات میں وہ جیسے بوکھلائے ہوئے گھر میں داخل ہوتے، چند گھنٹے گزار کر اسی طرح گھبرائے، بولائے ہوئے نکل جاتے۔

ابّا جی کی حالت مسلسل تشویشناک تھی۔ ڈاکٹروں کے مطابق ہنگامی بنیاد پر آپریشن ہی ان کی واحد امید تھی۔ اور ابھی حال ہی میں انہیں معلوم ہوا تھا کہ وہ یہ آپریشن کرانے کی استطاعت کھو چکے ہیں۔ کیا، کیوں اور کیسے کا جواب حاصل کرنے کا یہ وقت نہیں تھا۔ ابھی انہیں فوری طور پر اپنے بوڑھے باپ کی جان بچانے کے لیے پیسہ جمع کرنے کی فکر لاحق تھی۔ چاہے وہ کسی سے قرضہ لے کر ہو، گاڑی یا کوئی دوسرا اثاثہ بیچ کر، یا کوئی اور صورت پیدا کر کے...... ان کا ذہن تیزی سے ان سب امکانات پر غور کر رہا تھا جہاں سے وہ جلد از جلد رقم حاصل کر سکتے تھے۔

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے شفقت بھائی سے ملاقات کا وقت طے کر کے بالآخر انہوں نے کال منقطع کی۔ موبائل ڈیش بورڈ پر رکھنے ہی والے تھے کہ سکرین پر چمکتے میسج نوٹیفیکیشن پر نظر پڑی۔ متعدد مسڈ کالز کے ساتھ ایک اکلوتا پیغام تھا......

”میں اور بچے امّی کی طرف جا رہے ہیں...... لینے مت آئیے گا، رابطہ مت کیجیے گا...... آپ کو آپ کی زندگی مبارک ہو...... اللہ حافظ!“۔

ننھا سا پیغام تھا، مگر دل پر جیسے منّوں برف آ گری۔

☆☆☆☆☆

”ولید صاب......!“، وہ پورچ میں پہنچا ہی تھا جب نذیر نے اسے آواز دی۔ وہ سامنے اس کی بائیک کے پاس کھڑا تھا، جیسے اس کے انتظار میں کھڑا ہو۔ اسے ذرا حیرت سی ہوئی...... نذیر سے اب کم ہی کوئی بات چیت ہوتی تھی۔

”......ہاں؟...... بولو...!“، وہ بائیک کے پاس پہنچ کر ہاتھ میں پکڑا کھانے کا شاپر ہینڈل پر لٹکاتے ہوئے بولا۔ اسے ہسپتال پہنچنے کی جلدی تھی، ذرا دیر پہلے ہی جاوید صاحب نے اسے فون کر کے جلدی آنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ بائیک سٹارٹ کر چکا تھا اور نذیر پاس ہی کھڑا تذبذب کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کو مسلسل خاموش دیکھ کر ولید نے استفہامیہ انداز میں ابرو اچکائی۔

”وہ...... کچھ نہیں جی...... بس بائیک کے تیل پانی کا پوچھنا تھا......“ وہ گڑبڑا کر بولا۔

”اچھا!...... بندے کا تیل پانی پوچھنے کا تو خیال نہیں آیا تمہیں...... بائیک کا اتنا خیال......؟ یا یہ بھی تمہارے لیڈر کی ہدایات ہیں جن پر تم آنکھیں، ناک، کان اور دماغ سب بند کر کے عمل کرتے ہو......؟“، اس کے طنز پر نذیر کے چہرے کا رنگ واضح طور پر بدلا، مگر وہ جواب میں کچھ نہ بولا۔

ولید بائیک کا رخ گیٹ کی جانب موڑ رہا تھا۔ جی میں آیا کہ نذیر کو مزید بھی کچھ کڑوی کسیلی سنا دے، مگر یہ سوچ کر یہ خیال جھٹک دیا کہ نذیر بہر حال ملازم ہی تھا، اسے کیا الزام دینا۔ روزی روٹی کی خاطر دوسروں کے اشاروں پر چلنے والا...... جس کی عقل اور فکر کی ڈور پیٹ سے بندھی ہوئی تھی۔ بھلا جب عقل و شعور رکھنے والے آزاد انسان صحیح اور غلط میں تمیز نہ کر سکیں تو غم دوراں میں جکڑے، غریب و مجبور، کمزور لوگوں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ صحیح اور غلط، ظلم اور عدل کی تفریق کو اپنے مفادات پر ترجیح دیں گے، نادانی نہیں تو کیا ہے۔ ہیلمٹ پہن کر اس نے

بائیک کو کِک لگائی اور ریس دینے ہی والا تھا جب یکدم نذیر نے آگے بڑھ کر ہینڈل پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے روک لیا۔

”ارشد صاحب عبد اللہ کو اس ہفتے اپنے ساتھ لے جائیں گے ولید بھائی......! پانچ دن بعد جہاز کی ٹکٹنگ کرائی ہے انہوں نے......“، وہ دوسرے ہاتھ سے پیشانی مسلتے ہوئے یوں بولا جیسے اپنی مرضی کے خلاف یہ بات اگل دینے پر مجبور ہو گیا ہو۔

☆☆☆☆☆

ابو بکر اور عثمان ہاشمی، دونوں اکٹھے گھر پہنچے۔ دونوں کے چہرے سنجیدہ و سنگین تھے۔ کچھ تھا جو انہوں نے طے کر لیا تھا۔ شاید ضبط کی کوئی تار تھی، جو بالآخر ٹوٹ گئی تھی۔ عثمان صاحب کو گاڑی سے نکل کر وہیل چیئر پر بیٹھنے میں مدد کراتے ہوئے ابو بکر صاحب کا ہاتھ ان کے کندھے پر ٹھہر گیا۔ یہ تسلّی دینے کا انداز تھا یا ان سے حوصلہ حاصل کرنے کی کوشش...... عثمان صاحب نے اپنے کندھے پر رکھے اس ہاتھ کو ہلکا سا تھپکا اور گیٹ پر کھڑے گارڈ کو دروازہ کھلا رکھنے کا اشارہ کیا۔ ولید اپنی بائیک پر ان کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا، چند ہی لمحوں بعد اس کی بائیک اندر داخل ہو رہی تھی۔

”زوار کو فون کیا تھا میں نے پارلیمنٹ کا ہنگامی اجلاس بلانے کو......... مگر وہ کہہ رہا تھا کہ آج تو ممکن نہیں، عمیر غالباً گھر میں نہیں ہے۔ کل یا پرسوں رکھ لیتے ہیں......“، وہ بائیک سے اترتے ہی ان کی سوالیہ نظروں کے جواب میں بولا۔

”اجلاس آج ہی ہو گا اور ابھی ہو گا...... تم جاؤ اور جا کر ان دونوں کو بلا کر لاؤ...... اوپر ہی ہوں گے، انہوں نے کہاں جانا ہے“، ابو بکر صاحب فیصلہ کن انداز میں بولے۔ ولید سر ہلاتا اندر کی جانب بڑھ گیا۔

طفیل ہاشمی صاحب کے ویران کمرے میں اداسی ڈیرے ڈالے بیٹھی تھی۔ کتنے دنوں سے کمرے کی کھڑکیوں سے پردے نہیں ہٹائے گئے تھے، سورج کی روشنی اور تازہ ہوا سے محروم، کمرہ اپنے مکین کے بغیر خاموش و سوگوار تھا۔ اندر داخل ہو کر ابو بکر صاحب نے کمرے کی لائٹ جلائی۔ گو کہ عین دوپہر کا وقت تھا، مگر انہوں نے کھڑکیوں کے پردے ہٹانے کی کوشش نہ کی۔ عثمان صاحب اپنی وہیل چیئر چلاتے ہوئے کمرے کے وسط میں آ رکے۔ کونے میں رکھا ابّا جی کا بیڈ خالی پڑا تھا۔ ایک زمانہ وہ بھی تھا جب وہ سب اس کمرے میں اپنی محفل جماتے اور ابّا جی کسی شہنشاہ کی طرح اپنے تخت پر رونق افروز ہوتے۔ خالی بیڈ اور خالی کمرہ گزرے ایام کی رونقوں کا مقبرہ محسوس ہو رہا تھا۔ انہیں یاد آیا یہیں سے، اسی کمرے سے تو سارے قصّے کا آغاز ہوا تھا۔

وہ دونوں خاموش اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ ابو بکر صاحب باقی افراد کے انتظار میں کمرے میں ٹہلنے لگے۔ کمرے کی ایک دیوار پر بنی کتابوں کی الماری سے جھانکتی ضخیم کتابیں چپ چاپ دم سادھے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ الماری کے ساتھ اور مطالعے کی میز کے عین اوپر، دیوار پر ایک نمایاں مقام پر لگا نوٹس بورڈ خالی تھا۔ وہ طرح طرح کی چھوٹی موٹی پرچیاں، جن پر ہاشمی صاحب کی نفیس تحریر میں ضروری باتیں، یادداشتیں اور پسندیدہ اشعار یا اقتباسات نوشتہ ہوتے...... وہ سب غائب تھیں۔ بورڈ خالی تھا...... ماسوائے ایک بڑے سے کاغذ کے جو بورڈ کے عین وسط میں چسپاں تھا۔

”آئین و دستور برائے اسلامی جمہوریہ ہاشمی ہاؤس“

ابو بکر صاحب کمر پر ہاتھ باندھے اس کے عین سامنے آ کر ٹھہر گئے۔ سفید کاغذ پر نمایاں فونٹ میں لکھی اس تحریر پر گرد کی ایک تہہ جمی تھی۔ گویا عرصے سے اسے جھاڑ پونچھ نصیب نہ ہوئی تھی۔ یہی تحریر تھی، جس نے آج سے تقریباً دو سال قبل اس گھرانے کے لیے رہبر و رہنما کا کردار اپنایا تھا۔ وہ سب آنکھیں بند کر کے اس راستے پر چلنے لگے، اور سیدھا مستقیم راستہ کب بھول بھلیّوں میں تبدیل ہوا، کب وہ بھٹک کر اس کے داؤ پیچ میں کھو گئے، انہیں خبر نہ ہو پائی۔ وہ تحریر پر نظریں جمائے سوچ رہے تھے۔

کیا آج ان کے تمام تر مسائل کی جڑ یہی تحریر تھی؟ کیا ان کی پریشانیوں کا سبب جمہوریت ہی تھی؟ وہ نظام جو عدل و انصاف، مساوات و برابری اور عوام کی خواہشات کو ہی اپنی ترجیح، اپنا نصب العین اور اپنا مطلوب و مقصود بتاتا تھا۔

اگر انسان پر اس کی اپنی حکمرانی نہ ہو گی تو کس کی ہو گی؟ وہ کون ہے جو حکمرانی کا اصل اہل ہے؟

صرف اللہ!...... خالقِ ذوالجلال، پیدا کرنے والا، انسانوں کو گھڑنے والا...... ان کے مزاج اور طبیعتوں کا خالق...... ان کو ان سے بڑھ کر جاننے پہچاننے والا...... ان کی ضروریات و حاجات کا محرم...... ان کی دنیوی و اخروی بھلائی سے سب سے زیادہ واقف......!

مگر اللہ کی یہ حکومت کیسے ہو گی؟ اس کی ظاہری صورت کون اختیار کرے گا؟

وہی جو ہر گروہِ انسانی میں سب سے بڑھ کر اللہ کے قریب ہو۔ جو سب سے زیادہ اس کا مطیع فرمان، اس کا عاجز بندہ، اس کا خوف و خشیت، اس کی رضا و محبت کے حصول کی طلب دل میں رکھنے والا ہو۔ جو سب سے زیادہ متقی ہو، اس سے ڈرنے والا ہو...... ایمان و تقویٰ کے ساتھ ساتھ دنیاوی سمجھ بوجھ بھی رکھتا ہو۔ اس کا نائب، اس کا نمائندہ...... اس کا خلیفہ۔ وہ اور اس کے ساتھ اس جیسے دیگر صالح، متقی اور سمجھ بوجھ رکھنے والے افراد...... اہل حل و عقد۔

اور وہ کیسے حکومت کرے گا؟ اس کی حکومت کے خد و خال کیا ہوں گے؟

اللہ کی نازل کردہ شریعت سے......! احکام وہدایات کے اس مجموعے سے جس کے ذریعے آخری پیغمبر (علیہ الصلاۃ والسلام) کے زمانے سے لے کر آج سے چند صدیاں پیشتر مسلمان حکمرانوں نے حکومت کی......! نظم ونسق بنایا، سلطنتیں قائم کیں......عدل وانصاف کا نظام کھڑا کیا......

وہ حیران تھے...... آج یہ جواب کہاں سے امڈے چلے آرہے تھے۔ کیا واقعی شریعت کا نظام آج کی دنیا سے مطابقت پیدا کر سکتا تھا؟ کیا وہ آج کی جدید دنیا کے ساتھ synchronize ہو سکتا تھا؟! جواب ایک بار پھر گویا خود چل کر سامنے آگیا......

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری، قصۂ جدید و قدیم

اکثریت......بیوقوف، کم فہم، جذباتی اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلنے والی اکثریت......جو ہمیشہ ہی انہی اوصاف کی حامل ہوتی ہے......اسی اکثریت کے پیچھے چل کر گمراہ ہوئے تھے وہ......! اکثریت......جو حاکم نہیں، محکوم پیدا کی گئی ہے۔ جسے موڑا جا سکتا ہے، جسے ڈھالا جا سکتا ہے، جسے اپنے مقاصد واہداف حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے......اس سے پوچھ پوچھ کر چلنا شروع ہوئے، تو وہ جو اس لیے پیدا کی گئی تھی کہ اسے govern کیا جاتا، اقتدار واختیار اس کے ہاتھ میں آیا تو وہ سب ہی بلا تفریق اس کی چکّی میں پس گئے۔ اکثریت کے ظلم واستبداد نے ان کا گھرانہ تباہ کر دیا تھا۔ اکثریت کی خواہشات کی پیروی نے انہیں اس مقام پر پہنچایا تھا۔ کیونکہ اکثریت تو ہمیشہ ہی نادان ہوتی ہے۔ راہ دکھانے والا، سب کو جوڑ کر رکھنے والا، قوموں کا رہنما و قائد تو کوئی ایک ہی ہوتا ہے۔ جیسے ریوڑ کا رکھوالا، جیسے کشتی کا ملّاح......

کمرے کا دروازہ کھلا۔ ولید، زوار، اویس اور نبیلہ اندر آرہے تھے۔ ولید کے چہرے پر اطمینان کی جھلک واضح تھی، اویس اور نبیلہ کے چہروں پر تجسس، جبکہ زوار کسی قدر جھنجھلایا ہوا نظر آرہا تھا......وہ سب کمرے میں اپنی اپنی مخصوص جگہوں پر جا بیٹھے۔ کسی نے بولنے یا کچھ کہنے کی کوشش نہ کی۔ سب ہی اجلاس شروع ہونے کے منتظر تھے۔ چند ہی منٹ بعد دروازہ ایک بار پھر کھلا، اور اب کی دفعہ عمیر اور اس سے چند قدم پیچھے......نذیر اندر داخل ہوئے۔

”اب چونکہ ہم سب یہاں جمع ہو چکے ہیں تو اجلاس شروع کرتے ہیں......“، ابو بکر صاحب نے بغیر کسی تمہید کے بات کا آغاز کیا۔ ”آپ سب دیکھ سکتے ہیں کہ آج ہماری پارلیمنٹ کے دو ارکان ہمارے درمیان موجود نہیں...ان میں سے ایک کی غیر موجودگی کا سبب یہ ہے کہ وہ ہسپتال میں زندگی وموت کی جنگ لڑ رہے ہیں...... آج ہم سب یہاں انہی کی خاطر جمع ہوئے ہیں......!“۔

”......بہتر ہو گا اگر میں آپ سب پر کچھ پس منظر واضح کر دوں۔ بعض باتوں سے تو یقیناً آپ سب واقف ہی ہوں گے البتہ......بعض باتیں آپ کے لیے نئی ہوں گی......!“، وہ حاضرین میں سے ہر ایک کے چہرے پر نظریں دوڑاتے، قدرے توقف کے بعد بولے، ”......ہمارے گھریلو حالات ایک طویل عرصے سے بد سے بدتر کی جانب جا رہے ہیں......ہمارے ’سربراہان‘ کی کوششوں کے باوجود ہمیں حالات میں بہتری تو دور کی بات، اس کے آثار بھی نظر نہیں آ رہے......! اور گزرے چند دنوں میں جو کچھ اس گھر اور اس کے مکینوں پر بیتی ہے......اس سے آپ سب واقف ہیں......“۔

کمرے کے کھلے دروازے سے صولت بیگم نے اندر جھانکا۔ ان سب کو وہاں جمع دیکھ کر وہ بھی خاموشی سے اندر آ گئیں اور قالین پر پیچھے کو ہو کر بیٹھ گئیں۔ کسی نے ان کی آمد کا نوٹس نہیں لیا۔ وہ سب ابو بکر صاحب کی طرف متوجہ تھے۔

”گزشتہ دنوں کے واقعات سے سب سے زیادہ متاثر ہونے والا شخص......میرے اور آپ کے والد ہیں۔ آپ کے دادا ہیں۔ اس گھر کی اساس...اس کی بنیاد اور جڑ ہیں۔ وہ شخص جس نے اپنی پوری زندگی کی محنت اور سخت جدوجہد سے ہمیں اس دنیا میں ایک قابلِ عزت مقام دلایا......ہمیں وہ بنایا جو آج ہم ہیں......! آج وہ شخص ہمارے ہی دیے زخم کھا کر ہسپتال میں ایک بستر پر پڑا ہے۔“

”اس وقت ان کی زندگی اور صحت کے لیے واحد امید کی صورت ان کا جلد از جلد دل کا آپریشن کرانا ہے۔ ظاہر ہے کہ آپریشن مہنگا ہے، ایک بڑا خرچہ ہے......جس کے لیے ہم نے اس گھر کے سربراہ سے مطالبہ کیا کہ وہ گھریلو فنڈز استعمال کرتے ہوئے ابّا جی کے علاج کے لیے رقم فراہم کرے“، ایک بار پھر وہ رکے، سب کی نظریں عمیر کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ عمیر نے ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سینے پر ہاتھ باندھ لیے، مگر بولا کچھ نہیں۔ ”مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ سربراہِ خانہ نے ہر قسم کے تعاون سے صاف انکار کر دیا......! قطعِ نظر اس بات سے کہ ابّا جی کا علاج کرانا بالاصل سربراہِ خانہ ہی کی ذمہ داری ہے......قطعِ نظر اس بات سے کہ یہ ایک شخص کی زندگی اور موت کا معاملہ ہے......!! قطع نظر اس بات سے کہ وہ شخص ہمارا باپ ہے...!!“، ان کی شکوہ کرتی نظریں عمیر پر جمی تھیں۔ کمرے میں بڑھتا ہوا جذباتی ہیجان محسوس کیا جا سکتا تھا۔

”سربراہِ خانہ سے مایوس ہو کر ہم نے دوسرے ذرائع پیدا کرنے کی کوشش کی......“، ابو بکر صاحب بات جاری رکھتے ہوئے بولے۔ ”......ہمارا...یعنی میرا، عثمان اور جاوید کا ایک مشترکہ اکاؤنٹ تھا، جو ہم نے امّی جان کے نام پر کھلوایا تھا۔ اس ارادے سے کہ اس میں رازداری سے پیسے جمع کریں گے اور پھر ان پیسوں سے دین اور قوم کی خدمت کے لیے کوئی مسجد بنائیں گے، جو ہمارے اور ہمارے والدین کے لیے صدقۂ جاریہ بنے......اس میں ایک قلیل رقم تھی، مگر ہماری موجودہ ضرورت پوری کرنے کے لیے کافی تھی......مجبور ہو کر، نہ چاہتے ہوئے......دیگر ذرائع سے مایوس ہو کر ہم نے وہ رقم استعمال کرنے کا فیصلہ کیا......مگر جب اکاؤنٹ سے پیسے نکلوانے چاہے تو پتہ چلا کہ......اکاؤنٹ تو بالکل خالی ہے......!“۔

کمرے میں موجود نفوس کے چہروں پر حیرت اور صدمے کی تحریر واضح تھی۔ میز کے قریب پیچھے بیٹھی صولت بیگم، نسرین، زین، فاطمہ اور فائزہ بیگم حیرانی و پریشانی کے عالم میں یہ سب سن رہے تھے۔ وہ سب کب اندر آئے، ماسوائے ولید کے کسی کو پتہ نہیں چلا۔ وہ بھی خاموشی سے پیچھے بیٹھتے گئے۔

''...... یہ اس اکاؤنٹ سے ہونے والی ٹرانزیکشنز (transactions) کی تفصیل ہے...... جو ہم ابھی بنک سے لے کر آئے ہیں......''، ابو بکر صاحب نے ہاتھ میں پکڑا ایک کاغذ ان کے سامنے لہرایا اور سامنے بیٹھے، خاموشی سے ان کی باتیں سنتے عمیر کی جانب بڑھا دیا۔

''...... بائیس لاکھ روپے!!...... اس اکاؤنٹ سے اکٹھے بائیس لاکھ روپے نکلوائے گئے ہیں!!''، عمیر حیرت سے بولا۔ ''میرے خدا...! اتنا بڑا غبن!...... آخر یہ کس کا کام ہے؟''۔

''...... بالکل یہی سوال ہم تم سے کرنا چاہتے ہیں عمیر''، ابو بکر صاحب ہموار لہجے میں بولے۔

عمیر چند ثانیے سوچتی نظروں سے ان کو دیکھتا رہا، پھر شانے اچکا کر بولا، ''بھائی جان اگر آپ مجھ پر الزام لگانے کی کوشش کر رہے ہیں...... تو یہ کوشش انتہائی بوگس ہے۔ یقیناً آپ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ اس اکاؤنٹ سے پیسے سابقہ حکومت کے دور میں نکلوائے گئے ہیں......! اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سربراہِ خانہ ہونے کی حیثیت سے ہر راز کی تحقیق بھی میری ذمہ داری ہے تو بھی میں معذرت خواہ ہوں...... کیونکہ میں ایسا نہیں سمجھتا! میں سربراہِ خانہ ہوں...... شرلاک ہولمز نہیں!''۔

بیک وقت سب کی نظریں نبیلہ کی طرف اٹھی تھیں۔ اور نبیلہ...... سفید پڑتے چہرے کے ساتھ متوحش سی انہیں دیکھ رہی تھی۔

''پچھلی حکومت کرپٹ تھی، یہ تو ہمیں پتہ تھا...... لیکن اس قدر کرپٹ ہونے کا تو سوچا بھی نہ تھا...''، اویس تنفر سے نبیلہ کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

''جھوٹ ہے یہ سب...... بکواس ہے! میں نے کوئی پیسے نہیں نکلوائے بینک سے...... مجھے تو اس اکاؤنٹ کا پتہ تک نہ تھا......! مجھے تو چاچو نے بتایا اس کا......! اِن کا...''، وہ عمیر کی طرف ایک لرزتی ہوئی انگلی اٹھا کر بولی، ''اِنہی کا مشورہ تھا کہ مجھے وہاں سے پیسے نکلوانے چاہییں...... کیونکہ اِنہوں نے بینک سے جو پچیس لاکھ کا قرضہ لیا تھا، وہ سب یہ اڑا چکے تھے...... اور بینک والے اپنے پیسے واپس مانگ رہے تھے...... اگر میں انہیں ان کے پیسے نہ لوٹاتی تو وہ ہم سب کو سڑک پر لے آتے......!''۔

عمیر کا قہقہہ بے ساختہ تھا، وہ یوں دلچسپ نظروں سے نبیلہ کی جانب دیکھ رہا تھا جیسے اس کی بات سے بے حد محظوظ ہوا ہو۔ ''اور اب یہ بھی کہہ دو کہ اس گھر میں ڈاکہ بھی چاچو نے ڈلوایا......! عثمان بھائی کو گولی بھی چاچو نے ماری......! فائزہ باجی اور بینش بھابھی کا سونا بھی میں نے چرایا......! اور کیا کچھ کیا میں نے... تمہاری الف لیلیٰ کے مطابق؟''۔

''...... یہ سب سچ ہے!......''، نبیلہ کی آنکھوں میں بے بسی سے آنسو آ گئے، ''آپ جانتے ہیں میں سچ کہہ رہی ہوں...... آپ ہی نے کیا یہ سب کچھ...! میرے پاس اس کے ثبوت موجود ہیں!''۔

''تو پیش کرو اپنے ثبوت......''، عمیر چیلنج کرتا ہوا بولا۔

''پیش کریں گے عمیر...... سب پیش کریں گے! لیکن ابھی نہیں''، عثمان صاحب مداخلت کرتے ہوئے بولے۔ ''...... ابھی ہم یہاں کسی مقدمے کا فیصلہ کرنے اکٹھے نہیں ہوئے۔ گو کہ تمہارے خلاف ایک نہیں، بہت سے مقدمات جمع ہیں...... مگر ان پر بعد میں فرصت سے بیٹھ کر بات کریں گے اور ان کا فیصلہ کریں گے...... ابھی تم یہ بتاؤ کہ کچھ ہی عرصہ پہلے تم نے معاشی تنگی کا رونا رو کر بینک سے کافی بڑی رقم کا قرضہ حاصل کیا تھا...... وہ سب کہاں ہے؟ جو پیسے ہر مہینے کاروبار سے آتے ہیں اور تمہارے پاس جمع ہوتے ہیں...... وہ کہاں ہیں؟ ابّا جی کے آپریشن کے لیے رقم چاہیے...... اور اس رقم کا انتظام تم ہی کرو گے!''

''...... آمدن اور خرچ کا سارا حساب فائلوں میں لکھا ہے...... جب چاہے دیکھ لیں......''، عمیر بے زاری سے بولا۔

''...... ہمیں حساب مت دکھاؤ...... آنکھیں رکھتے ہیں ہم، نظر آ رہا ہے کہ کتنا اس گھر پر خرچ ہوتا ہے اور کتنا جیبوں میں غائب ہو جاتا ہے......''، ابو بکر صاحب کا لہجہ غیر معمولی طور پر سخت تھا۔ ''ابّا جی کے علاج کے لیے رقم کا بتاؤ...... وہ کہاں سے ملے گی؟''۔

''ہاں ایک راستہ ہے میرے پاس......''، عمیر کے الفاظ پر وہ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے، ''...... ہم ارشد سے کہتے ہیں کہ وہ دیگر قسطوں کی ادائیگی بھی فوری طور پر کر دے تو ابّا جی کے علاج کے لیے رقم بھی مل جائے گی...... اور کسی کے سامنے ہاتھ بھی نہ پھیلانا پڑیں گے......''، وہ اس زبردست آئیڈیا پر داد طلب نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

ابو بکر صاحب کا چہرہ ضبط سے سرخ پڑ گیا۔ ولید جو بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھنے لگا تھا، عثمان صاحب کے اشارے پر دوبارہ بیٹھ گیا۔ زوار نے اپنی جگہ بے چینی سے پہلو بدلا...... نجانے کیا نتیجہ نکلنے والا تھا آج......

''تم...... میری توقع سے بڑھ کر کمینے اور ذلیل واقع ہوئے ہو......! دفع ہو جاؤ میری نظروں سے...... بے غیرت انسان!!''، ابو بکر صاحب ضبط کھوتے ہوئے بلند آواز میں دھاڑے۔

''اونہہ!...... مجھے گالیاں دینے کے بجائے بہتر ہو گا کہ اپنی بیٹی کو سمجھائیں......! جس کی بیوقوفانہ ضد پوری کرنے کے لیے آپ کو اب ابّا جی کی جان کی پروا بھی نہیں رہی...... مگر یاد رکھیں! اگر ابّا

جی کو کچھ ہوا...... تو اس کا ذمہ دار میں نہیں، بلکہ آپ ہوں گے......!''، وہ ایک انگلی اٹھا کر انہیں دھمکا رہا تھا۔

''اور تم......؟! تم تو جیسے دن رات ایک کیے ہوئے ہو ابّاجی کی خاطر...... ان کے علاج کے لیے پیسے اکٹھے کر رہے ہو......ہے ناں؟ تم جو ایک بار بھی ...... دنیا دکھاوے کو ہی سہی...... ہسپتال میں انہیں دیکھنے تک نہیں آئے...... پھر بھی، ابّاجی کو کچھ ہوا تو ذمہ دار میں ہوں گا......؟''، وہ انگوٹھے سے اپنے سینے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''کم از کم میں ابّاجی کے لیے قابلِ عمل حل تو ڈھونڈ تا ہوں ناں...... کیا ہوا جو ان کے کمرے کے باہر بیٹھ کر میں نے نمبر نہیں بنائے...... میں وہ راستہ بتا رہا ہوں جس کے ذریعے ابّاجی صحتمند اور تندرست ہو کر واپس ہمارے درمیان آ سکتے ہیں......''، وہ ڈھٹائی سے بولا۔ ''...... مگر ہمیشہ کی طرح یہ آپ کی ضد ہے کہ آپ جمہور کی خواہشات کے خلاف ہی چلیں گے...... اپنی رائے اور مرضی کو سب کی مجموعی فلاح اور بہتری کے اوپر ترجیح دیں گے......! محض اپنی بیٹی کی ضد پوری کرنے کے لیے، آپ آج عبد اللہ کے حق میں بھی برا کریں گے اور ہاشمی ہاؤس کے تمام افراد کے حق میں بھی...... رہے ابّاجی، تو ان کی آپ کو کیا پروا...... وہ جئیں یا مریں...... آپ کی ضد پوری ہونی چاہیے۔''

''تم عمیر...... انسانیت کے نام پر ایک دھبہ ہو...... جس کے دل میں رشتوں کا کوئی تقدس ہے نہ احترام...... اپنی خواہشات اور مفادات کی تکمیل کے لیے بار بار ابّاجی کا نام مت لو...... ہم سب بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ ابّاجی کی کیا قدر و قیمت ہے تمہارے نزدیک......''، اس بار عثمان صاحب آگے بڑھ کر بولے۔ ان کے لہجے سے ان کا غصّہ و نفرت عیاں تھی۔

''میں اس گھر اور اس گھر کے لوگوں کے لیے اپنی جان بھی دے دوں، تو بھی آپ یہی کہیں گے...... عثمان بھائی! حقیقت یہ ہے کہ آپ کو اور ابو بکر بھائی کو کبھی یہ بات ہضم ہی نہ ہوئی کہ میں اس گھر کی اکثریت کا چنا ہوا لیڈر ہوں...... ان کا جمہوری سربراہ...... میں نے ہمیشہ جمہوریت کے اصولوں کی پاسداری کی ہے، اس گھرانے کو ہر مشکل، ہر بحران سے نکالا ہے...... اور جب آپ لوگ ہر مسئلے کے حل کے لیے اپنے خود ساختہ 'غیرت'، 'ایمان' اور 'دینداری' کے پیمانوں کو لیے بیٹھے تھے، میں نے آگے بڑھ کر پریکٹیکل...... قابلِ عمل اور مفید حل نکالے ہیں......''، عثمان صاحب کی آنکھوں سے جھلکتی حقارت نے اسے آگ بگولا کر دیا تھا، ''...... آپ کو ایک فرد کا غم ستاتا ہے...... مگر میں جمہور کا فائدہ دیکھتا ہوں، سب کی خیر اور بھلائی کا سوچتا ہوں......۔ آپ محض اپنی عقل اور سمجھ سے فیصلہ کرتے ہیں...... میں سب کی خواہشات اور امنگوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرتا ہوں...... کیوں؟!...... کیونکہ ہم ایک جمہوریت ہیں......!!''۔

''تو پھر عمیر......''، ابو بکر صاحب سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے، ''...... بھاڑ میں گئی تمہاری جمہوریت......! اب یہاں سے دفع ہو جاؤ!''۔

☆☆☆☆☆

''ڈئیر زوار!

میں جا رہا ہوں۔ گھر کے حالات پہلے جیسے نہیں رہے۔ تم بھی جانتے ہو کہ ہاشمی ہاؤس میں مزید رہنا اب سوائے بیوقوفی کے کچھ نہیں...... اور میں جو کچھ بھی ہوں، بیوقوف ہرگز نہیں ہوں۔ تمہیں ساتھ لے جانا چاہتا تھا، مگر پیارے...... تم میرے ساتھ مستقل کینیڈا منتقل ہونے پر راضی نہ ہوتے، الٹا مجھے بھی روک لیتے۔ اس لیے میں اپنے ساتھ تمہارے کاغذات نہ بنوا سکا۔

بہر حال...... اب یہاں سے جانے کا وقت آ گیا ہے۔ اس گھر کے مکینوں کو میری ضرورت نہیں۔ میرے بھائیوں نے ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر مجھے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال دیا ہے...... مگر اس بار مجھے گلہ نہیں، بلکہ خوشی ہے کہ ان کی تمام سابقہ زیادتیوں کے جواب میں، میں نے بھی ان سے اپنا حصّہ مع سود وصول کر لیا ہے۔

تم ناراض مت ہونا کہ تمہیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ یار! کیا کروں...... مجبوری ہے۔ ساتھ لے جا نہیں سکتا۔ پھر بھی میں جانتا ہوں کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ تم چند دن کسی دوست کے پاس گزار لو، گھر میں ابھی سب کے جذبات مشتعل ہیں، سب ذرا ٹھنڈے ہو جائیں تو ہر بات بھول بھال جائیں گے...... پھر تم آرام سے واپس آ جانا۔ ویسے میں بھی کوشش کروں گا کہ یہیں سے تمہارے کاغذات بنوا لوں اور تمہیں اپنے پاس بلا لوں...... اگر تم چاہو تو!۔

اچھا یار! دعا کرنا...... خیریت سے کینیڈا پہنچ جاؤں پھر تم سے رابطہ کروں گا۔

تمہارا اپنا،

عمیر''

اس نے زور سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔ مٹھی میں دبا چھوٹا سا رقعہ چرمرا کر رہ گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑکی کی طرف آ گیا۔ نجانے کیوں دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ کھڑکی کھول کر وہ گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ دماغ ماؤف سا ہو رہا تھا۔

عمیر چلا گیا تھا...... وہ اکیلا رہ گیا تھا۔ اسے لگا جیسے وہ کوئی ننھا سا بچہ ہو جو بھیڑ میں اپنی ماں سے بچھڑ گیا ہو۔ مگر وہ بچھڑا تو نہیں تھا...... عمیر تو اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ 'بروٹس!'، وہ تلخی سے بڑبڑایا۔ آخر اس میں اتنا حیران ہونے والی کون سی بات تھی...... کیا وہ عمیر کو جانتا نہیں تھا...... وہ ایسا ہی تھا...... وہ سب کے ساتھ ایسا ہی کرتا تھا۔ اس نے کب وفا نبھانے کے کوئی وعدے یا دعوے کیے تھے۔ اب بھی وہ ارشد کے ساتھ کیے جانے والے معاہدے کی یہ اہم ترین شق اسے بتانا 'بھول' گیا تھا۔ بیوقوف تو وہ خود تھا، جس نے یہ فرض کر رکھا تھا کہ عمیر اس کے ساتھ غداری

نہ کرے گا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ تو اس کی فطرت میں شامل تھا۔ جو یہ سمجھتا تھا کہ اس کا مفادِ عمیر کو اپنی ذات سے بھی بڑھ کر عزیز ہے۔

اسے پتہ بھی نہ چلا کب آنسو آنکھوں سے نکل کر گالوں پر بہنے لگے۔ یکایک وہ رو رہا تھا۔ کھڑکی کی سِل پر سر ٹکائے، وہ ہچکیوں سے رو رہا تھا......

☆☆☆☆☆

رات کے وقت اپنی والدہ، بہن اور عبد اللہ کے ساتھ ایمپوریم مال میں شاپنگ کرتے اور پھر کھانا کھاتے ہوئے ارشد کو کسی قسم کے تعاقب کا ہلکا سا بھی احساس نہ ہوا تھا۔ وہ کینیڈا جانے سے پہلے ان کو آخری ٹریٹ دے رہا تھا۔ وہاں سے فارغ ہوئے تو رات کے ۱۱ بج رہے تھے۔ عبد اللہ تھکا ہارا ارشد کی گود میں اس کے کندھے سے لگا سو رہا تھا۔ خریدا ہوا سامان گاڑی میں رکھ کر وہ ایمپوریم سے نکلے تو سب خوش اور مطمئن تھے۔ آنے والی گھڑی کی نحوست کی اس وقت کیا خبر تھی......

اپنے گھر کی طرف جاتے ہوئے وہ ایل ڈی اے ایونیو کی طرف مڑے تو جا بجا کھڈّوں کی وجہ سے ارشد نے رفتار آہستہ کر لی۔ رات کے اس پہر سڑک سنسان پڑی تھی۔ اس طویل، اندھیری اور سنسان روڈ پر اس وقت اکّا دکّا گاڑیاں اور موٹر سائیکلیں ہی ہوتی تھیں۔ وہ شیشے چڑھائے، آپس میں ہلکی پھلکی گپ شپ کرتے چلے جا رہے تھے جب پیچھے سے آتی ایک تیز رفتار موٹر سائیکل نے تیزی سے ان کا راستہ کاٹا اور کوئی پچاس گز آگے جا کر سڑک کے عین وسط میں موٹر سائیکل یوں روکی کہ راستہ بلاک ہو گیا۔ ارشد نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی۔ موٹر سائیکل سے اترتے اسلحہ بردار نقاب پوشوں کو دیکھ کر اس کی سٹی گم ہو گئی تھی۔

وہ اسے نیچے اترنے کا اشارہ کر رہے تھے۔ اس نے بے بسی سے رخشندہ بیگم کی طرف دیکھا جو اس ناگہانی صورتحال پر فق چہرے کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ گاڑی کے تمام دروازے لاکڈ اور شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ ایک لمحے کو ارشد نے سوچا کہ وہ اندر ہی بیٹھا رہے، ساتھ ہی اس نے کسی کو مدد کے لیے پکارنے کے لیے جیب سے موبائل نکالا۔ مگر باہر کھڑے پیشہ ور لٹیرے شاید اسی بات کی توقع کر رہے تھے۔ انہوں نے اسے مزید موقع دیے بغیر ہوائی فائر کر دیا۔ رخشندہ بیگم اور پیچھے بیٹھی سندس کی چیخیں نکل گئیں۔ شور شرابے سے عبد اللہ بھی جاگ گیا تھا اور ڈر کے مارے پورے زور و شور سے رو رہا تھا۔

"باہر نکلو ہیرو......! اور مزید ہوشیاری دکھانے کی کوشش نہ کرو!......"، ایک نقاب پوش نے سخت لہجے میں ارشد کو اشارہ کیا۔ ناچار وہ دروازہ کھول کر اتر گیا۔

"گاڑی کی چابی حوالے کرو......!"، پہلے نقاب پوش نے چابی کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ دوسرا نقاب پوش تیزی سے آگے بڑھ کر اس کی تلاشی لے رہا تھا۔ اس کا والٹ، موبائل، گھڑی......سب چیزیں اتار کر وہ ساتھ لائے تھیلے میں ڈال رہا تھا۔ ایک منٹ سے بھی کم وقت میں ارشد سے فارغ ہو کر اس نے گاڑی میں بیٹھی خواتین کی طرف اشارہ کیا۔

"جلدی سے سب قیمتی سامان اس میں ڈال دو......"۔ رخسانہ بیگم کا زیور اور سندس کا موبائل اور والٹ لیتے ہوئے ایک نقاب پوش ڈاکو نے عبد اللہ کی طرف اشارہ کیا۔ "اس کو بھی لے چلو استاد......کم از کم اس کا شور تو بند ہو......!"۔

موٹر سائیکل پر بیٹھے ہوئے ان کے تیسرے ساتھی نے آواز دی، "......ہاں استاد! موٹی آسامی ہے......لے چلو! مگر جلدی کرو......!"۔

"ٹھیک ہے......اٹھاؤ اس کو اور چلو......!"، استاد نے گویا فیصلہ سنایا اور قبل اس کے کہ ارشد کوئی احتجاج کر پاتا، ایک نقاب پوش ڈاکو بڑے آرام سے عبد اللہ کو گود میں اٹھا کر واپس اپنی موٹر سائیکل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"......ٹھہرو!! خدا کے لیے میرے بیٹے کو چھوڑ دو!!......تم سب کچھ لے چکے ہو، بچے کو چھوڑ جاؤ......اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟!"، ارشد بے چارگی سے بولا۔

"چھوڑ جائیں گے استاد......!"، ڈاکوؤں کا استاد اس پر پستول تانے الٹے قدم اپنے ساتھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا، "......تم دو کروڑ روپے تیار رکھنا......یہیں اسی سڑک پر چھوڑ جائیں گے!......فی الحال شکر کرو کہ تمہاری گاڑی ساتھ نہیں لے جا رہے......"۔ اور اس سے پہلے کہ ارشد مزید کچھ کہتا، وہ تینوں نقاب پوش، عبد اللہ کو اپنے درمیان پھنسائے، موٹر سائیکل پر سوار ہو کر رات کی تاریکی کا حصّہ بن چکے تھے۔

ارشد، سندس اور رخشندہ بیگم کے ساتھ بے بسی اور لاچاری کے عالم میں وہیں کھڑا سوچ رہا تھا......جانے کس جرم کی پائی ہے سزا......؟!!

☆☆☆☆☆

محض دو سڑکیں دور وہ دونوں نقاب پوش ایک سنسان گلی کی طرف مڑتے ہوئے اپنے نقاب اتار چکے تھے۔ ان کے درمیان سہما ہوا خوفزدہ عبد اللہ دو چپت کھا کر اب بالکل سُن ہوا بیٹھا تھا۔ گلی میں ایک درخت کے پاس بائیک روکتے ہوئے ایک ڈاکو عبد اللہ کو گود میں لیے اتر گیا۔ اسی وقت ایک شخص دیوار کے سائے سے نکل کر ان کی طرف بڑھا۔

"لے بھائی!......سارا قرض چکا دیا تیرا۔ اب یاد رکھیو، آئندہ ہماری خدمات یوں مفت میں نہیں ملیں گی......یہ تو اگر تیرے احسان نہ ہوتے مجھ پر تو یوں مفت کام کبھی نہیں کرتا میں......"، استاد احسان جتاتے ہوئے بولا۔

نو وارد نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پوچھا، ”ارشد کو شک تو نہیں ہوا؟...... پیچھے تو نہیں آیا تم لوگوں کے؟“۔

”ہمارے پیچھے......؟“، استاد نے قہقہہ لگایا، ”......اتنا بیکار کام نہیں کرتا میں...... ابھی تو اسے وہاں سے ہلنے میں بھی نجانے کتنا وقت لگے گا“، اس نے جیب سے ارشد کی گاڑی کی چابی نکال کر ہوا میں اچھالی اور دوبارہ کیچ کر لی۔ ”یہ سامان جو اس سے لایا ہوں، اس میں سے تجھے حصّہ نہیں دوں گا...... یہ صرف ہمارا ہے......“، وہ اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

”...... تم نے اسے لوٹ بھی لیا......؟! میں نے صرف عبد اللہ کو لانے کو کہا تھا!......“، نو وارد حیرت سے بولا، مگر استاد صرف ہنس کر اور ہاتھ ہلا کر اپنے ساتھی کو بائیک سٹارٹ کرنے کا اشارہ کر چکا تھا۔ اگلے ہی لمحے ان کی بائیک ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔

”...... ہیں تو یہ ڈاکو ہی...... یہی تو ان کا پیشہ ہے۔ اب یہ تو انہوں نے کرنا نہیں تھا کہ بچہ لاتے اور اور خود کوئی فائدہ حاصل نہ کرتے......“، وہ اپنے آپ سے بڑبڑایا۔ اس نے خاموشی سے سہمے کھڑے عبد اللہ کو اٹھا کر پاس کھڑی اپنی بائیک کی ٹنکی پر بٹھایا اور خود بھی ساتھ بیٹھتے ہی بائیک کو کک لگا دی۔

جب سے اس نے عمیر اور ارشد کے درمیان ہونے والی یہ گفتگو سنی تھی جس میں ارشد عبد اللہ کو کینیڈا لے جانے سے پہلے آخری دفعہ نسرین سے ملوانا چاہتا تھا مگر عمیر نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ یہ ملاقات محض مزید مشکلات کا سبب بنے گی، تب سے نذیر کے اندر کسی چیز نے انگڑائی لینا شروع کر دی تھی۔ وہ ولید کو بتا چکا تھا، لیکن جب تک ولید کوئی قانونی کارروائی کرتا، عبد اللہ کینیڈا پہنچ چکا ہوتا، اس لیے اس نے سوچا کہ ماضی کی سیاہیاں مٹانے کے لیے کچھ اچھا کر لے، لیکن یہ اچھا بھی اس نے اپنے انہی ڈاکو دوستوں کے ساتھ مل کر کیا جن کے ساتھ مل کر اس نے عمیر کے کہنے پر پہلے ہاشمی ہاؤس کو لوٹا تھا۔

آدھے شہر کا چکر کاٹ کر گھنٹہ بھر بعد وہ عبد اللہ کو لیے ہاشمی ہاؤس کے باہر رات کے اندھیرے میں کھڑا تھا۔ اس نے فون کر کے ولید کو جلدی سے گھر سے باہر آنے کو کہا۔ ولید گھر سے یہ سوچتے ہوئے نکلا کہ کہیں کسی اور آفت کی خبر لے کر تو نذیر نہیں آ گیا۔ ولید کے گیٹ سے باہر نکلتے ہی نذیر نے ولید کا ہاتھ پکڑا اور اس کو ایک طرف لے گیا۔ عبد اللہ ولید کے سامنے کھڑا تھا اور ولید حیران و ششدر۔

”...... ماموں!!“، عبد اللہ اسے پہچان کر زور سے اس سے لپٹ گیا۔

ولید نے نذیر کی طرف دیکھا تو وہ فوراً سے بول پڑا: ”ولید بھائی...... میں بے ضمیر ضرور ہوں جی...... مگر بالکل بے حس نہیں ہوں...... میرا اپنا بھی چھوٹا سا بچہ ہے...... ماں کے بغیر وہ بھی ادھ موا ہو جاتا ہے...... بس میں نے سوچا جی کہ اس گھر کا نمک بھی کھایا ہے اور نمک حرامی بھی بہت کی ہے تو......“۔

بہر حال اب عبد اللہ ان کے پاس واپس آ گیا تھا۔ ولید تصور ہی تصور میں نسرین کا حیران، خوش اور بے یقین چہرہ دیکھ سکتا تھا۔ لیکن اس نے جلدی میں سوچا کہ آئندہ چند دنوں تک تو عبد اللہ کو گھر میں لے جانا ٹھیک نہیں۔ اس کی بازیابی کی خبر فی الحال صرف اس کے اور نذیر کے درمیان رہنی چاہیے تھی۔ یہاں تک کہ ارشد کے آئندہ اقدامات کی خبر ہو جاتی، پھر وہ سوچ سمجھ کر اور اپنے بڑوں کو اعتماد میں لے کر ہی اگلے لائحۂ عمل کے بارے میں سوچ سکتے تھے۔

☆☆☆☆☆

ٹورونٹو پیئرسن انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر اپنے ڈاکومنٹس متعلقہ حکام کو دکھاتے، اپنا سامان وصول کرتے اور چیک آؤٹ کرتے وہ بے حد مطمئن تھا۔ شاداں و فرحاں۔ بہر لحاظ کامیاب۔ دو سال قبل اس نے کب سوچا تھا کہ محض باتوں باتوں میں کیا گیا اس کا ایک مطالبہ اس کے حق میں اتنا مفید ثابت ہو گا۔ جمہوریت نے ہاشمی ہاؤس اور اس کے باسیوں کو کیا دیا، اسے یہ سوچنے کی فرصت تھی نہ ضرورت...... ہاں جمہوریت نے اسے کیا دیا...... یہ وہ بخوبی جانتا تھا۔

جانے کس احمق نے کہا ہے کہ جمہوریت نام ہے انسانوں پر انسانوں کی بہتری کے لیے حکومت کا...... انسانوں کی مجموعی فلاح کے لیے حکومت کا۔ کوئی اس سے پوچھتا تو وہ بتاتا...... جمہوریت کے ثمرات سے بھی ایک مخصوص گروہ ہی مستفید ہوتا تھا۔ جمہوریت بھی چند افراد کے مفادات کے تحفظ ہی کا نام تھا...... ہاں مگر...... اس نظام میں دیگر افراد کو یہ تسلّی رہتی کہ سب کچھ ان کی خواہشات کے مطابق ہی ہو رہا ہے۔ وہ لٹتے تو اپنی مرضی سے لُٹتے تھے۔ وہ پِستے تو پوری دلی رضامندی کے ساتھ...... بے شک 'جمہوریت بہترین انتقام ہے'!۔

اس کا جی چاہا خوب دل کھول کر ہنسے۔ یقیناً اب تک گھر کے افراد اس کے گھر چھوڑ کر چلے جانے سے باخبر ہو چکے ہوں گے۔ شاید اب ان کو کچھ افسوس بھی ہوا ہو...... مگر یقیناً وہ اس کے از خود چلے جانے پر خوش ہی ہوں گے...... فی الحال......!

اس کے ہونٹوں پر ایک پر اسرار مسکراہٹ چمکی۔ ہاشمی ہاؤس کے مکینوں کے لیے اس کا آخری تحفہ ابھی تک صیغۂ راز میں تھا...... اگرچہ یہ راز جلد ہی ان پر کھلنے والا تھا۔ اس نے جیب سے سربراہ ہاشمی ہاؤس کی مہر نکالی...... جمہوریت کی آخری نشانی... جس کا آخری استعمال بھی وہ کر آیا تھا۔ جوہر ٹاؤن میں موجود ان کے کاروبار کی مرکزی برانچ کی نہایت منافع بخش نرخوں پر سودا...... اب اسے ابّا جی کی جائیداد میں سے کسی حصّے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے پاس اتنا تھا کہ ساری زندگی بھی بیٹھ کر کھاتا تو کم نہ پڑتا۔

ائیر پورٹ کے وسیع و عریض احاطے میں کھڑی ٹیکسیوں کی جانب بڑھتے ہوئے اس نے یہ مہر قریب رکھے ایک کچرا دان میں اچھال دی، اسکا مقصد پورا ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆

تاریخ نے پوچھا اے لوگو......! یہ دنیا کس کی دنیا ہے؟

شاہی نے کہا یہ میری ہے، اور دنیا نے یہ مان لیا......

پھر تخت بچھے، ایوان سجے،

گھڑیال بجے، دربار لگے

تلوار چلی...اور خون بہے

انسان لڑے، انسان مرے

دنیا نے آخر شاہی کو، پہچان لیا...... پہچان لیا

تاریخ نے پوچھا پھر لوگو......! یہ دنیا کس کی دنیا ہے؟

دولت نے کہا یہ میری ہے، اور دنیا نے یہ مان لیا

پھر بینک کھلے، بازار جمے،

بازار جمے، بیوپار بڑھے

انسان لٹے، انسان بکے......

آرام اڑے، سب چیخ اٹھے

دنیا نے آخر دولت کو، پہچان لیا...... پہچان لیا

تاریخ نے پوچھا پھر لوگو...! یہ دنیا کس کی دنیا ہے؟

محنت نے کہا یہ میری ہے، اور دنیا نے یہ مان لیا

پھر روح دبی، پھر پیٹ بڑھے،

افکار سڑے، کردار گرے

ایمان لٹے، اخلاق جلے،

انسان نرے حیوان بنے

دنیا نے آخر محنت کو، پہچان لیا...... پہچان لیا

تاریخ نے پوچھا پھر لوگو......!! یہ دنیا کس کی دنیا ہے؟

مومن نے کہا اللہ کی ہے، اور دنیا نے یہ مان لیا

پھر قلب و نظر کی صبح ہوئی......

اک نور کی لے سی پھوٹ بہی

اِک اِک خودی کی آنکھ کھلی......

فطرت کی صدا پھر گونج اٹھی

دنیا نے آخر آقا کو، پہچان لیا... پہچان لیا......!!

(چند ماہ بعد......)

ہاؤس نمبر ۴۳۴، اے بلاک، ماڈل ٹاؤن۔

یہ ہاشمی ہاؤس ہے۔ یہاں بیرسٹر طفیل ہاشمی کے تین بیٹے، ابو بکر ہاشمی، عثمان ہاشمی اور جاوید ہاشمی اپنے اپنے خاندانوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ کسی زمانے میں نہایت شان و شوکت کا حامل یہ گھر آج قدرے شکستہ حال نظر آتا ہے۔ پورچ میں جہاں کبھی چار چار گاڑیاں کھڑی ہوتی تھیں، آج محض ایک پرانے ماڈل کی کلٹس اور تین موٹر سائیکلیں کھڑی نظر آتی ہیں۔ گیٹ پر کھڑے پہرے پر مامور گارڈز کو فارغ کر دیا گیا ہے۔ گھر کی پچھلی جانب سرونٹ کوارٹر بھی خالی پڑے ہیں۔ مالی مشکلات کے سبب گھر کے عیسائی ملازم پرویز کو اس کی فیملی سمیت برخواست کر دیا گیا ہے۔ یوں بھی جب گاڑیاں ہی نہ رہیں تو ڈرائیور کا کیا کام۔ نذیر بھی اپنی والدہ اور بیوی بچے سمیت واپس گاؤں چلا گیا ہے۔ ہاشمی ہاؤس میں اب سب لوگ اپنے کام خود کرتے ہیں۔

ملازمین کی عدم موجودگی میں گھر کی لڑکیاں تمام کام خود کرتی ہیں۔ گھر کی صفائی ستھرائی سے لے کر کچن کے تمام کام، اپنی اپنی ماؤں کی زیر نگرانی بخوبی انجام دیے جاتے ہیں۔ ابتداً یہ سب ان کو مشکل لگا، مگر عادت ڈالنے اور پختہ ہونے میں کتنا وقت لگتا ہے......کام کرتے رہنے سے فارغ ہاتھ عادی بھی ہو گئے ہیں اور مشاق بھی آ گئی ہے۔ نیز دماغوں کے پاس فارغ وقت میں بیکار خیالات سوچنے کی فرصت بھی باقی نہیں رہی۔

صبح سویرے سب بچے سکول جاتے ہیں۔ چھوٹے بچوں اور بہنوں کو ان کے سکول و کالج پہنچانے اور واپس لانے کی ذمہ داری زین اور اویس کے پاس ہے۔ اگرچہ گھر کے سب بچوں اور لڑکیوں کو ان کے مختلف اداروں میں چھوڑنے اور لانے کے لیے انہیں بہت جلدی اٹھنا پڑتا ہے اور دو، دو چکر لگانے پڑتے ہیں، مگر سخت نظم و ضبط کی پاسداری کرتے ہوئے وہ یہ ڈیوٹی خوشدلی سے انجام دے رہے ہیں۔ بچوں کے نکلنے کے ساتھ ہی تیسری بائیک پر ولید وزوار اور گاڑی پر جاوید اور ابو بکر صاحب اکٹھے نکلتے ہیں۔

ان سب کے جانے کے بعد گھر کی خواتین اپنے اپنے کام نمٹاتی ہیں۔ بارہ بجے کے بعد عموماً وہ سب فارغ ہو جاتی ہیں۔ پھر یا تو کبھی چائے پینے کے بہانے اکٹھی ہو جاتی ہیں یا کوئی نہ کوئی بہو ابا جی کی خدمت و دلداری کے لیے ان کے پاس جا بیٹھتی ہے۔ ابا جی اگرچہ پہلے سے کمزور دکھائی دیتے ہیں، اس کے باوجود ان کے چہرے پر دل کے اطمینان اور سکون کی جھلک صاف دیکھی جا سکتی ہے۔ دوسری طرف عثمان صاحب کے پورشن میں، عثمان صاحب بھی تیزی سے رو بہ صحت ہیں۔ وہ اب بغیر سہارے کے چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ اگرچہ ان کے بھائی اور بھتیجے انہیں کچھ عرصہ مزید آرام کرنے کی تلقین کرتے ہیں، اس کا باوجود وہ اب ہفتے میں چند دن ضرور کاروباری کاموں میں شرکت کرنے کی خاطر دکان پر جاتے ہیں۔

(باقی صفحہ نمبر 67 پر)

سوشل میڈیا کی دنیا سے......

یہاں درج فاضل لکھاریوں کے تمام افکار سے ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

جمع و ترتیب: محمد سالِم ملک

ذالک ھو الخسران المبین......خالد محمود عباسی صاحب نے لکھا

ایک ملک کے بادشاہ سے ملی گھڑی بیچی گئی۔ ایک ہنگامہ برپا ہے......!!

بادشاہِ ارض و سماء سے ملی زندگی کی گھڑیاں اپنی خواہشات کی بھینٹ چڑھائی جا رہی ہیں۔ کوئی اظہار تاسف بھی نہیں کر رہا......!!!

اے پتر......مدثر اقبال نے لکھا

وہ جب ریٹائر ہوا تو اسکے دونوں ہاتھ خالی تھے اور بنک میں صرف بارہ ارب روپے تھے۔

اے پتر ہٹاں تے نئیں وکدے

یہ بات سمجھ میں آئی نہیں......تیمور سلیم نے لکھا

جن کی وجہ سے پاکستان محفوظ ہے وہ ریٹائرمنٹ کے بعد پاکستان چھوڑ کر کسی محفوظ ملک کیوں چلے جاتے ہیں؟

#رافضہ......شیخ حامد کمال الدین نے لکھا

جہاں اقلیت میں ہوں گے وہاں pluralism کی دہائیاں۔

جہاں اکثریت ہوں گے وہاں اقلیت کی زندگی اجیرن۔ اور شور مچانے میں پھر بھی اچھے!

لیجیے تو دیکھ کر......عبد المحسن الاحمد نے لکھا

مثالیں دیتا ہے بار بار مغرب کی صنعت اور ترقی کی۔

مگر مغرب سے 'لینے' کے لیے اس کے پاس بے حیائی اور بدکاری کے سوا کچھ نہیں

اس شخص کی طرح جو کتے کی تعریفیں تو کرے اس کی وفاداری پر، لیکن سیکھے اس سے صرف بھونکنا!

گندے کھیل میں اصل بات......فیض اللہ خان سواتی نے لکھا

آڈیوز اور ویڈیوز کے گندے کھیل میں میرے آپکے لیے سیکھنے کا صرف یہ ہے کہ اس دن کے لیے تیاری اور توبہ کرنی چاہیے جہاں سب کے کھاتے سب کے سامنے کھلیں گے، فرانزک کی ضرورت پڑے گی اور نہ ہی سچے جھوٹے ہونے کی توجیح پیش ہوگی (اے اللہ پردہ فرما ہمارا)

یاد رکھیں قبر کے اندھے گڑھے میں میرے آپکے جان سے پیارے پڑے ہیں مگر ہم میں سے کوئی انکے ساتھ دفن نہیں ہوا......

اس دن کی تیاری کریں جسکی ہولناکی سے نبی کریم ﷺ روپڑتے تھے، اسی سفر کی بابت کہا گیا تقوی لے لو بیشک وہ بہترین زادِ راہ ہے۔

نصابِ تعلیم و لٹریچر کس کا تشکیل کردہ ہے......محمد طلال نے لکھا

اس بحث کو ہم ایک جانب رکھتے ہیں کہ ہم کس نظام کے سائے تلے کشمیر فتح کریں گے۔ لیکن اگر ایسا ہو گیا تو سب سے پہلا سوال جو میرے ذہن میں آتا ہے وہ کیا ہے......؟ یہی کہ ہم وہاں کا تعلیمی نظام وہی رہنے دیں گے جو بھارت نے ظالمانہ قبضے میں کشمیریوں پر تھوپ رکھا تھا؟ ہرگز نہیں......

دشمن قوتوں کے زیر تسلط خواہ کوئی بھی ملک ہو وہاں سب سے پہلی چھیڑ چھاڑ مقامی کلچر اور مقامی روایات کو چیلنج کر کے کی جاتی ہے تاکہ مستقبل میں وہاں کوئی مزاحمت زور نہ پکڑے خصوصاً اگلی نسلیں اپنے ہی ملک کی آزادی کی جنگ لڑنے میں شرم محسوس کریں اور اسکی بنیاد ایسے تعلیمی لٹریچر سے ڈالی جاسکتی ہے جس میں دشمن قوتوں سے ٹکرانے والے اپنے ہی ہم وطنوں کو ظالم جابر، ملک و قوم کا دشمن بنا کر دکھایا جاتا ہے۔ اسکا فوری اثر نہیں ہوتا ہے لیکن یہ دوسری اور تیسری نسل جو دشمن قابض قوت کے بنائے ہوئے نظام تعلیم سے مستفید ہو رہی ہے اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی......

آج افغانستان میں یونیورسٹی لیول پر طلبہ و طالبات کو کچھ مخصوص لٹریچر تک رسائی حاصل کرنے سے روکا گیا تو دنیا بھر کے میڈیا میں شور مچ گیا لیکن کوئی یہ سوال نہیں کرے گا کہ آخر وہ تعلیمی لٹریچر واقعی افغانوں کا بنایا ہوا ہے یا قابض قوتوں کا؟؟

معتدل بات......احمد عمر نے لکھا

آجکل اعتدال کا مطلب یہ ہو گیا ہے کہ تھوڑا سا حق لیں، اس میں تھوڑا سا باطل ملا کر بیچ کی بات کہہ دیں۔ لوگ کہیں گے بڑی معتدل بات کہی ہے......

طالبان اپنے مواقف سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے!......ادریس چرخی نے لکھا

طالبان اپنے مواقف سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے! اس لیے کہ انہوں نے امریکہ کے مقابل اپنا بیس سالہ جہاد موٹر سائیکلوں پر بیٹھ کر کیا ہے اور موٹر سائیکل میں ریورس گیئر نہیں ہوتا!

آہ بابری مسجد کی آواز

محمد جسیم اکرم مرکزی

آواز یہ دیتی ہے ہمیں بابری مسجد
آباد مجھے کیجیے اے عابد و زاہد

کیوں ڈرتے ہو اس طرح بتا فوج عدو سے
کیا کوئی نہیں تم میں رہا قاسمؒ و خالدؓ

کیا چیخ و پکار آپ تلک میری نہ پہنچی
خاموش زباں کیوں ہے، کہیں قوم کے قائد

گر آج نہیں تم نے کیا رد عمل تو
کل آئے گی پھر زد میں کوئی دوسری مسجد

گر چاہتا ہے فتح و ظفر تجھ کو ملے تو
دنیا کو پسِ پشت رکھ اے مردِ مجاہد

تکلیف بھی دی شرک کیا نام بھی بدلا
کیا کیا نہ کیا مجھ پہ ستم ظالم و حاسد

اللہ کے گھر کو بناتے ہو کلیسا
کیا امن یہی چیز ہے بتلاؤ اے ملحد

اسلام کے احکام پہ ہیں اب تیری نگاہیں
اللہ ہی جانے کہ ترے کیا ہیں مقاصد

ایوبی کوئی بھیج دے اے خالق و مالک
دیتے ہیں بہت رنج مجھے مشرک و ملحد

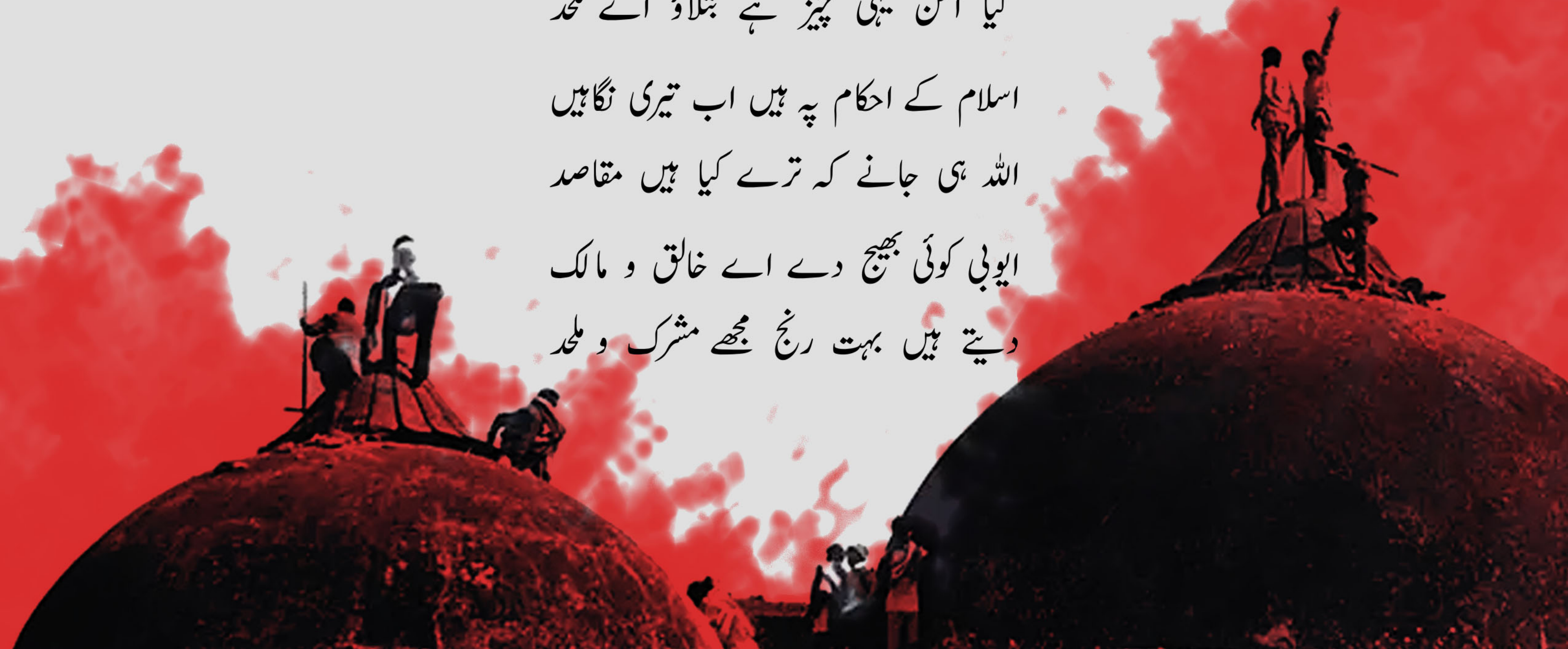

جامعہ مسجد سری نگر سے بابری مسجد تک...... جہاد حل ہے!

’’سوال یہ ہے کہ ڈر لگتا ہے کہ جہاد میں جانے سے جان چلی جائے گی، مال چلا جائے گا، نقصان ہو جائے گا۔ کشمیر اور ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ آج تک ہو رہا ہے کیا وہ کم ہے؟ آج تک سنہ سینتالیس (۴۷ء) سے اب تک جو گنوایا ہے، کیا وہ کچھ کم ہے؟ اس سے زیادہ اور کیا چلا جائے گا؟ حالانکہ جہاد تو دفاع و عزت و حفاظت کی ضمانت ہے۔ اللہ نے اس دور میں بھی آپ کو دکھا دیا۔ اس وقت جو کچھ کشمیر و ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے، جو جان و مال کا نقصان انہیں پہنچایا جا رہا ہے، اگر یہی جان و مال جہاد میں لگا دیا جاتا (تو کیا یہ نقصان ہوتا؟)......آپ ذرا وہ اعداد و شمار اٹھا کر دیکھ لیجیے جو سنہ سینتالیس سے لے کر اب تک مسلمانوں کو جو جانی و مالی نقصان ہوا ہے اگر یہ جہاد میں لگ جاتا تو اتنا نقصان نہ ہوتا۔ مسلمانوں کا نقصان جہاد میں لگنے کے بعد بہت کم ہوتا ہے۔ اس کے بدلے میں جو نقصان کافروں کا ہوتا ہے تو اس کے بھی اعداد و شمار اٹھا کر دیکھ لیجیے، افغانستان میں دیکھیے اور ساری دنیا میں دیکھ سکتے ہیں۔

اللہ نے اس راستے کو عزت کی زندگی اور عزت کی موت کا راستہ بنایا ہے۔ اگر آپ کو کمزوری کا عذر ہے تو قرآن اٹھا کر دیکھیے کہ جہاد کمزوروں ہی کو طاقت ور بنانے کے لیے فرض کیا گیا ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ بھارت بڑا طاقت ور ہے تو یاد رکھیے جہاد طاقت وروں کا غرور خاک میں ملانے کے لیے فرض کیا گیا ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہے۔ اپنے کشمیری مسلمان بھائیوں کے لیے، آسام کے مسلمانوں کے لیے اور خود آپ کے اپنے لیے......آپ کا کون سا خطّہ ہے جہاں آپ کی جان و مال خطرے میں نہیں ہے؟! جہاں آپ کے املاک نہیں لوٹے گئے۔

اللہ کا وعدہ ہے، میرے بھائیو! اللہ کا وعدہ ہے، إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ......اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے کمزور قدموں کو جما دے گا۔ تم نہتے ہو گے اللہ تمہیں بہادر بنا دے گا۔ تمہارے ہاتھ میں پتھر ہوں گے اللہ ان کو بم بنا دے گا۔ تمہارے ہاتھ میں چھوٹا اسلحہ ہو گا، اللہ تمہیں اس چھوٹے اسلحے کے ذریعے بڑے اسلحے والوں پر غالب کر دے گا۔ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ......نہ جانے کتنی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں!‘‘

حضرت الامیر مولانا عاصِم عمر سنبھلی شہید رحمہ اللہ